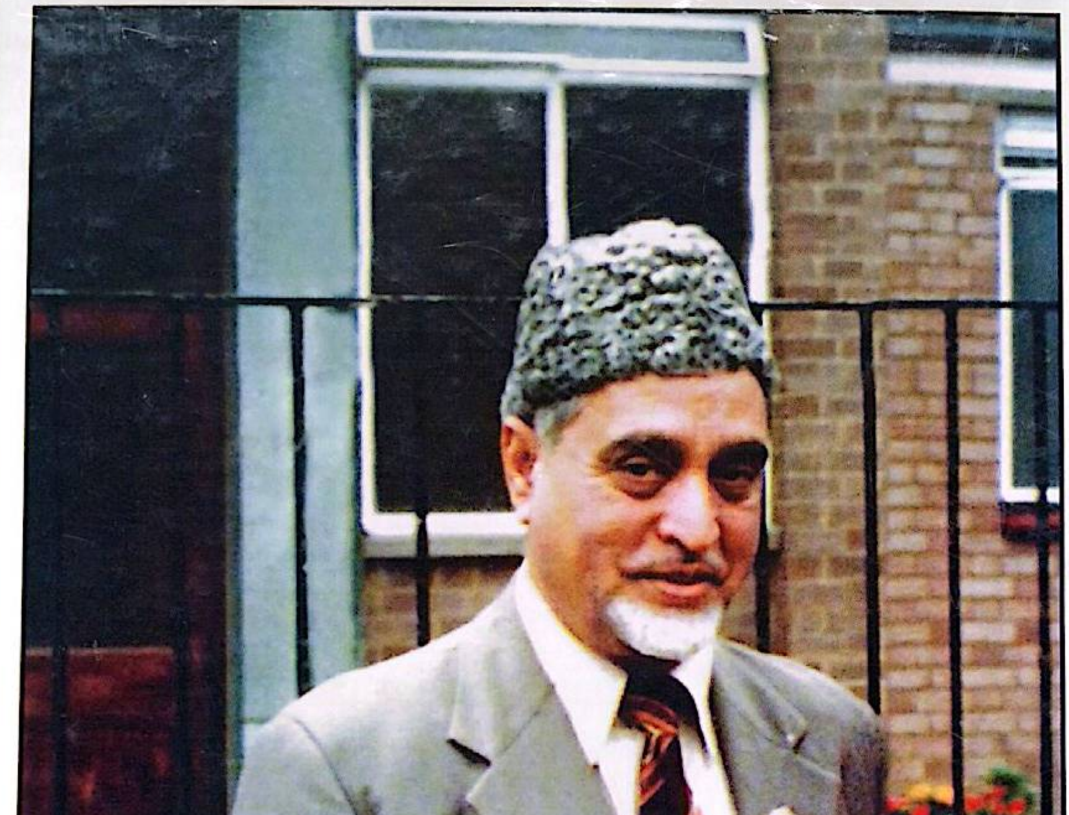
داستانِ حافظ بزبانِ حافظ



حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ وانڈونیشیا

1917ء تا 1994ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لئن شکرتم لأ زیدنکم

زندگی بھر جو اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں اُن پر اظہارِ تشکر کے خیال سے
شکرانِ نعمت کے طور پر عاجز کے مختصر کوائف حیات

موسومہ بہ

داستانِ حافظ
بزبانِ حافظ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا　　جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن۔ شکر وسپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

خاکسار

حافظ قدرت اللہ عفی عنہ

لندن 1993ء

نام کتاب: داستانِ حافظ بزبانِ حافظ

مصنف: حافظ قدرت اللہ صاحبؓ مرحوم

سابق مشنری انچارج ہالینڈ اور انڈونیشیا

ناشر: عزیز اللہ صاحب مانٹریال کینیڈا

کمپوزر: ریاض احمد ساجد

(0333-6710715)

سن اشاعت: فروری 2006ء

ملنے کا پتہ: Mr. AZIZULLAH.

70 DE LA BARRE APT 908

LONGUEUIL, QUE.

J4K 5J3 CANADA.

انتساب

اپنے یہ حالاتِ زندگی۔ اگر ان میں خوبی کا کوئی پہلو ہے تو مَیں انہیں اپنے مولیٰ کے احسانات کے تشکر کے طور پر، اپنے نیک مخلص اور دعائیں کرنے والے بزرگ والدین حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالویؓ صحابی (سابق صدر جماعت احمدیہ سرگودھا) اور اپنی والدہ محترمہؓ کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی نیکی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں احمدیت کی نعمت سے نوازا۔ اور جن کا وجود ہمارے سارے خاندان کیلئے خیر و برکت کا موجب ہوا۔

اللّٰھم اغفرلی ولوالدیّ و للمومنینَ یوم یقوم الحساب

اظہار تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علی عبدہ المسیح الموعود

خاکسار کے والد محترم مکرم ومحترم حافظ قدرت اللہ صاحب (مرحوم) سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک دیرینہ خادم تھے جن کی ساری زندگی ہی جماعت احمدیہ کے ساتھ وابستگی میں گزری۔ اور زندگی بھر اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہے فالحمد للہ علیٰ ذالک

جملہ اعزہ واقرباء کی خواہش پر انہوں نے اپنے حالات زندگی قلمبند کئے اور اُن کی خواہش تھی کہ اپنی زندگی میں ہی ان کے یہ تاثرات کتابی صورت میں معرضِ وجود میں آجائیں۔ لیکن ان کی زندگی نے وفانہ کی۔ بعد میں بوجوہ اشاعت میں تاخیر ہوتی گئی۔

2005ء کے اواخر میں مکرم ومحترم اللہ بخش صاحب صادق (صدر عمومی ربوہ) مانٹریال تشریف لائے اور ملاقات پر خاکسار کو انہوں نے توجہ دلائی۔ اسی طرح مکرم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد امام مسجد فضل لندن نے بھی خاکسار کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

خاکسار کا جب اس سال قادیان جلسہ سالانہ میں شمولیت کا پروگرام بنا تو یہ مسودہ بھی خاکسار اپنے ہمراہ لے آیا اور مکرم ومحترم اللہ بخش صاحب صادق کے مشورہ سے مکرم مرزا خلیل احمد صاحب قمر سے رابطہ کیا جنہوں نے کمال شفقت اور توجہ سے اس کام کی تکمیل کی۔ فالحمد للہ وجزاہ اللہ تعالیٰ

خاکسار ان سب احباب کا شکر گزار ہے جنہوں نے خاکسار کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور جو اس کو کتابی شکل میں ڈھالنے میں مدد ہوئے۔ اب یہ نسخہ قارئین کے پیش خدمت ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں محترم والد صاحب مرحوم کی سلسلہ سے وابستگی کے ساتھ انکے جذبۂ خدمتِ دین کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

طالب دعا

خاکسار　عزیز اللہ

حال مانٹریال۔ کینیڈا دسمبر 2005ء

پیش لفظ

اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں دراصل میرا خیال نہیں تھا کہ مَیں خاص طور پر اس ضمن میں کچھ تحریر میں لاؤں کیونکہ اول تو مجھے کوئی ایسی خاص بات نظر ہی نہیں آرہی تھی جو ذکر کے قابل ہو۔ یا زندگی میں کوئی ایسا کارنامہ ہی ہو جو انجام دیا ہو یا کوئی اہم چیز ہو جو احباب کیلئے دلچسپی کا باعث ہو۔ اس لئے مَیں نے اس خیال کو ہی چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے پھر ایک وجہ یہ تھی۔ کہ انسان جب اپنے متعلق کچھ لکھنے لگتا ہے تو خواہ وہ عام واقعات ہی ہوں۔ تو اس وقت انسان کا اپنا نفس کسی نہ کسی طرح ضرور درمیان میں آجاتا ہے۔ اور اس سے طبیعت طبعاً رُکتی ہے۔ اس لئے بھی مَیں اس خیال کا حامی نہ رہا۔ لیکن پھر دوسری طرف دیکھنے سے اس کا ایک یہ پہلو بھی نظر آیا کہ ایک انسان کی زندگی جیسے بھی وہ گزرتی ہے وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی نعمتوں کے زیر سایہ ہی گزرتی ہے۔ اور لازماً یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ بلکہ اس پر اپنے مولا کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جا سکے۔ کم ہے۔ دراصل شکر اور تشکر کے یہی احساسات اور جذبات ہیں جن کیلئے عاجز نے قلم اُٹھانے کی جرأت کی۔ اللہ تعالیٰ اسے برکت کا موجب بنائے اور انجام بخیر کرے۔ آمین۔

فہرست مضامین

احمدیت کی برکت

قبل اس کے کہ میں اس بارہ میں مزید کچھ عرض کروں ۔ یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے احسانات ہیں جن سے ہم لطف اندوز ہو رہے ہیں اور جن کے متعلق دل ہر لحہ شکر اور تشکر کے جذبات سے لبریز ہے یہ سراسر اور کلیتہً احمدیت کی برکت ہے ۔ ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ کم از کم میں تو اپنے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتا جو مجھے ان نعمتوں کا کسی رنگ میں بھی اہل یا مستحق قرار دے۔ چنانچہ سب سے پہلا احسان تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہی ہے ۔ کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہمیں دُعائیں کرنے والے نیک اور مخلص والدین عطا کیے ۔ جنکی قریباً ساری زندگی خصوصاً 1901ء سے جب کہ وہ احمدیت کی نعمت سے مشرف ہوئے سراسر احمدیت کیلئے ہی ہوگئی ۔ اور یہی احمدیت زندگی بھر پھر ان کی روحِ رواں رہی ۔ چنانچہ انہوں نے طبعاً اور لازماً پھر اپنی اولاد کو بھی اُسی راہ پر لگا دیا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک) اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے ۔ آمین

عاجز کی زندگی 22 رفروری 1917ء سے شروع ہوتی ہے ۔ زندگی کا ابتدائی دور یعنی ربع صدی سے کچھ زائد عرصہ تو قادیان دارالامان کی مقدس اور مبارک بستی میں گزرا ۔ وہیں ہوش سنبھالا ۔ تعلیمی زمانہ بھی وہیں بسر ہوا اور قرآن کریم حفظ کرنے کی بھی توفیق ملی ۔ مولوی فاضل اور تعلیم کا کچھ مزید حصہ مکمل کیا اور زندگی وقف کر دی ۔ وقف کے 5-7 سال بھی دارالواقفین کی ٹریننگ میں وہیں گزرے ۔ اور پھر 45ء میں حضرت المصلح موعودؓ کے ارشاد سے انگلستان کیلئے روانگی ہوگئی ۔ اس کے بعد 47ء میں ہالینڈ میں نئے مشن کے قیام کیلئے ارشاد موصول ہوا ۔ اس کے بعد پھر

انڈونیشیا جانے کی بھی توفیق ملی۔اس طرح 15 سال ہالینڈ میں اور 10 سال انڈونیشیا میں اللہ تعالیٰ نے صداقت اسلام کا پیغام پھیلانے کی توفیق عطا ہوئی۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے زندگی کے ابتدائی دور میں جو قادیان میں گزرا۔سلسلہ کے بہت سے نیک اور پاک بزرگوں اور صحابہ سے فیضیاب ہونے اور ان کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کے مواقع عطا کئے۔ پھر اس کے علاوہ قادیان کے اس دور کے بعد ہالینڈ کا سالہا سال کا وہ زمانہ بھی نہیں بھولتا جو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی نیک اور پاک صحبت میں اور آپ کے قرب میں گزرا۔ گو آپ کے ساتھ تعلقات تو دیر کے تھے مگر جو قرب وہاں نصیب ہوا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔ وہ واقعات جب ایک ایک کر کے یاد آتے ہیں۔اور آپ کی شفقت اور آپ کی نوازشات جب سامنے آتی ہیں تو دل بے اختیار تڑپ اُٹھتا ہے۔اور انہیں یادوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے وہ بہت ہی خاص وجود تھے۔ایسے وجود بار بار پیدا نہیں ہوتے۔

''بڑی مشکل سے ہوتا چمن میں دیدہ ور پیدا''

یہ تمام امور جنہیں صرف مَیں اشارۃً ہی ذکر کر سکا ہوں یہ سب دراصل جذبات تشکر ہی کی کیفیات ہیں۔جن سے دل کبھی بھی خالی نہیں ہوا۔دراصل اسی غرض سے کہ اَمَّا بِنعمتِ ربکَ فحدِّثْ کے ارشاد کی تعمیل ہو۔یہ حالات سپرد قلم کئے جا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اسے برکت کا موجب بنائے۔آمین

پھر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل یہ ہے کہ اس نے محض اپنے کرم سے ایسی سعید فطرت رفیقہ حیات عطا کی۔جس نے زندگی بھر قربانی اور خلوص کے جذبات کے ساتھ سفر و حضر میں۔تنگی و ترشی میں۔اور سالہا سال کی جدائیوں میں جو دین کی خاطر مجھے اختیار کرنا پڑیں۔محض خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر زندگی بھر اُس نے میرا ساتھ دیا اور بطیب خاطر انہیں

برداشت کیا۔اور پھر بچوں کا ہر قسم کا خیال رکھا۔ان کی تعلیمی ضروریت کی طرف بھی بھرپور توجہ دی۔اور پھر نامساعد حالات میں انکی شادیوں کے جملہ فرائض بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے قریباً خود ہی انجام دیئے۔اللہ انہیں اس کی بہترین جزاء دے۔اور ہمیشہ خوش رکھے۔آمین۔

پھر خدا تعالیٰ نے اپنے کرم سے ہمیں نیک اور دین دار اولاد عطا کی جو ہمارے لئے راحت اور آرام کا باعث ہے۔اور دعا گو ہے۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے جن رشتہ داروں تعلقداروں سے ہمیں نوازا۔وہ بھی اللہ کے فضل سے سارے دین دار اور محبت کرنے والے ہیں۔یہ سب اس کی نعمتیں ہیں جو شمار سے باہر ہیں اور جن کیلئے ہم جس قدر بھی اپنے مولا کا شکرادا کریں کم ہے۔ فشکر اللہ شکراً عظیماً۔

جہانتک زیرنظر حالات زندگی کا تعلق ہے۔اسکی تحریک مختلف دوستوں نے مختلف وقتوں میں کی تھی۔جن میں سے ایک تو ہمارے اپنے فرزند عزیزم محترم عزیز اللہ کینیڈا بھی ہیں۔جنہوں نے کئی دفعہ اس طرف توجہ دلائی۔چنانچہ گو مختصراً اپنے حالات جو صرف دو چار صفحات پر مشتمل ہوتے تھے۔وہ تو میں نے پہلے بھی چند ایک دفعہ ترتیب دیئے مگر وہ بہت مختصر اور سرسری رنگ کے تھے۔مگر اس دفعہ خیال تھا کہ وہ ذرا تفصیل سے تحریر کئے جائیں۔تا واقعات کی بیک گراؤنڈ بھی کسی قدر سامنے آئے۔اس خیال کا جب مَیں نے اپنے عزیزم محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن سے ذکر کیا تو انہوں نے اس تجویز کی نہ صرف تائید فرمائی بلکہ پُرزور تحریک بھی فرمائی کہ جس طرح بھی ہو سکے اس تجویز کو جلد عملی صورت دی جائے۔اور یہ کہ اس ضمن میں اگر اُن سے کسی رنگ کے تعاون کی ضرورت ہو تو وہ اس کیلئے بھی وہ تیار ہوں گے چنانچہ انہوں

نے اپنے وعدے کو پوری طرح نبھایا۔(فجزا ھم اللہ احسن الجزاء)

ورنہ اس بڑھاپے کی عمر میں اور بیماری کی حالت میں جب کہ دوائیوں کی بھر مار۔ دماغی کیفیت بھی پورے طور پر ایسے کام کیلئے ہر وقت امادہ نہیں ہوتی۔ یہ کام میرے لئے اتنا آسان نہیں تھا بہرحال جیسے بھی ہے اختصار کے ساتھ ہی زندگی کے بعض حالات پیش خدمت ہیں۔ کیونکہ تفصیل میں سارے واقعات کو تحریر میں لانا مضمون کی حد بندی کے خیال سے یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ بہت سے واقعات اور ضروری امور بھی بعض دفعہ مجبوراً چھوڑنے بھی پڑتے ہیں اسی طرح حالت زندگی کے ساتھ پھر تصاویر کے انتخاب کا مرحلہ ہے۔ جو خاصہ مشکل ہے اول تو بہت سی تصاویر بعض وجوہ کی بناء پر شامل ہی نہیں ہوسکتیں اور جو تصاویر شامل ہوتی ہیں اُن میں ہر تصویر کے پیچھے ایک داستاں میسر ہوتی ہے۔ جس کو پورے طور پر بیان کرنا خود ایک طول طویل امر ہے۔ اس کے لئے وہاں بھی لازماً اختصار ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ بہرحال جو بھی ہے خلاصہ کی بھی ایک صورت ہے ۔ جو پیش خدمت ہے گر قبول افتد۔ احباب سے اُمید ہے کہ احباب اپنی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے ۔ آمین

والسلام السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ونرجو من اللہ خیراً

اللھم آمین

والدین کا مختصر تعارف

حضرت والد صاحب محترم مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالویؓ کے حالات ایک صحابی کی حیثیت سے محترم ملک صلاح الدین صاحب نے اصحاب احمد جلد ہفتم میں شائع فرما دیئے ہوئے ہیں۔ تاہم تشکر اور دعا کے خیال سے مَیں یہاں اپنے حالات کے بیان کرنے سے پہلے اپنے والدین کا اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے زندگی بھر اپنے حالات کے ساتھ ہر موقعہ پر ان کیلئے ہمیشہ دل سے دعائیں ہی نکلتی ہیں جن کی وساطت سے ہمیں احمدیت جیسی غیر مترقبہ نعمت سے متمتع ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور جس نے ہماری زندگی کا رُخ ہی بدل ڈالا۔

اپنے والد صاحب محترم کے حالات کے ضمن میں کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک خط اپنے کرم فرما دوست مکرم نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر الفضل کو لکھا تھا جو انہوں نے الفضل میں شائع فرما دیا تھا یہ حالات گو بہت مختصر رنگ کے تھے مگر ایک حد تک خانہ پری کر جاتے ہیں۔ چنانچہ 6 مئی 1990ء میں شائع شدہ مضمون کے حوالہ سے حضرت والد صاحب کے حالات زندگی پیش خدمت ہیں۔

محترم و مکرم حضرت والد صاحب کے بارے میں کسی قدر تفصیلی حالات تو مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے اصحاب احمد جلد ہفتم میں فرما دیئے ہوئے ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ الفضل میں ان کا ذکر اختصار کے ساتھ آ جائے۔

خاکسار نے ایک خط مکرم برادرم نسیم سیفی صاحب کی خدمت میں لکھا تھا۔ جو انہوں نے ازراہِ نوازش الفضل میں بھی شائع فرما دیا۔ یہ حالات گو بہت مختصر ہیں مگر ایک حد تک خانہ پوری کر جاتے ہیں۔ حضرت والد صاحب محترم کی بیعت ۱۹۰۱ء کی ہے۔ مگر بیعت سے قبل آپ کو سخت مخالفت اور بڑی مشکلات سے گزرنا پڑا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو سُن لیا اور قبول فرمایا۔ اور بیعت کی توفیق بخشی۔ فالحمدللہ

حضرت والد صاحب محترم کا تعلق اپنے ننہال قاضی ضیاء الدین صاحب بھٹی آف قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ (والد ماجد قاضی محمد عبداللہ صاحب سابق مجاہد انگلستان اور ہیڈ ماسٹر ٹی آئی ہائی سکول۔ قادیان) سے کافی گہرا اور قریب کا تھا۔ جو اس وقت کے بڑے عالم اور بارسوخ فرد تھے۔ چنانچہ احمدیت سے تعلق بھی حضرت ابا جان کو آپ کے ذریعہ سے پیدا ہوا۔ محترم حضرت قاضی صاحب کی وفات تو ۱۹۰۴ء میں ہوئی مگر بعد میں آپ کے نام کا کتبہ جو مقبرہ بہشتی میں نصب کیا گیا۔ اس پر حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد اور ایماء سے جو ان کی دیرینہ خدمات کے پیش نظر استثنائی طور پر حضرت مصلح موعودؓ کی منظوری سے لگایا گیا اس کتبہ میں عبارت درج کی گئی وہ اس طرح ہے کہ مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ مکرم قاضی ضیاء الدین صاحب کے ذریعہ وجود میں آیا۔ اور یہ کہ حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب کو وجود مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی صحابی کے خاندان میں احمدیت لانے کا باعث ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ضلع گوجرانوالہ میں سب سے پہلے احمدی جناب قاضی صاحب ہی تھے۔ جہاں تک آپ کے کتبہ کی اس عبارت کا تعلق ہے۔ اسے خود ذاتی طور پر مجھے خود دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر عزیزم مکرم مولانا راشد صاحب نے اسے دیکھا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر اس تاریخی حقیقت کو خاکسار نے یہاں بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ احمدیت کی اس نعمت کو اس خاندان میں اچھے طور پر قائم اور دائم رکھے۔ آمین

حضرت والد صاحب محترم

حضرت والد صاحب محترم مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالویؓ کے وہ آخری الفاظ جو 52ء میں انہوں نے میرے انڈونیشیا روانہ ہوتے وقت ربوہ اسٹیشن پر الوداع کہتے ہوئے فرمائے کبھی نہیں بھولتے۔ آپ نے فرمایا جب حضور کے ارشاد سے پہلی مرتبہ تم یورپ روانہ ہوئے تھے تو اس وقت تمہارے اہل وعیال بطور امانت ہمارے پاس تھے اب تم مشرق بعید جارہے ہو اور حضور کے ارشاد سے اپنے بچوں کو ساتھ لے جارہے ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم آپس میں پھر ملتے ہیں یا کیا صورت ہوتی ہے یہ راز اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ تم سب کا حافظ وناصر ہو اور بہتر رنگ میں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ الفاظ آپ نے فرمائے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

والد صاحب محترم کی صحت ابھی کافی اچھی تھی اس لئے طبیعت ان کے الوداعی الفاظ کو کسی قسم کا منفی رنگ دینے پر قطعاً آمادہ نہ تھی۔ مگر آخر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ابھی ہم انڈونیشیا پہنچے ہی تھے کہ دفتر کی طرف سے حضرت والد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر موصول ہوئی اور پھر دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ اس سے اگلے سال حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کی وفات کی خبر موصول ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو غریق رحمت کرے اور اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

ابتدائی حالات

والد صاحب محترم کی ولادت 1881ء موضع بوتالہ ضلع گوجرانوالہ کی ہے۔ ننھیال کی طرف سے آپ کا تعلق محترم قاضی ضیاءالدین صاحب آف قاضی کوٹ سے تھا۔ جو ضلع گوجرانوالہ میں غالباً پہلے احمدی تھے اور بڑے عالم تھے۔ حضرت والد صاحب کو بھی احمدیت کا تعارف انہیں کے ذریعہ سے حاصل ہوا گو تحقیق احمدیت کا زمانہ پھر کافی لمبا چلا۔ جس میں مختلف قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور کئی مناظرے بھی ہوئے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں بھی بہت کیں چنانچہ اس بارہ میں پھر مختلف خوابیں دیکھیں جنہوں نے آخر بیعت پر مجبور کر دیا۔ آپ نے متعدد خوابوں میں دیکھا کہ قادیان گئے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ آپ سے مل کر آپ کے آنے کے مقصد کو معلوم کر کے بہت خوش ہوئے ہیں۔ ایک خواب کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ آپ کے سر پر سبز پگڑی تھی اور حضور کے اوپر سبز رنگ کی لوئی تھی۔ جو حضور نے آپ پر ڈال دی اور پھر حضور نے بیعت کی حقیقت سے بھی آپ کو آگاہ کیا چنانچہ اس کے بعد آپ نے فروری 1901ء میں اپنی بیعت کا خط لکھ دیا۔

بیعت کے بعد علاقہ میں آپکی مخالفت زور پکڑ گئی چنانچہ آپ کو مجبوراً اپنے گاؤں کو چھوڑنا پڑا اور آپ بھیرہ آگئے اور زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ بھیرہ میں آپ نے محکمہ نہر کا ایک امتحان پاس کیا۔ جس کے بعد آپ نے محکمہ نہر کی ملازمت شروع کر دی۔ خوشنویسی کا فن تو آپ کے پاس پہلے ہی تھا مگر اب زندگی ذرا مختلف رنگ میں شروع ہوگئی۔ ملازمت کے سلسلہ میں آپ نے کچھ عرصہ پھر سوات کے علاقہ میں گزارا۔ اور پھر آپ سرگودھا تبدیل ہوگئے جہاں ریٹائر ہونے تک آپ رہے اور بڑے اعزاز کے ساتھ 1935ء میں آپ ریٹائر ہوئے۔ آپ کی سروس بک میں انگریز اور دوسرے افسران نے آپ کے محنتی اور دیانتدار ہونے کے ریمارکس خاص امتیاز کے ساتھ لکھے اور آپ یہاں تک مقبول تھے کہ ریٹائر ہونے سے قبل آپ سارے پنجاب کے ملشیان ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے حتیٰ کہ ریٹائر

ہونے کے بعد بھی آپ دو مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔ بلکہ آپ کی نیک نامی اور قابلیت کی بناء پر منشیان ایسوسی ایشن کا اصرار تھا کہ آپ مزید عرصہ کیلئے اس عہدہ پر کام کرتے رہیں۔ لیکن قادیان میں مقیم ہونے کی وجہ سے آپ زیادہ وقت باہر کے کاموں کیلئے نہ دے سکتے تھے۔اس لئے آپ نے معذرت کردی۔

خدماتِ سلسلہ

اپنی ملازمت کے دوران آپ سارا عرصہ ہی کسی نہ کسی رنگ میں سلسلہ کی خدمت بجالاتے رہے۔ جماعت سرگودھا کی صدارت جب تک آپ سرگودھا رہے آپ کے سپرد رہی۔ بالاخر جب آپ سرگودھا سے قادیان آئے اور زندگی وقف کی تو حضرت فضل عمرؓ نے آپ کو نگران اور سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ دارالصناعت مقرر فرمایا چنانچہ آپ پھر سراسر اس کام میں مصروف ہوگئے۔

اس سے قبل زمانہ کی بات ہے کہ قادیان میں حضرت بانی سلسلہ کے خاندان کے بچوں کی تربیت کے پیش نظر ابنائے فارس کی ایک مجلس قائم کی گئی تھی جس میں حضرت والد صاحب ہر جمعہ کو باقاعدگی سے شامل ہوکر اس مجلس کے اجلاس کروایا کرتے تھے اور اس کام میں انتہائی خوشی اور سعادت محسوس کیا کرتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے ساتھ وابستگی

حضور نے ۱۹۲۲ء میں جب مجلس مشاورت کا قیام فرمایا تو اس پہلی مجلس شوریٰ کی رپورٹ مرتب کرنے کا اہم کام جن دو بزرگوں کے سپرد ہوا ان میں سے ایک آپ تھے۔اس کے بعد آپ مجلس شوریٰ کی مختلف سب کمیٹیوں کے ممبر منتخب کیئے جاتے رہے۔جن میں سے ۳۳ء کی مجلس شوریٰ خاص ہے اس میں حضرت فضل عمرؓ نے

۳۳-۳۴ء کے لئے ایک خاص سب کمیٹی مقرر فرمائی۔ جس میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۔...... حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ایسے ممتاز افراد شامل تھے اس سب کمیٹی کے ایک ممبر آپ بھی تھے۔ اس کمیٹی کے اجلاسوں میں حضور خود بھی شامل ہوتے رہے۔

رشتہ داروں میں باہمی اتحاد کی کوشش

اس غرض کیلئے آپ نے متعدد مرتبہ یہ اہتمام کیا کہ اپنے عزیزوں کے ہاں عصر کے وقت اطلاع بھجوا دیتے کہ آج شام کا کھانا مل کر کھائیں گے اس لئے جو کچھ بھی اپنے اپنے گھروں میں کھانا تیار ہے بغیر کسی تکلف کے اسے لے کر تشریف لے آئیں۔ تا بے تکلفی سے سب عزیزان کچھ وقت مل کر گزاریں۔ چنانچہ یہ طریقہ آپ کا بڑا ہی کامیاب رہا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کا یہ طریق رہا کہ جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے عزیزان کو اپنے قرب میں اکٹھا رکھتے۔ چنانچہ قادیان میں ۲۵ء میں جب اپنا مکان دارالبرکات میں تعمیر کیا تو قادیان ریلوے روڈ پر اپنے دوسرے عزیزوں کو بھی اکٹھا رکھا۔ اسی طرح تقسیم ملک کے بعد ربوہ میں جب آپ نے اپنا مکان درالرحمت میں تعمیر کیا تو اس موقع پر بھی آپ نے دائیں بائیں اپنے بچوں اور دامادوں کیلئے یا دوسرے بعض عزیزوں کے لئے قرب کا سامان پیدا کیا۔

ربوہ کی تعمیر اور اس کی ابتداء کے ضمن میں بھی ایک سعادت آپ کے حصہ میں آئی جس کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ کہ جب ربوہ کی ابتداء ہوئی تو اس موقع پر قربانی کا ایک جانور تو حضرت فضل عمر نے درد بھری دعاوں کے ساتھ ربوہ کے وسط میں خود ذبح کیا اور اس کے بعد قربانی کے باقی چار جانور ربوہ کے چاروں کونوں میں ذبح کئے گئے جن میں سے ایک جانور قربان کرنے کی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔

سلسلہ سے عقیدت

جہاں تک سلسلہ سے محبت اور عقیدت کا تعلق ہے وہ آپ کی زندگی میں مختلف رنگوں میں عیاں ہے ۔ ہر چند کہ آپ کی گزران معمولی رنگ کی تھی ۔ عیال داری بھی تھی ۔مگر اس کے باوجود آپ مرکزی جلسہ ہائے سالانہ یا مشاورتوں پر باقاعدہ جایا کرتے اور مرکز میں حاضری کو اپنا فرض سمجھتے ۔ پھر سلسلہ کے تمام اخبارات اور رسائل بھی منگواتے اور دوسروں کو بھی ان سے فیض یاب کرتے ۔ پھر جہاں جہاں بھی آپ بسلسلہ ملازمت رہے احمدیت کا بیج بھی ساتھ ساتھ بکھیرتے گئے اور اپنے قول وفعل سے ہر جگہ احمدیت کا نام روشن کیا۔ محکمہ نہر رشوت کے سلسلہ میں بہت بدنام ہے مگر جن لوگوں کے ساتھ بھی آپ نے کام کیا وہ آپ کی دیانتدارانہ روش کے زندہ گواہ تھے اسی وجہ سے آپ سارے محکمہ میں عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور آپ کی اس صفت کا اظہار بجا طور پر محکمہ نہر کے ماہوار میگزین میں ہوا۔ آپ کے اخلاق اور آپ کی دیانت کا یہ اعلیٰ نمونہ حقیقتاً احمدیت کی ایک عملی دعوت تھا۔ کیونکہ آپ کی احمدیت کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی ۔ ہر شخص جو آپ کے نام سے واقف تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آپ احمدی ہیں اور اسی کو اپنا دین وایمان یقین کرتے ہیں۔

قادیان سے آپ کو جو والہانہ اُنس تھی وہ بھی دراصل اس عقیدت کا ہی ایک پرتو ہے۔ جو سلسلہ سے آپ کو تھی۔ ہر چند کے سرگودھا آپ کو گھر کی طرح تھا۔ عرصہ دراز تک آپ کی ملازمت بھی وہاں رہی مگر قادیان کے ہوتے ہوئے کبھی آپ کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ سرگودھا میں کوئی مستقل رہائش کی جگہ بنائیں ۔ اگر آپ نے کوئی مکان بنایا تو قادیان ہی میں بنایا۔ یہ زمانہ ۱۹۲۵ء کا تھا۔ آپ کا عرصہ ملازمت ابھی کافی باقی تھا۔ مگر

اس خیال سے کہ قادیان ہماری زندگی کا محور ہے اپنی اولاد کی طرح وہیں ڈال دی۔

اس زمانہ میں جو جگہ آپ نے مکان کیلئے خریدی وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ سارے محلہ دارالبرکات میں دو تین ہی مکان تھے باقی سب جگہ خالی پڑی تھی یا کھیتی باڑی کے کام آتی تھی ایسے حالات میں وہاں کی رہائش خطرہ سے خالی بھی نہ تھی۔ اور بہت دفعہ ان مشکلات کا سامنا بھی ہوا۔ مگر خدا کے وعدوں پر آپ کو کامل یقین تھا۔ کہ یہ سب جگہ احمدیت کے پروانوں سے ایک دن آباد ہو جائے گی۔ اس لئے ایسا قدم اُٹھانے میں آپ کو ذرا تامل نہ تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو ایک قلبی تعلق تھا۔ بہت دفعہ قادیان آئے۔ اور حضور کے درس قرآن سے فیض یاب ہوئے جیسا کہ معروف ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کو علمی کتب کا بڑا شوق تھا اور آپ بڑی سے بڑی قیمت دے کر بھی ایسی کتب کو حاصل کر لیتے۔ ایسی ہی نایاب کتاب میں سے ایک کتاب فتح الخبیر تکملہ فوز الکبیر حضور کو بہت پسند تھی۔ چنانچہ حضور کی خواہش کے پیش نظر آپ نے اس کتاب کو نہایت خوش خط لکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے دیکھ کر حضور بہت ہی خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ جب بھی میں آپ کی لکھی ہوئی کتاب دیکھتا ہوں تو بے اختیار میرے دل سے آپ کیلئے دعا نکلتی ہے۔ یہ کتاب اب بھی خلافت لائبریری میں موجود ہے۔

مہمان نوازی اور غرباء پروری

ہر چند کے والد صاحب محترم کی زندگی بہت سادہ تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کی برکت ایسی تھی کہ گھر میں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی اور بڑی عزت کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی۔ مہمان نوازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوا

کہ مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد بیت سے جب آپ گھر تشریف لاتے تو کوئی نہ کوئی مہمان بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔ پھر اگر مہمان کو رات سونے کی ضرورت ہوتی تو اس کے لئے چارپائی اور بستر کا بھی انتظام کر دیا جاتا۔

غرباء پروری

پھر آپ کی زندگی میں ایک خاصی تعداد ایسے افراد کی بھی نظر آتی ہے جن پر آپ نے بڑے احسان کیے۔ ان کو اپنے گھر میں رکھ کر ان کے تمام اخراجات برداشت کیے۔ کتابت کا کام سکھایا۔ یا اپنے محکمہ میں چھوٹی موٹی ملازمت دلوائی۔ پھر بعضوں کے رشتے اور شادیاں خود کرائیں اور ان کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لیا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان نیکیوں کو جتانا آپ کی طبیعت میں نہ تھا اور نہ ایسے لوگوں سے جب وہ آسودہ حال بھی ہو گئے۔ ان سے اپنی کوئی غرض وابستہ رکھی۔ بلکہ محض خدا کیلئے یہ کام کیے۔ اور اس پر شکر بجالائے۔

علمی مذاق

آپ کو علمی لٹریچر سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ کی دینی معلومات کافی وسیع تھیں۔ قرآن کریم سے ایک خاص تعلق تھا۔ عربی کے علاوہ آپ کو فارسی زبان میں بھی خوب مہارت تھی اور کافی عبور تھا۔ گلستان بوستان آپ کو قریباً از بر تھیں۔ اکثر شیخ سعدی کی سبق آموز داستانیں اور حکایات اور اشعار ہمیں سنایا کرتے اور خواہش رکھتے تھے کہ ان سے کوئی یہ علوم سیکھے پھر صاحب ایمان کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ یہی کیفیت کچھ آپ کی تھی۔ تمام نمازیں حتیٰ الوسع بیت الذکر میں ادا کرتے۔ طبیعت کے لحاظ سے آپ متحمل مزاج تھے مگر غیرت آپ میں بہت تھی لیکن کسی کو غصہ ہوتے کم ہی دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر آپ

ہمیشہ قانع اور مطمئن نظر آتے تھے۔فرمایا کرتے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیں حق حلال کی کمائی سے حصہ دیا ہے اور اسی میں ساری برکت ہے۔آپ کا وجود خاندان کیلئے ایک نمونہ اور ایک ستون تھا۔جس کے گرد جملہ خاندان متحد ہوئے بیٹھے تھے۔احمدیت ان کا ایمان اور احمدیت ہی ان کی جان تھی۔خدا کرے اسی پر ہمارا بھی خاتمہ بالخیر ہو۔

آپ کی اولاد

(۱) مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انورؔ۔جو ابتداء ایک لمبا عرصہ تک بطور انچارج تحریک جدید رہے اور پھر حضرت فضل عمرؓ کے ساتھ پرائیویٹ سیکریٹری یا اسسٹنٹ سیکریٹری کے طور پر کام کیا۔

(۲) خاکسار (حافظ) قدرت اللہ واقف زندگی۔سابق مربی ہالینڈ ۔انڈونیشیا وانگلستان

(۳) ملک عنایت اللہ صاحب جو آجکل لاہور کے حلقہ نیو گارڈن ٹاؤن کے صدر ہیں

(۴) محترمہ امۃ الحمید بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم قاضی محمد رشید صاحب انصاری ریٹائرڈ سویلین گزیٹڈ آرڈیننس آفیسر وسابق وکیل المال تحریک جدید۔آپ بفضل تعالیٰ بہت مخلص وجود تھے۔آپ کی وصیت بھی 1/3 کی تھی۔

(۵) محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم مولانا ابوالعطا صاحب ''خالدِ احمدیت'' جو کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں۔

والد صاحب حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی اور حضرت والدہ صاحبہ محترمہ امتہ العزیز بیگم صاحبہ کی بیعت ۱۹۰۱ء کی تھی۔اور آپ دونوں کی وصیت بھی ۱۹۱۳ء کی ہے۔دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین کی سعادت بخشی۔عجیب حکمت ہے کہ اگرچہ آپ دونوں کی وفات میں کوئی ڈیڑھ پونے دو سال کا فرق ہے۔لیکن قبریں پھر بھی قطعہ خاص میں ساتھ ساتھ ہیں محترمہ بھی نہایت مخلص، نیک دل اور عبادت گزار خاتون تھیں اللہ تعالیٰ ان دونوں وجودوں کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔

حضرت والدہ صاحبہ محترمہ

حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کا نام امتہ العزیز بیگم تھا جو ابا جان کے چچا مولوی احمد دین صاحب کی صاحبزادی تھیں اور بہت ہی دین دار، صابر و شاکر طبیعت کی مالک تھیں۔ زندگی کے ہر قسم کے حالات میں سفر و حضر میں۔ عسر و یسر میں ابا جان کا پورے طور پر انہوں نے زندگی بھر ساتھ دیا۔ مجھے کبھی یاد نہیں پڑتا کہ ان کا آپس میں کبھی جھگڑا یا نا اتفاقی ہوئی ہو حالانکہ سخت مخالفت کے حالات سے بھی انہیں گزرنا پڑا۔ پھر بچوں کی دیکھ بھال ان کی دینی اور اخلاقی تربیت اور ان کی ہر تکلیف کو ہمت سے برداشت کرنا اور ان کیلئے قربانی کرنا۔ یہ سب کچھ والدہ کیلئے کوئی آسان نہیں ہوتا۔ مگر ان سب فرائض کو انہوں نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے پوری طرح نبھایا۔ چنانچہ انہیں جذبات کے ماتحت پھر نیک والدین نے پہلے اپنے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن (انور) کو وقف کیا۔ اور پھر مجھے بھی اسی راہ پر چلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ والدہ کی تربیت کا بچوں میں بڑا دخل ہوتا ہے اور اس کی حقیقی رنگ میں قدر کرنا۔ اولاد پر لازم ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ ''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے'' پھر حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کی طبیعت میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کیلئے تشکر کے جذبات بھی نہایت عمدہ رنگ میں موجزن تھے۔ انانیت کسی رنگ کی نہ تھی۔ بلکہ طبیعت میں انکساری اور ملنساری تھی۔ اور محبت کا ہمدردی اور غرباء پروری کا رنگ تھا۔ چنانچہ ابا جان نے زندگی بھر متعدد محتاجوں کو اپنے گھر میں رکھا۔ انہیں جوان کیا

لکھایا پڑھایا اور پھران کی شادیاں بھی کیں ۔ یہ سب کچھ حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کے تعاون کے بغیر کس طرح ممکن تھا۔ پھر والدہ صاحبہ محترمہ بڑی خدایاد تھیں ۔ زندگی کا جو وقت بھی انہیں ملا وہ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں ۔ چنانچہ ایک فقرہ جو اکثر وہ کہا کرتی تھیں ۔ وہ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہا ہے ۔ فرمایا کرتی تھیں

''غنیمت جان رل مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے''

یہ فقرہ صرف میرے ہی کانوں کی گونج نہیں بلکہ اب جب کبھی بھی اپنی ہمشیرہ محترمہ سعیدہ بیگم (جو عزیزم راشد صاحب کی والدہ ہیں) کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ بھی اکثر اس فقرہ کو بیان کرتی ہیں۔

پھر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی خاص تعلق رہا ہے ۔ خصوصاً حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس ضمن میں پرانا واقعہ یاد آرہا ہے جو ۲۵ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔ اس وقت ہمارا مکان دار البرکات ریلوے روڈ پر نیا نیا بنا تھا۔ ان دنوں حضرت ام المومنینؓ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ بعض دفعہ اس طرف سیر وتفریح کی غرض سے نکل آیا کرتی تھیں ۔ مکان تو اس علاقہ میں ان دنوں کوئی خال خال ہی ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب آپ کا گزر اس طرف سے ہوا تو واللہ اعلم کس خیال سے (ممکن ہے کچھ ستانے کا خیال ہو یا کوئی اور ضرورت ہو) آپ نے ہمارے مکان کا دروازہ کھولا تو حضرت ام المومنینؓ کو اندر سے میری والدہ محترمہ نظر آئیں ۔ جس پر آپ نے اپنی دوسری ہمجولیوں کو بھی بے تکلفی سے آواز دی کہ آؤ بہنو! یہ تو اپنا ہی گھر ہے ۔ چنانچہ پھر آپ نے کچھ وقت ہمارے غریب خانہ پر آرام بھی فرمایا۔

اس تعلق کے ساتھ مجھے ایک اور روایت بھی یاد آرہی ہے ۔ جس کا علم قابل

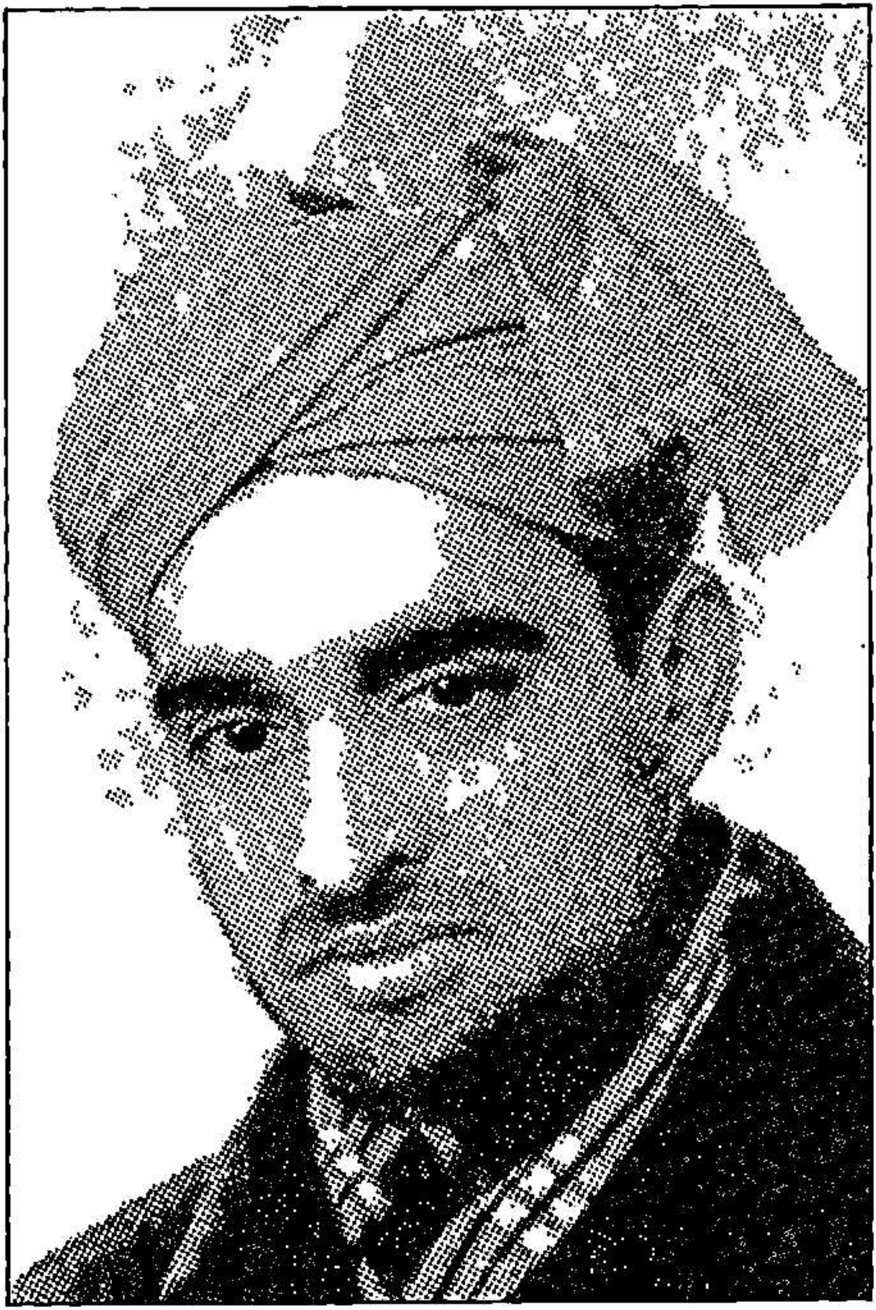
اعتبار ذریعہ سے مجھے ہوا ہے کہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے رشتہ کے ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ابا جان کے سامنے جب رشتہ کی تجویز رکھی جو میری ہمشیرہ سعیدہ بیگم سے ہونا تھا جو طبعی بات ہے اس تجویز پر دونوں طرف سے آمادگی ہو گئی اور بات ایک حد تک طے ہو گئی۔ مگر شادی سے قبل حضور اقدس کو کسی طرح یہ احساس ہوا کہ مولوی ابولعطاء صاحب کی خواہش تھی کہ وہ مجوزہ رشتہ کے بارہ میں خود بھی کسی حد تک معلومات حاصل کر لیتے۔ حضرت اقدس نے اپنے اس خیال کا اظہار گھر میں حضرت ام المومنینؓ سے بھی کر دیا۔ اس پر حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا کہ اس بارے میں مزید تحقیق کی کیا ضرورت تھی۔ مولوی صاحب لڑکی کے بھائی عبدالرحمٰن انور کو اور پھر میرا نام لیا۔ ان کو تو جانتے ہیں۔ انہیں دیکھ لیں کیا یہ کافی نہیں ہے۔ (یہ ۱۹۳۰ء کے زمانہ کی بات ہے۔) اس روایت کے ذکر سے میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ حضرت ام المومنینؓ ہمارے خاندان کے افراد سے کس حد تک واقف تھیں۔ اور یہ حضرت والدہ صاحبہ محترمہ کی وجہ سے تھا۔

بہر حال والدہ محترمہ بہت دعا گو اور تہجد گزار تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعائیہ اشعار ہمیشہ زبان زد رہے۔ بلکہ وہی دعائیں سحری کے وقت یا بعض دورے وقتوں میں اپنی اولاد کیلئے بھی آپ کی زبان پر جاری رہیں۔ آپ کی بیعت بھی ابا جان کے ساتھ ۱۹۰۱ء کی ہے اور وصیت بھی اکٹھے کی وفات ابا جان کے کوئی ڈیڑھ پونے دو سال بعد ہوئی مگر یہ حسن اتفاق ہے کہ بہشتی مقبرہ میں قطعہ خاص میں آپ دونوں کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔ گویا جس طرح وہ اس زمین میں ایک ساتھ رہے ان کا آگے جا کر بھی محبت کا یہ رشتہ قائم دائم رہا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں وجودوں کو اپنے قرب میں اعلیٰ جگہ دے اور انکی اولاد کو بھی ان کے نیک نقوش پر چلنے

کی توفیق دیتا رہے۔آمین

مرحوم والدین کے ان مختصر حالات سے ان کے اخلاص اور خدمات دینیہ کا حال تو ایک حد تک احباب کے علم میں آئے گا ہی۔مگر آپ کی یاد کے ساتھ قدر و تشکر کے جذبات جو ہمیشہ دل میں پیدا ہوتے ہیں۔وہ یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی اسی رنگ میں رنگین کیا اور اسی راہ پر گامزن کیا۔اس ضمن میں عاجز کا وجود تو شائد کسی شمار میں نہ ہو مگر مثال کے طور پر مَیں اپنے بڑے بھائی جان مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور مرحوم کو سامنے رکھتا ہوں کہ کس طرح والدین نے ان کو خدمت دین کی راہ پر لگایا۔اور انہوں نے ساری زندگی اپنے اس فرض کو خوب نبھایا۔محترم انور صاحب کی قریباً ساری زندگی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرب میں اور حضور کی نگرانی میں خدمات سلسلہ میں بسر ہوئی۔جس پر انسان جتنا بھی شکر کرے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے نیک والدین کی نیک خواہشات پر اچھے طور پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرماتا رہے اور انجام بخیر کرے۔آمین

محترم مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ (جو اس عاجز کی ہمشیرہ ہیں اور بفضلِ تعالیٰ حیات ہیں اور لندن میں اپنے صاحبزادے مکرم عطاء المجیب راشد کے پاس رہائش پذیر ہیں۔ان کا یہاں ہونا بھی میرے لئے بہت راحت کا باعث ہے۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔آمین



حافظ قدرت اللہ صاحب

ابتدائی حالات

میری پیدائش مورخہ 22/فروری 1917ء کو سرگودھا میں ہوئی۔ جہاں میرے والد صاحب محترم اپنی ملازمت نہر کے سلسلہ میں مقیم تھے اور میری دینی تعلیمی زندگی کی ابتداء جہانتک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میرے بزرگ والدین کی نیکی اور دعاؤں کے طفیل 1922ء سے احمدیت کے مرکز قادیان سے شروع ہوئی۔ یہ میری ہوش کے زمانہ کی ابتداء ہے۔ چنانچہ اپنی اور خاندان کی دیرینہ خواہش کے پیش نظر پہلے ناظرہ قرآن کریم اور پھر حفظ قرآن کے پیش نظر میرے والدین نے میری رہائش کا اہتمام قادیان دارالامان میں کیا۔ مجھے میرے بڑے بھائی مولوی عبدالرحمان صاحب انور کے پاس قادیان میں چھوڑ کر خود اپنی ملازمت پر سرگودھا چلے گئے۔ کچھ وقت میری والدہ محترمہ میرے پاس رہیں۔ مگر ابتدائی تعلیم کا زیادہ تر حصہ اپنے بھائی کے پاس رہا۔ ہاں اس دوران جلسہ سالانہ کے ایام میں یا مجلس مشاورت کے مواقع پر اپنے والدین سے بھی ملاقات ہو جاتی رہی۔ اسی طرح تعلیم کا زیادہ عرصہ والدین کے بغیر ہی گزارا۔

قادیان میں ہماری رہائش ان دنوں قادیان کے پرانے حصہ میں تھی جو مسجد اقصیٰ کے عقب میں تھا۔ ناظرہ قرآن کریم تو خاکسار نے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی اہلیہ سے پڑھا۔ جن کا مکان مدرسہ احمدیہ کی عمارت سے ملحق تھا۔ شیخ مصری صاحب ان دنوں مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے۔ قرآن کریم ناظرہ ختم کرنے کے

بعد مَیں نے حافظ کلاس میں داخلہ لیا۔ جو ان دنوں مدرسہ احمدیہ کے ساتھ وابستہ تھی۔ بچپن میں آنا جانا مشکل نہ تھا۔ مگر جب 1925ء میں ہماری رہائش محلہ دارالبرکات میں ہوئی تو وہاں سے مدرسہ احمدیہ کا فاصلہ پھر ذرا دور ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد مدرسہ احمدیہ کی تعلیم کی تکمیل تک یعنی مولوی فاضل کے امتحان تک یہ فاصلہ بدستور قائم رہا۔

حافظ کلاس کے ہمارے استاد مکرم حافظ سلطان حامد صاحب ملتانی تھے جو مسجد اقصیٰ کے امام الصلوٰۃ بھی تھے۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بھی انہی سے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ اور دراصل یہی امر اس حافظ کلاس کی ابتداء کا ہوا۔ ہمارے استاد حافظ سلطان حامد صاحب کی تلاوت میں ایک خاص مٹھاس تھی اور قرآن کریم پر بہت عبور تھا۔

ہماری جماعت کے حفاظ کرام

جہانتک ہماری جماعت کے حفاظ کا تعلق ہے اس عاجز کو متعدد حفاظ سے رابطے رکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس میں سے ہر ایک کا ایک اپنا اور بہت ہی پُر لطف رنگ تھا۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب جو جماعت کے جید عالم تھے اور علمی میدان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست راس تھے۔ انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ میرے بچپن میں ہمارے مکان کے چوبارہ پر بھی رہے ہیں۔ آپ کی آواز میں ایک سرور تھا اور تلفظ بہت ہی عمدہ تھا۔ اسی طرح حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی اور محترم حافظ جمال احمد صاحب سابق مبلغ ماریشس اور حضرت صوفی غلام محمد صاحب جو مسجد محلہ دارالرحمت کے امام رہے تھے۔ یہ سب ہی اپنے اپنے رنگ میں نمایاں تھے اور نہایت ہی قابل قدر تھے۔ ان بزرگان کی وجہ سے جماعت میں تلاوت قرآن کا ایک

خاص جذبہ اور ذوق پیدا ہوا اور رمضان المبارک میں تو یہ جذبہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے عروج پر ہوتا۔

یہاں مجھے اپنے حفظ قرآن کا زمانہ بھی یاد آرہا ہے۔ جو غالباً 1929ء کا ہو گا۔ جب خاکسار کے والد محترم چک نمبر 47 شمالی (ضلع سرگودھا) میں کچھ عرصہ کے لئے رہائش پذیر تھے بلکہ آپ ہی نے اس گاؤں کی جماعت کو جلا بخشی تھی۔ وہاں رمضان المبارک کے مہینہ میں یہ عاجز موجود تھا۔ نماز تراویح میں آپ نے سارا قرآن کریم کھول کر سنا تھا اور جہاں غلطی کرتا تھا وہ درست فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے۔ اسی طرح اس زمانہ میں ایک دفعہ میرے بہنوئی محترم قاضی محمد رشید صاحب انصاری جو راولپنڈی جماعت کے صدر تھے انہوں نے رمضان کے مہینہ میں تراویح کیلئے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ پھر دوسری بار جب وہ نوشہرہ میں تھے تو انہوں نے مجھے رمضان المبارک میں تراویح کے لئے بلایا اور وہاں مَیں نے قرآن کریم سنایا۔ یہ میرے بچپن کا زمانہ تھا جو اب بھی یاد آتا ہے تو لطف دے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے نیک جذبات کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی قرآن کریم کی صحیح رنگ میں قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مسجد مبارک قادیان میں تراویح کی سعادت

قادیان میں اس زمانہ میں کوئی بیس کے قریب مساجد تھیں جہاں رمضان المبارک کے مہینہ میں عشاء کے بعد تراویح کا اہتمام ہوتا اور نہایت با قاعدگی کے ساتھ ان مساجد میں قرآن کریم ختم کیا جاتا۔ ان سب مساجد میں قادیان کی مسجد مبارک کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا کہ وہاں عشاء کے بعد کی بجائے سحری کے وقت نماز تراویح کا

اہتمام ہوتا تھا جو بفضلہٖ تعالیٰ آج تک بھی جاری ہے۔ اس مسجد میں سارے محلوں سے احباب آتے اور تراویح کے بعد پھر سحری کھا کر روزہ رکھتے۔

یہ امر اس عاجز کے لئے بڑی خوش بختی کا موجب ہے کہ خاکسار کو دو سال سحری کے وقت مسجد مبارک میں قرآن کریم سنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک یہ غالباً 1942ء اور 1943ء کے سال تھے جبکہ یہ عاجز دارالواقفین میں تھا۔ مجھے علم ہوا کہ بعض دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی ان تراویح میں حصہ لیا اور یہ امر میرے لئے بڑی سعادت کا موجب ہوا۔ اس موقعہ پر ایک اور چھوٹی سی بات یاد آرہی ہے کہ محترم مرزا گل محمد صاحب جو مرزا نظام الدین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ انہیں نماز و روزہ سے تو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ویسے وہ اچھے بااخلاق انسان تھے۔ ان کی رہائش بھی مسجد مبارک کے قریب تھی۔ وہ ایک دن کہنے لگے "حافظ صاحب مجھے مسجد جانے کی توفیق نہیں ہوتی مگر مَیں یہیں باہر احاطہ میں کوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر کبھی کبھی صبح تراویح کے وقت آپ کا قرآن سنتا ہوں"۔ ان کا یہ کہنا ابھی تک میرے ذہن پر نقش ہے اور یاد آتا ہے۔ اچھے آدمی تھے!۔

پھر اس بات کا تصور میرے لئے اور بھی خوشی کا موجب ہے کہ ان سحری کے نوافل میں ہماری جماعت کے عظیم اور مایہ ناز عالم اور مفتی سلسلہ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب باقاعدہ اور بلاناغہ شریک ہوتے تھے۔ دو دفعہ تو اس طرح حضرت مولانا سرور شاہ صاحب نے مجھ سے قرآن سنا اور تیسری دفعہ اس سے اگلے سال جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ڈلہوزی تشریف لے گئے تو وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اس سال حضور نے حضرت مولانا صاحب کو بھی اجازت فرمائی کہ وہ بھی ڈلہوزی تشریف لائیں۔ ان دنوں دارالواقفین کی تعلیم اور ٹریننگ کا زمانہ تھا اور حضرت مولانا صاحب

اس ضمن میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اور آپ کے دو شاگرد خاص تھے جو آپ سے تفسیر پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ آپ کو ڈلہوزی جانے کا ارشاد ہوا تو لازماً آپ کے شاگرد بھی ساتھ تھے جن میں سے ایک ابوالمنیر نورالحق صاحب اور دوسرا یہ عاجز تھا۔ چنانچہ اس رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانے کا کام اس عاجز کے سپرد ہوا اور یہ امر بڑی سعادت اور مسرت کا موجب ہوا کہ وہاں ایک بار پھر تراویح میں سارا قرآن ختم کیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

قادیان میں ٹیلیگراف اور ریل کی آمد

پرانے زمانے کے قادیان اور آج کے قادیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پرانے زمانہ میں قادیان بالکل ایک دور واوفتادہ گاؤں کی طرح تھا۔ نہ وہاں بجلی، نہ گیس، نہ ریل گاڑی اور نہ کوئی ٹیلیگراف کا نظام وغیرہ۔ پرانی طرز کا ایک معمولی سا پوسٹ آفس مسجد اقصیٰ کے بالکل عقب میں ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ علم ہوا کہ پوسٹ آفس میں اب تار بھی آجائے گی۔ مَیں بالکل بچہ تھا۔ یہ قطعاً علم نہیں تھا کہ تار کا نظام کیا ہوتا ہے یا کیسے آئے گی۔ بس یہی سُن رکھا تھا کہ اب تار آجائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بہرحال خواہش پیدا ہوئی کہ تار کو آتے دیکھا جائے کہ کیسے آتی ہے۔ کچھ پول اور کھمبے بھی نظر آئے مگر خیال یہی رہا کہ تار آئے گی تو پوسٹ آفس میں یا اس کے اوپر سے ہی آئے گی۔ اس لئے بچپن کی نظریں اپنے ہی تصور میں پوسٹ آفس کی بلڈنگ کے اوپر ہی دیکھتی رہ گئیں۔ اور پتہ لگا تار تو آ بھی گئی ہے۔ یعنی تار لگ گئی ہے۔ اور ٹیلیگراف آفس باقاعدہ جاری ہو گیا۔ بہرحال یہ بچپنے کا تصور گو فضول سا ہی ہے مگر اس کی یاد کبھی کبھی آجاتی ہے۔ اس کے بعد 1928ء میں جب ریل گاڑی کی ابتداء ہوئی

تو اس کا بھی بڑے شوق سے انتظار رہا۔ بہت سے لوگ پیش قدمی کے لئے امرتسر تک گئے چنانچہ جب گاڑی قادیان اسٹیشن پر پہنچی تو بہت چہل پہل اور رونق کا سماں تھا۔ وہ لوگ جنہیں گاڑی کی آمد سے قبل بٹالہ سے قادیان تک کا سفر ٹانگہ یا ریڑھا میں کرنا پڑتا تھا یا اکثر اوقات پیدل ہی جانا پڑتا تھا۔ان کیلئے ریل کی آمد کچھ اور ہی لطف کا باعث ہوئی۔

مجھے خوب یاد ہے ایک دفعہ بھائی جان انور صاحب کے ساتھ قادیان سے بٹالہ تک کا سفر کیا مَیں اس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ بھائی جان تو پیدل ہو لئے اور مجھے انہوں نے ایک ریڑھا پر جس پر گندم کی کچھ بوریاں لدی ہوئی تھیں ان کے اوپر بٹھا دیا۔ بارش کی وجہ سے سڑک پر بہت پانی تھا۔ اور جا بجا گڑھے تھے۔اس لئے وہ تو پائجامہ کو گھٹنوں تک اونچا کر کے پانی مَیں چلتے رہے اور میں آرام سے بٹالہ پہنچ گیا۔

اسی طرح بچپن کی ایک اور یاد بھی دل میں آ رہی ہے اور وہ حضرت المصلح موعودؓ کی انگلستان سے واپس تشریف آوری کا موقع ہے۔میری عمر کوئی نو سال کے قریب ہو گی۔ جب حضور 1924ء میں انگلستان سے واپس تشریف لائے جہاں حضور نے لندن مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔اس موقع پر قادیان کی گلیوں کو جھنڈیوں وغیرہ سے اس قدر سجایا گیا تھا کہ رونق کا یہ سماں آج تک آنکھوں کے سامنے ہے۔مہمان خانہ کے آگے گیٹ کا نظارہ اور پھر جس رنگ میں وہاں خصوصی طور پر حضور کا استقبال کیا گیا اس کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔اسی جگہ غالباً حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے آپ کی خدمت میں نان پیش کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ دہرائے تھے کہ

''یہ تیرے لیے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے''

(تذکرہ صفحہ 14)

طالب علمی کا زمانہ

غالباً 1922ء کے شروع میں جبکہ خاکسار کی عمر بمشکل 5,4 سال کی تھی۔ خاکسار کو قادیان کی رہائش نصیب ہوئی۔ کوئی سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں مَیں نے قرآن کریم ناظرہ ختم کیا جس کے بعد 5,4 سال کا عرصہ حفظ قرآن میں صرف ہوا۔ پھر سال ڈیڑھ کے عرصہ میں پرائمری کی چاروں ابتدائی کلاسیں سر کیں جس کے بعد 1930ء میں خاکسار نے مدرسہ احمدیہ کی پہلی کلاس میں داخلہ لیا۔ اور باقاعدہ سکول کی پڑھائی شروع کی۔ اور 1939ء میں مولوی فاضل کیا۔ اور پھر دارالواقفین میں آ گیا۔

پانچویں جماعت تک مجھے یاد ہے کہ مَیں ہر سال فرسٹ آتا رہا۔ اور کبھی دوسرے نمبر پر نہیں آیا۔ میرا سیٹ فیلو شیخ عبدالرحمٰن مصری ہیڈ ماسٹر کا لڑکا شیخ مبارک احمد تھا اور ہم پانچ سال تک متواتر اکٹھے بیٹھتے رہے۔ پانچویں کے سالانہ امتحان میں شیخ مبارک احمد نے اپنے والد صاحب کو کہہ دیا تھا کہ ابا جان اگر اس دفعہ فرسٹ نہ آیا تو مجھے فیل سمجھیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہمارا مقابلہ آپس میں لگا رہتا تھا۔ مگر نتیجہ نکلا تو مجھے یاد ہے کہ شیخ مصری صاحب نے مجھے مبارک باد دی کہ حافظ قدرت اللہ تم اس دفعہ پھر اول گئے۔ وہ اس وقت مدرسہ احمدیہ کے صحن میں میرے کندھوں پر ہاتھ رکھے گھر جا رہے تھے۔ شیخ مصری صاحب کے بڑے لڑکے بشیر مصری بھی حافظ کلاس میں کوئی ساڑھے تین سال تک بالکل میرے ہم سبق رہے۔ اس سے قبل مَیں نے قاعدہ یسرنا القرآن اور قرآن کریم ناظرہ بھی انہی کے گھر سے پڑھا تھا۔ اس لئے اس گھرانہ سے میرے تعلقات کافی گہرے تھے۔ مگر افسوس کہ شیخ مصری صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نوازشات اور مہربانیوں کی وجہ سے کچھ ابتلاء میں آ گئے اور اپنی حقیقت بھول گئے

بجائے اس کے کہ وہ عزت افزائیوں پر خدا کا شکر کرتے اور انکسار کو اپنا شیوہ بناتے وہ گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام

لَا تَقْتُلُوْا زَيْنَبَ (تذکرہ صفحہ 635)

میں بھی غالباً اسی طرف اشارہ تھا۔ اور ان کے لئے اصلاح کا موقع تھا عُجب میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ ان کی اہلیہ کا نام زینب تھا جو ایک مخلص صحابی کی اولاد تھیں۔ انہوں نے قادیان کے سینکڑوں بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھایا جن میں غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بعض بچے بھی تھے۔

تبلیغی شام اور قادیان کی دیگر مصروفیات

تعلیم کے زمانہ میں قادیان میں ایک ہفتہ وار مشغلہ تبلیغ کا ہوا کرتا تھا جو جمعرات کی شام کو ہوتا تھا۔ اردگرد کے گاؤں میں ہم طلبہ اکثر محترم ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (سابق مہر سنگھ) کے ساتھ تبلیغ کے لئے نکل جایا کرتے تھے۔ شام کو کسی گاؤں میں پہنچ کر چھتوں پر کھڑے ہو کر باآواز بلند تقریروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ہلکے موسم میں گاؤں کے لوگ بھی اپنی چھتوں پر یا صحنوں میں ہوتے جہاں ہماری آواز آسانی سے پہنچ جایا کرتی اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس کام سے نصف رات کو واپسی ہوتی۔ گاؤں سے نکل کر ہم منارۃ المسیح کی روشنی کی سیدھ میں اپنا رُخ کر لیتے اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے پھر اپنے قادیان پہنچ جاتے۔ حضرت ماسٹر صاحب کے ساتھ تبلیغ کے یہ دن بہت یاد آتے ہیں۔ انہیں تبلیغ کا ایک خاص ذوق اور عشق تھا ان کی صحبت سے ہم نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے وہ کیا خوشگوار دن تھے!۔

پرانے زمانے میں قادیان میں جو کھیلیں عام طور پر کھیلی جاتی تھیں۔وہ فٹ بال، کرکٹ، ہاکی اور میرو ڈبہ وغیرہ تھیں۔فٹ بال ہائی سکول اور مدرسہ میں عام تھیں۔ کرکٹ ایک خاص طبقہ تک محدود تھی۔اسی طرح ٹینس کا حلقہ اس سے بھی ذرا خصوصی تھا۔دوسرے نمبر پر ہاکی تھی جس میں پیش پیش دو کلب تھے۔ایک سپورٹس کلب اور ایک کریسنٹ کلب۔یہ دو پرائیویٹ کلب تھے جن کے میچ اکثر آپس میں ہوا کرتے تھے۔سپورٹس کلب میں اکثر ممبر خاندان کے افراد تھے اور کریسنٹ کلب میں اکثر محلّہ جات کے نوجوان تھے جو متفرق جگہوں سے تھے۔میرا تعلق کریسنٹ کلب سے تھا۔اس کلب کے فعال ممبران میں سے ایک میرے گہرے اور بے تکلف دوست مولوی عبدالکریم صاحب ہلال پوری ہیں جو میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں اور میرے بہت ہی عزیز اور کرم فرما ہیں۔ یہ دراصل ہمارے ہاکی کلب کی روح رواں تھے۔ہاکی کھیل کا زمانہ زیادہ ان کے ساتھ گزرا۔ان کی دوستی اور اخوت اب تک قائم ہے۔گو اب ہاکی کا زمانہ تو گزر گیا مگر ان کی صحبت اور مجلس آج بھی لطف دیتی ہے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔آمین مجھے یاد ہے کہ ہم بعض دفعہ میچ کھیلنے کے لئے گورداسپور، دھاریوال اور بٹالہ وغیرہ بھی جاتے۔دھاریوال اور گورداسپور کا سفر نہر کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ ہوتا۔صبح سحری سے قبل ہم قادیان سے سائیکلوں پر چلتے اور میچ کھیل کر رات گئے واپس قادیان پہنچتے۔راستہ میں سکھوں کے گاؤں تھے ان سے گزر ہوتا۔اکیلے مسلمان کے لئے یہ سفر خطرہ سے خالی نہ تھا مگر چونکہ ہم گروپ کی صورت میں ہوتے اس لئے راستہ میں کوئی ایسا قابل ذکر ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔سوائے شاذ کے۔بہر حال یہ ایک پُر لطف زمانہ تھا اس زمانہ کی اتفاق سے ایک یادگار فوٹو بھی محفوظ ہے۔جس میں اعزازی طور پر خاکسار کو ایک خاص کپ بھی ملا تھا۔ہاکی کھیلنے کا

یہ شوق ہالینڈ کے ابتدائی زمانہ میں بھی قائم رہا۔ قادیان کے زمانہ میں نئی ہاکیاں خریدنے کی استطاعت بھی نہیں ہوتی تھی۔ پرانی ہاکیوں کو جوڑ جاڑ کر گزر ہو جاتی تھی۔ ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول اس گیم میں خاص طور پر پیش پیش تھا۔ بہت سی ٹیمیں سپورٹس کلب اور ٹی۔ آئی۔ کالج کے تعلقات کے نتیجہ میں باہر سے بھی آجاتیں اور رونق کی دلچسپ صورت ہو جاتی۔ بلکہ ان دنوں ہاکی میں قادیان کا نام خاص طور پر روشن تھا۔

ہمارے کلب میں مرزا گل محمد صاحب بھی باوجود بھاری جسم کے اکثر ہاکی کھیلا کرتے۔ ایک دفعہ وہ بڑے ارادے اور وثوق کے ساتھ گول کرنے آئے گول کیپر اتفاق سے مَیں ہی تھا مگر مَیں نے گول نہ ہونے دیا۔ تھے وہ بڑے فراخ دل۔ وہ میری کامیابی پر بڑے خوش ہوئے اور اپنی نیکر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو رقم ان کے ہاتھ میں آئی اور بطور انعام مجھے پیش کر دی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

کبڈی کا بھی خاصہ دور دورہ تھا۔ بلکہ کبڈی کی وجہ سے اردگرد کے گاؤں پر ہمارا رُعب بھی تھا۔ جو اچھے مفید رنگ میں نتیجہ خیز رہا۔ ان کھیلوں کے علاوہ والی بال کا کھیل بھی عام تھا اور اچھی شہرت کے ساتھ تھا۔ اس میں پیش پیش ہمارے دو تین کھلاڑی خاص طور پر نمایاں تھے۔ سید احمد صاحب، فضل الٰہی صاحب، اور احمد حسین صاحب (کاتب) کا کھیل نمایاں تھا۔

پھر ایک اور دلچسپی جو گرمیوں کے ایام میں ہوا کرتی تھی اور نہر پر ٹرپ تھی۔ خربوزوں کا موسم ہوتا تھا۔ سکولوں میں بعض دفعہ چھٹی بھی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ سارا قادیان نہر کی جانب ٹوٹ پڑتا تھا اور سارا دن وہاں گزار کر شام کو واپس ہوتے۔ وہاں اکٹھی نمازیں ہوتیں۔ بعض دفعہ درس و تدریس کا پروگرام بھی ہوتا۔ نہر میں فٹ بال کے ساتھ دو ٹیموں میں مقابلہ ہوتا اور تیراکی کے مقابلے ہوتے۔ ہمارے علماء بھی ان

تفریحات میں حصہ لیتے ۔ بلکہ بعض دفعہ حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی تشریف لے جاتے اور تیرنے میں حصہ لیتے

وہ کیا دن تھے طرب انگیز جب ہر ایک ساعت تھی

فٹ بال حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا مرغوب کھیل رہا ہے ۔ گو مَیں نے انہیں فٹ بال کھیلتے نہیں دیکھا ۔ ہاں فٹ بال کے ریفری کے فرائض ادا کرتے انہیں ضرور دیکھا ہے ۔ اس طرح حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے ۔ کبھی کبھی ہاکی بھی کھیلتے تھے مگر بہت کم ۔ زیادہ تر ہمارے ساتھ جو ہاکی میں شریک ہوتے وہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ، مرزا حمید احمد صاحب ، مولوی ظہور احمد صاحب (سابق سینٹر سیالکوٹ) ، مولوی عطا محمد صاحب ، مولانا ظہور حسین صاحب بخارا وغیرہ ۔ صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کا ہاکی کا کھیل بہت اچھا تھا ۔ بلکہ پنجاب کی ٹیم تک بھی آپ کی رسائی تھی ۔ مجھے خود ہاکی سے بہت ہی دلچسپی رہی ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ہاکی ٹیم نے جب 1960ء اور 1964ء میں اولمپکس میں گولڈ میڈل لئے ۔ اور وہ دورہ پر ہالینڈ بھی آئے تو خاکسار نے انہیں مسجد میں آنے کی دعوت دی جو انہوں نے خوشی سے قبول کر لی ۔ وہاں ان کا شاندار استقبال بھی کیا گیا ۔ ان کھیلنے والوں میں مشہور کھلاڑی دارا بھی تھے ۔ جو فوٹو میں بھی موجود ہیں ۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت چوہدری صاحب بھی ہالینڈ میں موجود تھے چنانچہ آپ بھی گروپ کے درمیان کھڑے ہیں یہ خبر تمام ملکی پریس میں تصاویر کے ساتھ شائع ہوئی ۔ اس وقت ٹیم مینیجر کرنل دارا تھے ۔

جہاں تک فٹ بال کا تعلق ہے قادیان میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ بھی اس کے بہت شائق تھے ۔ بہت دفعہ ریفری کے فرائض بھی انجام

دیتے۔مگر آخر عمر میں آپ کی دلچسپی والی بال تک محدود ہو کر رہ گئی۔والی بال اکثر کھیلتے آپ قادیان کی سوشل لائف کے روح رواں تھے۔نہر کی ٹرپ میں دلچسپی لیتے تھے۔ قادیان کی دعوتوں وغیرہ میں اکثر ان کا ہاتھ ہوتا۔مبلغین جو باہر جاتے ان کے بال بچوں کی اکثر نگرانی فرماتے۔مدرسہ احمدیہ کے سپریٹنڈنٹ عرصہ دراز تک رہے اور جلسہ سالانہ میں لنگر کا انتظام بھی بہت دفعہ آپ کے سپرد ہوا۔(گو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا نمبر آپ سے پیش پیش ہے)۔پھر ٹاؤن کمیٹی قادیان کے بھی آپ ہی روحِ رواں تھے۔غرض ہمارے زمانہ کی زندگی کا بہت سا حصہ جو قادیان میں گزرا۔آپ کا وجود ہمارے لئے خاص تھا۔اور میرے تو وہ سالہا سال استاد رہے اور نہایت شفقت سے پیش آتے رہے۔ایک دفعہ پارٹیشن کے بعد جب مَیں قادیان گیا تو باپ کی سی شفقت کا سلوک فرمایا۔ان کا پیار اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور درجات بلند فرمائے۔اس وقت اساتذہ کی یاد جب آتی ہے تو طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔حضرت مولانا ارجمند خان صاحب گو طبیعت کے کچھ سخت تھے مگر بہت محبت کرنے والے اور ہمدرد تھے۔مَیں ایک دفعہ جب ٹورنٹو (کینیڈا) گیا۔یہ 1976ء کے آخر کا واقعہ ہے۔اس وقت ان کے لئے تھوڑا سا چلنا بھی آسان نہ تھا۔مگر جب انہوں نے ہال میں دُور سے مجھے دیکھا تو بڑی مشکل سے فاصلہ طے کر کے میری جگہ تک پہنچے۔مَیں نے جب مڑ کر دیکھا تو بڑی ندامت ہوئی کہ وہ کیوں اسقدر مشکل اُٹھا کر مجھ ناچیز کو ملنے آئے۔محبت کے یہ جذبات دیکھ کر مجھ پر عجیب رقت سی طاری ہو گئی۔اللہ ان سب کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔آمین

خدام الاحمدیہ کا آغاز

دارالواقفین کے ٹریننگ کے عرصہ میں واقفین حتیٰ المقدور جماعتی کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ پہلے نمبر پر خدام الاحمدیہ کی تنظیم تھی۔ جس میں مرکزی عہدیدار اکثر اور بیشتر طور پر دارالواقفین کے نوجوان تھے جو حضرت صاحبزدہ مرزا ناصر احمد صاحب کی زیرِ قیادت شب و روز مصروف رہتے تھے۔ انہی ایام میں قادیان دارالانوار میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عظیم دفتر کی تعمیر عمل میں آئی اور بہت سے ضروری امور انجام پائے۔ خدام الاحمدیہ کا جھنڈا بھی انہیں دنوں تجویز ہو کر پبلک میں آیا۔

ایک خاص امر جو ذاتی طور پر بھی اس عاجز کیلئے سعادت کا موجب اور باعث مسرت ہے اس کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا۔ جہاں تک خدام الاحمدیہ کی تنظیم کی ابتداء کا تعلق ہے اس عاجز کو دس اولین خدام میں شامل ہونے کا شرف بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہے یہ ۱۹۳۸ء کا زمانہ تھا۔ جب حضرت مصلح موعودؓ کی زیرِ ہدایت یہ تنظیم ابھی بالکل نئے طور پر شروع ہوئی تھی اور ساری جماعت کیلئے ابھی عام نہ تھی ۔ا۔ اس کا پہلا ا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک خطبہ جمعہ میں اس تحریک کو تمام جماعت کیلئے عام فرما دیا۔ اور اس طرح ایک عالمی نظام قائم ہو گیا۔ جو اب پوری وسعت اور شان کے ساتھ ساری دنیا میں قائم ہو چکا ہے۔ جب حضرت مرزا ناصر احمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر منتخب ہوئے تو دارالواقفین کے اکثر خدام مجلس کے لئے مرکزی طور پر خدمات سرانجام دینے لگ گئے۔ ہمارے اجلاسات حضرت میاں صاحب کی کوٹھی ''النصرت'' (دارالانوار) میں آپ ہی کی

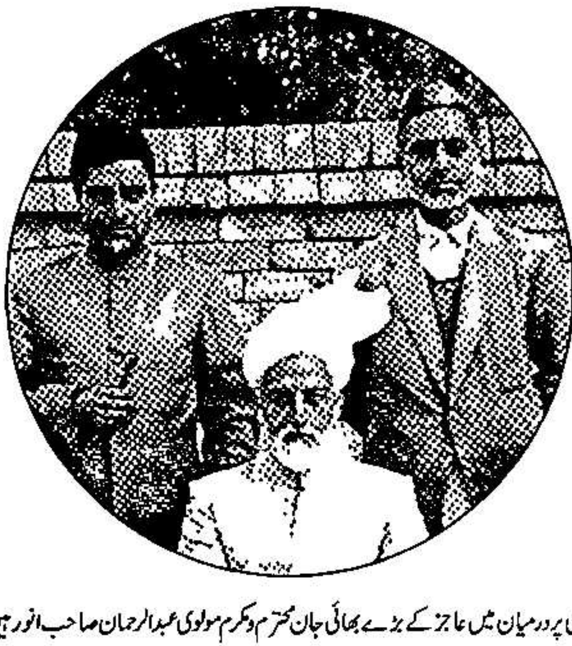
صدارت میں منعقد ہوتے تھے۔اوراس طرح ایک عجیب جذبہ اورایمانی ذوق کے ساتھ خدام الاحمدیہ کی تحریک جاری وساری رہی۔

اجلاس محترم جناب شیخ محبوب عالم صاحب خالد (سیکرٹری) کے گھر میں منعقد ہوا تھا۔ (اس تنظیم کے پہلے صدر محترم جناب مولوی قمرالدین صاحب تھے۔) اس وقت سے اس عاجز کو کسی نہ کسی رنگ میں خدام الاحمدیہ کی تحریک میں عملاً حصہ لینے کی توفیق ملتی رہی۔ابتداءً یہ عاجز کچھ سال اپنے محلّہ دارالبرکات میں بطور زعیم کے رہا۔اور پھر ۴۰ ء سے دارالواقفین کے زمانہ میں مرکزی مجلس عاملہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست نگرانی اور قیادت میں بطور مرکزی عہدیدار کام کا موقع ملا ۔اسی طرح ایک اور سعادت بھی حاصل ہوئی کہ ''لوائے احمدیت'' کی حفاظت کیلئے خدام الاحمدیہ کا سترہ افراد کا جو پہلا گروپ مقرر ہوا۔جس کے لہرانے کی ابتداء قادیان کے جلسہ جوبلی ۱۹۳۹ء کے موقع پر ہوئی۔اس پہلے گروپ میں شامل ہونے کی سعادت بھی اس عاجز کے حصہ میں آئی ۲۔ (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ہشتم) اس طرح لوائے خدام الاحمدیہ بھی جب پہلی دفعہ لہرایا گیا تو اس کے محافظین کے ابتدائی گروپ میں بھی یہ عاجز شامل تھا۔فالحمدللہ علیٰ ذالک

۲۔ ۱۹۳۹ء میں جماعت کی سلور جوبلی کے موقع پر لوائے احمدیت اور لوائے خدام الاحمدیہ پہلی بار لہرائے گئے۔اس کے محافظین کے پہلے گروپ میں اس عاجز کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔محترم محبوب عالم خالد صاحب کے بعد چوہدری خلیل احمد ناصر صاحب مرحوم سابق مبلغ امریکہ ایک لمبا عرصہ بطور سیکرٹری خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے کام کرتے رہے۔خاکسار نے بھی کئی سال ان کے نائب



حضرت والد صاحب محترم مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی اور دائیں اور بائیں آپ کے دونوں قابل احترام اور قابل فخر داماد حضرت قاضی محمد رشید صاحب انصاری اور مولانا ابوالعطاء صاحب ہیں



تصویر میں سامنے کرسی پر درمیان میں عاجز کے بڑے بھائی جان محترم ومکرم مولوی عبدالرحمان صاحب انور ہیں۔ آپ کے دائیں یہ عاجز کھڑا ہے اور بائیں خاکسار کے چھوٹے بھائی عزیزم ملک عنایت اللہ صاحب آف لاہور ہیں۔ (1969ء)

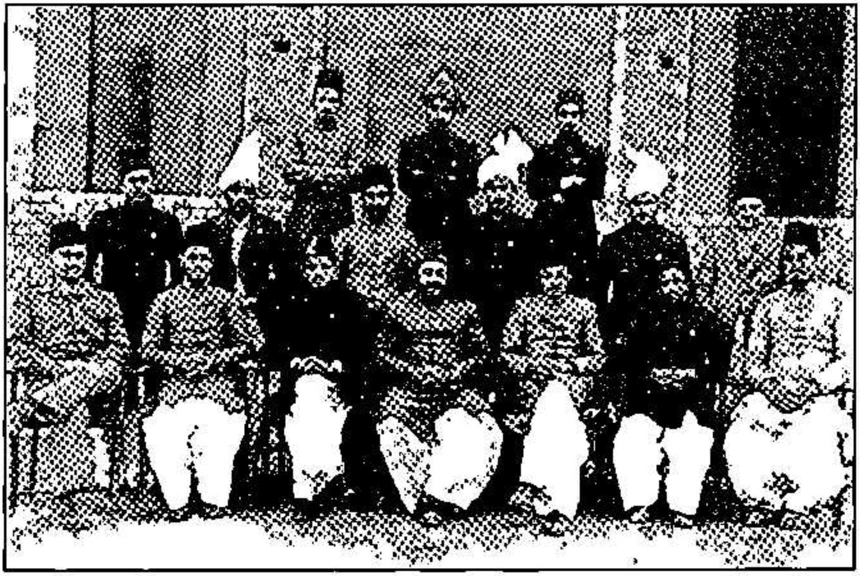


حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ساتھ ہالینڈ میں ایک یادگار (فوٹو 1947ء)



گزرے ہوئے زمانہ کی ایک یاد!

یہ غالباً 1935ء زمانہ کا فوٹو ہے خاکسار کی دلپسندیدہ کھیل ہاکی ہوا کرتی تھی۔ یہ اچھا کھیلنے کا ایک اعزاز ہے



مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان کے اراکین کی ایک یادگار فوٹو۔ جن کے قائد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔
مجلس مرکزیہ کے اکثر اجلاس آپ کی جائے رہائش النصرت، دارالانوار، قادیان میں ہوا کرتے تھے۔ (فوٹو 1944ء)



قادیان کے ایک جلسہ سیرۃ النبیؐ کے موقعہ پر جلوس۔ یہ نیشنل لیگ کور کا زمانہ تھا۔ سامنے مکرم جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کے بائیں جانب محترم حیات صاحب اور یہ عاجز باوردی کھڑے ہیں۔ یہ فوٹو 1936ء کا ہے۔ خاکسار نیشنل لیگ کور میں اُن دنوں اپنے حلقہ کا نائب کمپنی کمانڈر تھا۔ محترم عرفانی صاحب کی دائیں طرف غالباً مولوی محمد صدیق صاحب کھڑے ہیں۔ (یہ فوٹو پورے طور پر تاریخ احمدیت جلد ہفتم میں بھی ہے)



لاہور میں حضرت مصلح موعود کے لیکچر اسلام کا اقتصادی نظام میں خاکسار کی تلاوت (1944ء)



واقف مبلغین کے لندن پہنچنے پر محترم مولانا شمس صاحب کے ساتھ لندن مسجد کے سامنے ایک فوٹو (فوٹو 1946ء)

اس فوٹو میں تین۔ چار بعض دوسرے واقفین بھی شامل ہیں جو انہی ایام میں تبلیغی پروگرام ہی کے ماتحت لندن تشریف لائے تھے۔

کے طور پر خدمات میں حصہ لیا۔اس طرح ۱۹۴۵ء کے آواخر تک کوئی نہ کوئی مرکزی خدمت خاکسار کے سپرد رہی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

جماعت کیلئے خلافت ثانیہ کا زمانہ تاریخی اور تربیتی لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس عرصہ میں جماعت کیلئے بعض مشکلات اور ابتلاء بھی آئے جو کہ الٰہی جماعتوں کیلئے ایک طبعی امر ہے۔ مگران ابتلاؤں کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جماعتی نظام کو مضبوط کرنے ،اس کو ترقی دینے اور افراد جماعت کی تربیت کے خاص مواقع میسر آجاتے ہیں۔خلافت ثانیہ کے دور میں لاہوریوں کا فتنہ اُٹھا جس کا علمی اور روحانی رنگ میں کامیاب طور پر مقابلہ کیا گیا۔پھر بعض اور فتنے پیدا ہوئے۔جیسے مستریوں کا فتنہ اور احرار کا فتنہ جس کے نتیجہ میں تحریک جدید کا قیام عمل میں آیا۔اسی طرح مصریوں کا فتنہ درپیش تھا۔جن دنوں خدام الاحمدیہ کی تحریک کا قیام عمل میں آیا۔

خدام الاحمدیہ کے تعلق کے ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ساتھ قرب کا خاص شرف تو وقف کے عملی میدان میں آجانے کے بعد حاصل ہوا مگر اس عاجز کو اس سے قبل بھی جب مولوی فاضل کی آخری کلاسز تھیں اور حضرت میاں صاحب پرنسپل ہو کر جامعہ احمدیہ تشریف لائے اس وقت کچھ عرصہ آپ کی صحبت اور آپ کی قربت میں ضرور گزرا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ جب جامعہ احمدیہ میں تشریف لائے تو عام کالجز کی طرح جامعہ احمدیہ میں بھی آپ نے ٹیوٹوریل گروپ سسٹم جاری فرمایا اور طلبہ کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک ایک استاد کی نگرانی میں دے دیا۔کہ وہ طلباء کی ہر رنگ میں نگرانی کریں اور ان کی رہنمائی فرماویں۔میرے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ حضور نے ازراہ ذرّہ نوازی خود مجھے اپنے گروپ میں شامل فرمایا جو غالباً چھ طلباء پر مشتمل تھا۔ہمارے گروپ کا نام ”مواسات“ تھا

قادیان میں بزرگان سلسلہ کی صحبت

میری زندگی کی ابتدائی ربع صدی بلکہ اس سے بھی کچھ کم عرصہ قادیان میں گزرا۔ مَیں نے اسی ماحول میں ہوش سنبھالا اور اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے وابستہ برکات سے لطف اندوز ہونے کا اور حضور پُرنور کے بزرگ صحابہ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا احساس پیدا ہونے لگا تو پھر کوشش کرکے بھی پرانے صحابہ کا قرب حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جن میں سے چند ایک کے خصوصی طور پر نیاز بھی حاصل ہوتے رہے۔ مثلاً حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ۔ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب۔ اور ایسے ہی اسی زمانہ کے اور بہت سے بزرگان رضوان اللہ علیھم اجمعین اللہ ان پر اپنی بہت بہت رحمتیں نازل فرمادے۔ آمین۔ ان ایمان افروز یادوں کا آغاز مَیں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے مقدس خاندان کے افراد کے نیک ذکر سے کرتا ہوں۔

حضرت ام المومنینؓ سے ہمکلام ہونے کا شرف

دارالواقفین کے زمانہ کی ایک اور یاد میرے لئے باعث مسرت ہے کہ مَیں ایک مسجد دفعہ مبارک قادیان میں پہرے پر متعین تھا کہ حضرت ام المومنین

سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کو کسی کام کیلئے ایک خادم کی ضرورت ہوئی۔ صبح کوئی دس گیارہ بجے کا وقت تھا کہ اس دروازے سے جو مسجد مبارک کی پہلی منزل پر حضور اقدس کے گھر سے کھلتا تھا کچھ پردہ اُٹھا اور حضرت سیدہ محترمہ کی آواز آئی کہ کیا کوئی دوست مسجد میں ہیں؟ تو اس وقت یہ ناچیز خادم جو دروازے کے پاس ہی تھا خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ چنانچہ آپ نے وہ کام اس عاجز کے سپرد کیا اور پھر کچھ وقفہ کے بعد یہ کام مکمل کر کے جب یہ عاجز پھر حاضر ہوا اور دروازہ پر دستک دی تو حضرت ام المومنینؓ بنفس نفیس پھر دروازہ پر تشریف لائیں اور شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ کام اس عاجز سے قبول فرمایا۔ اور اندر واپس تشریف لے گئیں۔

اسی طرح ایک اور موقع حضرت سیدہ ام المومنین سے نیاز حاصل کرنے کا موقع پیدا ہوا۔ جو ہمارے دارالواقفین کے زمانہ سے متعلق ہے۔ جو ڈاکٹر حاجی خان صاحب کی کوٹھی میں دارانوار کی سڑک پر واقع تھا۔ جبکہ آپ اس سڑک سے گزر رہی تھیں۔ آپ کے ہمراہ دو ایک خادمائیں تھیں۔ عصر کے بعد کا وقت تھا ہمارے ایک دوست جوان دنوں دارالواقفین میں رہا کرتے تھے ان کے متعلق دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس وقت وہاں موجود ہیں۔ جس پر یہ عاجز جو کوٹھی کے باہر صحن میں ہی کھڑا تھا آپ کی خدمت میں سڑک کے کنارے حاضر ہوا۔ اور اس بارے میں ضروری معلومات سے آپ کو آگاہ کیا۔ یہ دوسرا انفرادی رنگ کا ایک موقعہ تھا۔ کہ آپ کی ذات بابرکت سے نیاز حاصل ہوا۔ جس کا سرور اب تک قائم ہے ویسے تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ دو ایک مرتبہ قادیان میں ریلوے روڈ پر سیر کرتے ہوئے بھی جب ہمارے دارالبرکات والے گھر کے پاس سے گزریں تو ازراہِ نوازش میری والدہ صاحبہ محترمہ جن کا میل ملاقات کے رنگ میں آپ سے قربت ہی کا تعلق تھا ان کا حال

احوال پوچھنے کیلئے چند ایک دفعہ آپ گھر بھی تشریف لائیں اور برکت بخشی۔ اسی طرح ہمارے گھر کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعودؓ نے بھی اس عاجز کی شادی کے موقع پر اور پھر خاکسار کی ہمشیرہ اہلیہ محترمہ مولانا ابوالعطاء صاحب کی شادی کے موقع پر بھی اپنی بابرکت تشریف آوری سے نوازا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ قمرالانبیاء سے جو تعلق قائم ہوا۔ ملاقاتوں کے ذریعہ سے یا خط و کتابت کے ذریعہ سے وہ بھی بہت سرور بخش تھا۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری دفعہ جب مَیں نے ہالینڈ کے لئے روانہ ہونا تھا تو الوداعی ملاقات اور دعا کی غرض سے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محترم برادرم مولوی عبدالرحمان صاحب انور بھی میرے ساتھ تھے آپ بڑی محبت اور شفقت سے ملے اور گفتگو بھی فرماتے رہے۔ دوران گفتگو آپ نے بڑے خوش آئند تعجب کے رنگ میں یہ اظہار بھی فرمایا اور کہا یہ راز ان پر آج کھلا ہے کہ آپ دونوں بھائی ہیں۔ گو فرداً فرداً تو آپ دونوں سے واقف تھا اور آپ کے بارے میں قدر کے جذبات رکھتا تھا مگر یہ علم نہ تھا کہ آپ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ بہرحال آپ نے جس رنگ میں جذبات محبت کا اظہار فرمایا۔ اس کی لذت سے ابھی تک ایک کیف کی حالت پیدا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ حضرت میاں صاحب کی طبیعت اور اخلاق کی کچھ جھلک آپ کے بڑے صاحبزادے میاں ایم ایم احمد صاحب میں بھی ہے۔ ان سے مل کر بھی حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ایک دفعہ مَیں نیویارک امریکہ میں تھا اور وہاں

مجھے خطبہ جمعہ دینے کا اتفاق ہوا۔اس موقع پر حضرت میاں ایم ایم احمد صاحب بھی حاضرین میں موجود تھے جمعہ کی نماز کے بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے تعریفی رنگ میں خطبہ کا ذکر فرمایا۔جو ان کی نیکی طبعی پر دلالت کرتا ہے۔حالانکہ خطبہ کا رنگ عام ہی تھا۔یہ محض حوصلہ افزائی کی خاطر آپ نے فرمایا۔فجز اھم اللہ۔

اوپر کے واقعہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا اس امر میں اظہار تعجب کہ محترم جناب انور صاحب اور یہ عاجز ہم دونوں حقیقی بھائی ہیں اس کی ایک خاص وجہ بھی ہے کہ یہ راز کیوں اب تک ایک راز کی طرح رہا۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ محترم برادرم انور صاحب بڑی بے لوث خدمت کرنے والے اور بغیر کسی رو رعایت کے اپنے فرائض کو انجام دینے والے وجود تھے۔آپ نے ہر قسم کے حالات میں خواہ کوئی آپ کا بھائی ہو یا دوست باپ ہو یا کوئی اور ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا۔اور کسی کی ناجائز طرف داری کی طرف مائل نہیں ہوئے۔اس کے لئے مَیں اپنی ہی مثال سامنے رکھتا ہوں۔کہ واقفین کی ٹریننگ کے دوران گھر میں اگر مجھے کسی رنگ کی کوئی وقتی اجازت لینے کی ان سے ضرورت پیش آتی کیونکہ بطور انچارج تحریک جدید وہ ہمارے افسر تھے تو وہ فرماتے کہ اس کیلئے چٹھی لکھ کر میرے کوٹ کی جیب میں ڈال دو۔صرف زبانی زبانی اجازت مناسب نہیں۔تو یہ تھا آپ کا طریق۔جس میں دوست یا بھائی اور عام لوگ سب برابر تھے۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ سے وہ تعلق جو ایک احمدی کو ایسے بابرکت وجود سے ہونا چاہیئے وہ تو بفضلہٖ تعالیٰ تھا ہی مگر ذرا زیادہ قریب کا تعلق اس

وقت ہوا جب پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد ایک دفعہ آپ ہالینڈ تشریف لائے اور آپ کی آمد پر بعض پریس والوں کو بھی اطلاع دی۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر ان کا اس عاجز کو علم نہ تھا۔ پریس والوں کو آپ کی آمد کی اطلاع آپ کے لئے کوئی پسندیدگی کا موجب نہ تھی تاہم آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ پریس والوں سے گفتگو فرمائی اور پھر ان کی خواہش پر اپنی فوٹو کی اجازت بھی آپ نے فرمائی۔ جس کی یاد فوٹو کی شکل میں اب تک بھی اس عاجز کے پاس محفوظ ہے۔ یہ خادم آپ کے دائیں جانب ساتھ کھڑا ہے۔ بہرحال اس انٹرویو کی اشاعت تبلیغ کیلئے بہت مفید رہی۔

ایک واقعہ کی یاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعلق میں اس وقت اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ بلکہ افسوس لگتا ہے کہ ایک مقدس نشان کی زیادت سے مَیں محروم رہ گیا۔ یہ واقعہ حضرت مولوی محمد عبداللہ سنوری صاحب کی وفات کا ہے۔ ان کی رہائش ان دنوں دارالفضل میں تھی۔ ہماری رہائش دارالبرکات قادیان میں تھی۔ بچپن کا زمانہ تھا آپ کی وفات کی خبر یونہی قادیان میں عام ہوئی اور یہ اعلان ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرخ سیاہی کے نشانوں والی قمیص حضور اقدس کی ہدایت کے مطابق اب حضرت سنوریؓ صاحب کے ساتھ ہی دفن کر دی جائے گی۔ تو اس قمیص کی آخری زیارت کیلئے سارا قادیان ہی باہر نکل آیا۔ اور حضرت مولانا مرحوم کے گھر اس کی زیارت کیلئے گیا۔ مجھے یاد ہے کہ میری والدہ محترمہ بھی اس غرض کیلئے تشریف لے گئیں۔ مجھے چونکہ بوجہ اپنے بچپن کے اس تبرک کی زیارت کا اتنا احساس نہ تھا۔ اس لیے نہ مَیں ان کے ساتھ گیا اور نہ اس کی زیارت کر سکا۔ لیکن قادیان کا

اس وقت کا نظارہ کہ کس ذوق وشوق سے عورتیں اور مرد جوق در جوق اس زیارت کیلئے چلے جارہے تھے۔ اور اس نشان کے چشم دیدہ شاہد بن رہے تھے۔ یہ نظارہ اب تک نظر کے سامنے ہے۔ اور یاد آتا رہتا ہے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ

حضرت مولانا شیر علیؓ صاحب کا ایک واقعہ جو آپ کی تواضع اور نیکی کا شاندار نمونہ ہے وہ مجھے کبھی نہیں بھولتا یہ واقعہ دارالواقفین کے زمانہ کا ہے جبکہ حضرت مولوی صاحب انگریزی تفسیر القرآن کے کام میں مصروف رہا کرتے تھے بسا اوقات ظہر کی نماز کے وقت مسجد دارانوار میں باہم اکٹھے ہونے کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ مسجد میں نماز کیلئے زیادہ افراد نہ تھے۔ امام مسجد بھی موجود نہ تھے۔ جب مولانا شیر علی صاحب نے اس ناچیز کو ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھاؤں حضرت مولوی صاحب کی موجودگی میں طبعاً مجھے تامل ہوا۔ تو اس پر آپ نے اصرار کرتے ہوئے پھر مجھے ذرا زور دے کر ارشاد فرمایا کہ نہیں آپ ہی نماز پڑھائیں۔ نیز فرمایا کہ بچے تو معصوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مجبوراً پھر مجھے نماز پڑھانی پڑی۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کا وجود بھی جماعت کیلئے ایک نعمت تھا۔ آپ کا علم دین خصوصاً علم حدیث تو بہت وسیع تھا۔ مگر جو قوت بیان یا جو جادو بیانی کا ملکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ کم ہی کسی اور جگہ نظر آتا ہے۔ آپ سچے معنوں میں عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کا درس اکثر ایسے ہوتا تھا کہ سننے والا بس اسی میں کھو جاتا تھا۔ آپ ایک عرصے تک حدیث کا درس دیتے رہے ہیں۔ جس میں

سارے محلہ جات سے احباب آ کر شامل ہوتے تھے اور کیفیت یہ ہوتی تھی کہ جب بھی رسول مقبول ﷺ کا یا صحابہ کا بھی ذکر آتا تو ساری مجلس پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کا بیان اس قدر دلکش ہوتا کہ ساری مجلس کا یہ رنگ محسوس ہوتا کہ جیسے وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اکثر و بیشتر سب کی آنکھیں پُرنم ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ دراصل ایسی روحانی غذا ہوتی تھی کہ اس میں شامل ہونے والا ہر شخص دوسرے دن بھی ایسی ہی غذا سے لطف اندوز ہونے کے لئے بے تاب ہوتا۔ آہ! ایسے بابرکت وجود آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

مجھے ابھی تک آپ کی وفات کا وقت بھی یاد ہے۔ حافظ محمد رمضان صاحب سورۃ یٰسین کی تلاوت فرما رہے تھے اور سب لوگ جو پاس تھے ان کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ مجھے تو یہ سارا واقعہ یاد سے کچھ اُتر ہی چکا تھا مگر گزشتہ دنوں اتفاق سے ''تاریخ احمدیت'' ہاتھ لگ گئی اور اس واقعہ کی یاد پھر پورے طور پر تازہ ہو گئی۔ اس میں لکھا تھا کہ حافظ محمد رمضان صاحب کی تلاوت کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس ناچیز کو یاد فرمایا کہ سورۃ یٰسین کی تلاوت جاری رکھی جائے۔ چنانچہ خاکسار نے تلاوت پھر شروع کر دی۔ اور تلاوت کرتے کرتے جب خاکسار اس آیت تک پہنچا جہاں تک مجھ سے قبل مکرم حافظ محمد رمضان صاحب نے تلاوت فرمائی تھی تو اس وقت حضرت میر صاحب کی روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی (انا للہ وانا علیہ راجعون) اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرماوے۔ اور آپ کی اولاد کو اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت میر صاحب کی وفات کے ضمن میں ایک خاص توارد جس کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روایت کی طرف ہے اس کا کچھ تعلق اس عاجز کے

ساتھ بھی ہے ۔جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔حضرت میر صاحب کی وفات 17 مارچ 44ء کو قادیان دارالانوار میں ہوئی اس بارہ میں ایک نوٹ الفضل 18 مئی 1981ء میں یوں شائع ہوا۔

''جب حضرت میر صاحب پر نزع کا عالم طاری ہوا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حافظ قدرت اللہ صاحب کو بلوایا۔جنہوں نے پھر سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی جب آئیت سلام قولا من رب الرحیم پر پہنچے تو انہوں نے بھی یہ آیہ دہرائی......اس دوران حضرت میر صاحب نے آخری سانس لیا۔''

اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تذکرہ میں (غالباً صفحہ ۵۶۴ پر) ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب کہ حضرت میر صاحب بیمار تھے اور بظاہر کوئی صورت صحت یابی کی نظر نہ آتی تھی ۔14 مئی 1905ء کو الہام ہوا۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

''جب اسحٰق بیمار تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے مردار خور جانور لم ڈھینگ ہیں اور پاس ہی ایک مردار پڑا ہوا ہے ۔اس رویا کے بعد اس جگہ کو بدل دیا گیا اور معاً اچھا ہوگیا۔اس کے متعلق الہام ہوا۔

''سلام قولا من رب الرحیم ۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام اور حضرت میر صاحب کی وفات کے وقت اس آیت کا توارد نہایت ہی دلچسپ توارد ہے ۔اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اوراس کی دین ہے کہ اس لطیف توارد میں اس ناچیز اور حقیر کو ایک گونہ تعلق ہے ۔ ورنہ چہ نسبت خاکسار با عالم پاک ۔

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ پرانی یادوں کے ضمن میں دارالواقفین کے زمانہ کا ایک اور واقعہ بھی یاد آ رہا ہے۔ جبکہ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کی معیت میں یہ عاجز ڈلہوزی میں تھا۔ ایک دفعہ عصر کے بعد ہم دونوں شاگرد یعنی مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب اور یہ عاجز حضرت شاہ صاحب کے ساتھ "اپر بکروٹا" ڈلہوزی میں چہل قدمی کر رہے تھے کہ دوسری جانب سے مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور ہماری جانب آتے ہوئے نظر آئے۔ یہ سیر کا وقت تھا آپ کے ساتھ دو خواتین بھی تھیں جن میں سے ایک تو آپ کی اہلیہ محترمہ تھیں اور دوسری غالباً آپ کی بیٹی تھیں انہوں نے چھتری کا پردہ کیا ہوا تھا۔ ہم جب ایک دوسرے کے پاس گزرنے لگے تو مولوی محمد علی صاحب حضرت مولوی صاحب کو دیکھ کر اور کچھ پرانا تصور کر کے آہستہ ہو گئے اور پھر رُک گئے۔ اس پر حضرت مولوی صاحب بھی ٹھہر راظہار تعجب کے رنگ میں مولوی محمد علی صاحب پھر حضرت مولوی صاحب سے یا ہوئے۔ آخاہ کیا یہ حضرت مولوی صاحب ہیں؟ چنانچہ اس پر چند لمحات پھر کچھ گفتگو ہوئی اور حال احوال ہوتے رہے۔ اور پھر دونوں گروپ اپنی اپنی جانب نہ ہو گئے۔ باتوں کے دوران مستورات تو کچھ آگے نکل گئیں تھیں پھر مولوی محمد علی صاحب جا کر ان سے مل گئے۔ ہمارے لیے تو مولوی محمد علی صاحب بھی بعض حالتوں میں شان کا رنگ ہی رکھتے تھے۔ جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رمائے تھے کہ وہ بھی نیک تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ افسوس کہ اصل جماعت الگ ہو گئے۔ بہر حال ان کو دیکھنا بھی ہمارے اندر ایک سبق آموزی کا رنگ رکھتا

تھا۔ ویسے وہ حضرت مولوی سید سرور شاہؓ صاحب سے بڑے ادب اور احترام کیساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ لاہور فرقہ کے امیر تو وہ تھے ہی!

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؒ

بزرگان سلسلہ کے ساتھ تعلق میں حضرت مولانا راجیکی صاحب کی صحبت بھی گاہے گاہے حاصل رہی۔ بہت ہی قابل قدر بزرگ اور ولی اللہ انسان تھے اور بڑی بے تکلفی اور محبت سے ملا کرتے تھے۔ ان کی معیت میں ایک دفعہ ساہیوال کے ایک مناظرہ کیلئے جانے کی اور ان کا فیض صحبت حاصل کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی جس کی پُر لطف یاد آج تک دل میں موجزن ہے۔ اس موقع پر آپ کے ہمراہ جناب ملک عبدالرحمان صاحب خادم، مولوی احمد خاں صاحب نسیم اور بعض دیگر علماء بھی تھے۔ یہ دو تین ایام بہت ہی علمی ماحول میں گزرے۔ محترم جناب خادم صاحب نے جس موضوع پر مناظرہ کرنا تھا وہ آخر میں تھا۔ اس سے قبل کے ایک مناظرے میں صدر حضرت مولانا راجیکی صاحب تھے۔ اس وقت مخالف مناظر کوئی بڑا ہی زبان دراز اور بدزبان قسم کا تھا جسے حضرت مولوی صاحب کی نصیحت کا اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔ آخر پر تنگ آ کر حضرت مولوی صاحب نے اسے کہا کہ اگر وہ باز نہ آئے تو اس کا جواب بھی ہم نے رکھا ہوا ہے۔ وہ اس سے اچھی طرح نبٹ لے گا۔ اس کی باری آنے دو یہ بات تو احباب کے علم میں تھی کہ جناب خادم صاحب بڑے قابل مناظر اور بڑے حاضر جواب ہیں۔ جن کے آگے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب نے تو ناصحانہ انداز میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور مناسب رنگ میں ہی کیا مگر محترم جناب خادم صاحب نے اس فقرے کو ذرا محسوس کیا

کہ یہ اشارہ ان کی طرف ہی تھا کہ ذرا سنبھال کے زبان استعمال کر۔ (اے مخالف) ورنہ تیرا دارو بھی ہمارے پاس ہے۔ اس پر محترم خادم صاحب کچھ ناراض بھی ہو گئے مگر پھر اپنے احباب نے اگلے مناظرہ کیلئے محترم خادم صاحب کو آمادہ کر لیا۔ بہر حال کچھ وقت اپنے احباب میں یہ موضوع ایک حد تک دلچسپی کا موجب بھی رہا۔ اور محترم خادم صاحب ایک رنگ کی رونق محفل بنے رہے۔ ویسے آپ جس محفل میں بھی ہوتے ہمیشہ رونقِ محفل ہی ہوتے۔ جن کی یادیں آج بھی دل کو گرما جاتی ہیں۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین

حضرت مولوی راجیکی صاحب کا علم جڑی بوٹیوں کے بارے میں کافی وسیع تھا اس قدر وسیع کے اسے معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے۔ ساہیوال میں دو ایک بار ہم جنگل کی طرف جہاں جڑی بوٹیاں کثرت سے تھیں سیر کیلئے نکل گئے۔ حضرت مولانا صاحب کیلئے یہ سیر جڑی بوٹیوں کی وجہ سے اور بھی پُر لطف ہو گئی۔

بوٹیوں کے فوائد انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ بیان فرمائے اور یہ علم ان کا اس قدر وسیع تھا کہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ خدا جانے کب انہوں نے یہ علم سیکھا اور کس طرح اسے یاد رکھا۔ بہر حال ہمارے لئے بھی یہ سیر ازدیاد علم کا باعث تھی۔

حضرت مولوی صاحب کی رہائش قادیان دارالرحمت محلہ میں خاکسار کی اہلیہ کے بالکل پڑوس میں تھی جہاں اکثر ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ پھر اس کے علاوہ آپ کا ملنا ملانا حضرت مولانا ابو العطاء صاحب سے بھی کافی تھا۔ جہاں ان کی زیارت مجھے بھی نصیب ہو جاتی تھی ایک دفعہ ایسے ہی ہم ایک موقع پر جا رہے تھے اور حضرت مولانا راجیکی صاحب کے ساتھ یہ عاجز بھی تھا۔ گفتگو کا رنگ کچھ ایسا تھا کہ

میں نے یہ شعر پڑھا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

حضرت مولوی صاحب کو شاعر کا یہ خیال بہت پسند آیا۔ خصوصاً شعر کا دوسرا مصرعہ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ کہ ذرا پھر پڑھیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

یہ آپ کا تصوف کا ایک رنگ تھا جس کی جھلک آپ کو اس شاعر میں نظر آئی ورنہ ایک عام آدمی کا احساس تو اس سے بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔ وہ عام طور پر آسانی اور سہولت کا طلبگار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر قسم کی اُلجھنوں ابتلاؤں اور امتحانوں سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری میں اس کے دن رات بسر ہوں اور یہی اس کی دنیوی زندگی کا ماحصل ہو مگر ایک صوفی منش ولی اللہ سیرت کا آدمی بہت ممکن ہے ابتلاؤں اور امتحانوں میں سے کامیابی کیساتھ گزر جانے میں اپنی اعلیٰ روحانی ترقی کا راز تصور کرتا ہو۔

وقف کی ابتداء

جہاں تک میرے وقف کا تعلق ہے ۱۹۳۹ء میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے بعد خاکسار نے از سرِ نو حضور اقدس کی خدمت میں وقف کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا جسے قبول فرماتے ہوئے حضور نے اس عاجز کو بلا لیا۔ جس کے بعد دارالواقفین کی ٹریننگ اور تعلیم کا زمانہ شروع ہو گیا۔ ۴۰ء میں خاکسار کو میٹرک کا امتحان دینا پڑا اور اس طرح حضور اقدس کی زیر ہدایت جناب انچارج صاحب تحریک جدید مکرم جناب انور صاحب کی نگرانی میں شب و روز گزرنے لگے۔ دسمبر ۴۰ء میں خاکسار کی شادی ہوئی اس موقع پر صرف ایک ماہ گھر رہنے کی اجازت تھی۔ مگر اس کے بعد پانچ سال کا عرصہ جو قادیان میں رہا اس میں یہ معمول تھا۔ کہ صرف ایک گھنٹہ روزانہ گھر جانے کی اجازت ہوتی تھی اور ہفتہ میں صرف ایک رات انسان گھر گزار سکتا تھا۔ باقی سارا وقت دارالواقفین کی ٹریننگ اور تعلیم کیلئے وقف ہوتا تھا۔ یہ زمانہ بھی عجیب سرور بخش تھا۔ اگر کوئی امنگ یا خواہش تھی تو بس یہی کہ خدمتِ دین میں کسی طرح زندگی بسر ہو۔ نہ کوئی گھر کا فکر تھا نہ بچوں کا نہ والدین کا نہ کسی اور چیز کا۔ واقفین کا ہمارا یہ گروپ کوئی پندرہ بیس نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ جو دارالواقفین کے ایک ہی ماحول میں رہتے تھے۔ چنانچہ پانچ سات سال کے تربیتی عرصہ کے بعد ۴۵ء کا زمانہ آ گیا جب حضور اقدس نے ہمیں قصرِ خلافت میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا اور غیر ممالک میں ہماری تعیناتی عمل میں آئی۔ اور پھر اسی سال جلسہ سالانہ

سے قبل اس گروپ کا کثیر حصہ تبلیغی میدان عمل میں مختلف ممالک کیلئے روانہ ہو چکا تھا۔اس عاجز کو حضور اقدس نے پہلے امریکہ کیلئے تجویز فرمایا تھا مگر اس کے بعد پھر حضور اقدس نے مجھے ملک انگلستان کیلئے نامزد فرمادیا۔واقفین کی تبدیلیوں اور نامزدگی کے یہ تمام کاغذات ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں۔بلکہ ان کا عکس تاریخ احمدیت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔بہر حال دارالواقفین کی ٹریننگ کا پانچ سات سال کا عرصہ اس عاجز کیلئے بہت ہی برکات کا حامل رہا۔اس عرصہ میں ٹریننگ کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔جو بہت مفید رہے۔ہمارا دارالواقفین قادیان کے دارالانوار کے راستہ پر تھا۔

وقف کی ٹریننگ اور تعلیم

دارالواقفین کے عرصہ میں تمام تعلیمی کورس کافی محنت طلب تھا۔جس سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہ تھا۔اسلامی مضامین کے علاوہ بائبل کی سٹڈی خاص طور پر قابل توجہ تھی۔پھر عربی علوم کے ضمن میں صرف ونحو کو بھی ایک خصوصی مقام حاصل تھا۔علم نحو کا امتحان پاس کرنے کیلئے ایک رسالہ ہمارے کورس میں تھا۔جس میں صد فیصد نمبر لینے ضروری ہوتے تھے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے رسالے کو لفظاً لفظاً ہمیں زبانی یاد کرنا پڑتا تھا۔ورنہ صد فیصد نمبر لینا ممکن نہ تھا اسی طرح دارالواقفین کے قیام کے دوران پنجوقتہ نماز باجماعت کا التزام بھی ازحد ضروری تھا اور ہم سے اُمید یہی کی جاتی تھی کہ ہماری نماز باجماعت کی حاضری ۳۵/۳۵ ہفتہ وار ہو۔اور اکثر ہم سب کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔الا ماشاء اللہ ہم میں سے اگر کسی کو نماز باجماعت مسجد اقصیٰ میں نہ مل سکتی تو پھر مسجد مبارک کا رُخ کرتا یا پھر کسی اور جگہ کا۔

جہاں اسے نماز باجماعت مل سکے۔

دارالواقفین کی تربیت اور تعلیم کا یہ زمانہ مختلف رنگوں میں ہمارے لئے خیرو برکت کا زمانہ رہا جس میں سب سے اہم چیز حضور اقدس کا قرب اور حضور کی ذاتی توجہ تھی۔ ہماری کارگزاری کی جملہ ہفتہ وار رپورٹیں جناب انچارج صاحب تحریک جدید جو ان دنوں مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب تھے کی وساطت سے حضور اقدس کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں ۔اور حضور ہی کی راہنمائی میں ہمارے جملہ پروگرام تجویز ہوتے اور عمل میں آتے تھے۔

ایک دفعہ حضور اقدس نے جفاکشی اور ٹریننگ کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا ہم پیدل کشمیر کا سفر کریں اور کھانا وغیرہ خود ہی پکائیں اور پیش آمدہ مشکلات کو برداشت کریں۔ چنانچہ اس پیدل سفر کی یاد اور اس کے تجربات آج بھی جب یاد آتے ہیں تو ایک سرور اور لذت کا موجب ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ سفر کئی ہفتوں کا تھا جو کئی لحاظ سے ہمارے لئے مفید ثابت ہوا۔ محترم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی اس گروپ کے انچارج تھے۔

پھر ایک دوسرا سفر اور ایک دوسرا تجربہ اس سے کچھ اور ہی مختلف رنگ کا تھا جو دو دو واقفین پر مشتمل تھا۔ یہ ایک اچھا خاصہ علاقہ یا ایک ایک تحصیل ہمارے سپرد ہوئی کہ اس علاقہ کے ہر گاؤں کے حالات اور اس کے متعلق معلومات حاصل کئے جائیں اور ہدایت تھی کہ اس ایک ماہ کے دورے کو حتی الامکان بغیر اپنی جیب سے کچھ خرچ کئے انجام دیں اور پیدل سفر کریں۔ پہلا سفر کشمیر کا تو اکٹھے رونق میں خوشی خوشی انجام پا گیا گو اس میں پیدل سفر کی کچھ کوفت ضرور رہی مگر یہ سفر بالکل ہی اپنے رنگ کا تھا۔ ناواقف بلکہ اکثر مخالف ماحول۔ ناتجربہ کاری اور مسلسل ایک ماہ کی مسافری

اوراس پر مستزاد یہ کہ ہمیں اتفاق سے جو علاقہ حصہ میں آیا وہ کم وبیش ۹۰% ہندو آبادی کا تھا۔ ایک دفعہ تو ملٹری پولیس نے ہمیں پکڑ لیا۔ اس شبہ میں کہ یہ بھاگے ہوئے جنگی قیدی نہ ہوں کیونکہ جنگ عظیم بھی ابھی ابھی انجام کو پہنچ رہی تھی۔ کچھ ہمارا حلیہ بھی سفر کی تکان یا لباس کی کچھ بے ہنگمی کی وجہ سے بس ایسا ہی تھا۔ مگر سوال و جواب میں جب انہیں علم ہوا کہ یہ لوگ تو قادیان سے ہیں پھر انہوں نے معذرت کا کچھ اظہار بھی کیا۔ الحمد للہ کہ یہ ٹریننگ کا کورس بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے لئے کامیابی کا اور بہت برکات کا موجب ہوا۔ وہ امور جن کا انسان عادی نہ تھا بلکہ کبھی تصور میں بھی یہ حالات نہ تھے، ان سے اللہ تعالیٰ نے بہتر رنگ میں عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا کی تھی۔ بہت سی مشکلات بلکہ امتحانوں میں سے گزرنا پڑا اور خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے نظارے تقویت ایمان کا موجب ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس سفر میں میرے ساتھی محترم مرزا منور احمد صاحب مرحوم تھے جو مدرسہ احمدیہ میں میرے کلاس فیلو بھی تھے۔ بعد میں بطور مبلغ ان کی تعیناتی امریکہ میں ہوئی اور پھر وہیں جہاد کے عملی میدان میں شہادت پائی۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ اس سفر میں ہمارے لئے خاص ٹریننگ تھی کیونکہ ہم دونوں ہی ایسی مسافرانہ اور مجاہدانہ زندگی سے ناواقف تھے اور بالکل نابلد تھے۔

دارالواقفین کے دور کی تعلیم اور تربیتی مصروفیات کے علاوہ ایک بابرکت سعادت یہ بھی تھی کہ ان ایام میں حضرت مصلح موعودؓ تفسیر کبیر تصنیف فرما رہے تھے اور یہ کام جہاں بہت اہم تھا وہاں پھیلا ہوا بھی کافی تھا۔ محترم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب تو خاص طور پر کلیتۃً اس کام کیلئے وقف تھے اور حضور کی معاونت فرماتے تھے مگر ہم میں سے بعض واقفین کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس سعادت سے حصہ مل جاتا تھا۔ خصوصاً ان ایام میں حضور اقدس کے نوٹس کو دوبارہ صاف طور پر لکھنے یا پروف

وغیرہ دیکھنے میں حصہ مل جاتا تھا جن میں سے ایک یہ عاجز بھی تھا نیز خاکسار کے علاوہ مکرم مولوی صدیق صاحب (جو بعد میں خلافت لائبریری کے انچارج متعین ہوئے۔) انہیں بھی خاص طور پر اس خدمت کا موقعہ ملا۔ ان خدمات کا ذکر تاریخ احمدیت میں بھی ہے۔

ٹریننگ کا یہ زمانہ حقیقت یہ ہے کہ بہت ہی برکات کے حصول کا اور مختلف رنگوں میں ہمارے لئے رحمت کا موجب تھا اور بہت لطف سے گزرا۔ ان گزرے ہوئے پُر لطف لمحات کی حسین یادیں زندگی کا عزیز ترین سرمایہ ہیں۔ اور پھر جو لمحات حضور اقدس کے قرب اور آپ کی صحبت فیض بخش میں گزرے ان کے بیان کی طاقت میرے قلم میں نہیں ہے۔

گزر چکی ہیں جو احسان انکی محفل میں
انہی قرار کی گھڑیوں نے بے قرار کیا

حضرت مصلح موعودؓ کا زمانہ فی الواقعہ بہت ہی برکات کا حامل تھا۔ قدم قدم پر ایسے واقعات ملتے ہیں جو تقویت ایمان کا موجب تھے۔ حضور نے مصلح موعود کی عظیم پیش گوئی کے مصداق ہونے کا اعلان بھی ایک الہامی رنگ کی خواب کی بنا پر انہیں ایام میں فرمایا اور اس ضمن میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ لاہور، ہوشیار پور اور دہلی وغیرہ میں جلسے منعقد ہوئے جن میں حضور نے خود شامل ہو کر اس پیش گوئی کو واضح فرمایا۔ ان تمام جلسوں میں بفضلہٖ تعالیٰ اس عاجز کو بھی شمولیت کی توفیق ملی۔ یہ سارے ہی بڑی شان کے جلسے تھے۔ جو یقیناً ایک احمدی کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے کیونکہ خدا تعالیٰ کے اس عظیم نشان کو پورے جلال کیساتھ پورا ہوتے خود ملاحظہ کیا اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مگر ان واقعات کا تفصیلی ذکر طوالت کا موجب ہوگا اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ دارالواقفین کی رہائش اور ٹریننگ کا سارا عرصہ ہی برکات سے معمور عرصہ تھا۔ جس کی یاد آج بھی دل کو گرما جاتی ہے۔

تبلیغی جہاد میں پہلی منزل

انگلستان

ہے ساعت سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو میں کردوں انجام خدا جانے

کلام محمود

تبلیغی جہاد کا آغاز

بالآخر 1945ء کا دسمبر آپہنچا اور جو پرندے حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی خاص توجہ سے اور محبت سے تیار فرمائے تھے۔ ان کی پرواز کا وقت آگیا اور حضور نے دعاؤں بھرے جذبات کے ساتھ اکناف عالم میں ان پرندوں کے پھیل جانے کا ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں۔

ہے ساعت سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو مَیں کر دوں انجام خدا جانے

جنگ عظیم ابھی ابھی ختم ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے دل خصوصاً اہل مغرب کے دل و دماغ جنگ کی تباہ کاریوں اور اس کی مشکلات اور مصائب کو ایک لمبا عرصہ برداشت کرنے کے بعد کچھ نرم ہو کر اب کلمہ حق کی طرف توجہ دینے پر کچھ آمادہ تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ اس قیمتی اور قابل قدر وقت کا ایک لمحہ تک ضائع کئے بغیر اسلام کیلئے جہاد کی مہم کا آغاز فرما دیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کلمہ حق کی تبلیغ کیلئے اور اسلام کے جہاد کے لئے اس سے موزوں وقت اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ ۴۵ء کے آخر میں جلسہ سالانہ سے قبل ہی ہمارے واقفین کے گروپ کو انگلستان کیلئے روانہ فرما دیا جن میں مکرم عطاء الرحمٰن صاحب، چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب اور محترم کرم الٰہی ظفر صاحب ایسے احباب شامل تھے۔ لندن پہنچنے پر مکرم برادرم شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سابق امام مسجد لندن بھی شامل ہو گئے۔

ہمارا واقفین مبلغین کا گروپ جو اکٹھے انگلستان کے لئے روانہ ہوا نو افراد پر مشتمل تھا۔ گو اس کے علاوہ بھی دارالواقفین سے تعلق رکھنے والے دو تین واقفین اور بھی انہیں ایام میں انگلستان روانہ ہو چکے تھے لیکن جہاں تک بصورت گروپ غیر ممالک میں جانے کا سوال ہے ہمارے گروپ سے بڑا گروپ ابھی تک نہیں گیا تھا۔ اور شائد اب تک بھی اتنا بڑا گروپ اکٹھا روانہ نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں ہوائی سفر ابھی اتنا عام نہیں ہوا تھا اور جماعت کی مالی حالت بھی ابھی ان اخراجات کی آسانی سے متحمل نہ تھی۔ اس لئے یہ سفر ہم نے بحری جہاز سے کیا جو بمبئی سے سویز کے راستہ لیورپول پہنچا۔ جہاز چھوٹا ہی تھا۔ زیادہ سے زیادہ ۹ ہزار ٹن وزن ہوگا۔ اس لئے رفتار بھی زیادہ تیز نہ تھی۔ ۳ ہفتے ہمیں اس سفر میں لگ گئے اس کے بعد لیورپول سے لنڈن تک کا سفر ٹرین میں کیا۔ یوسٹن سٹیشن پر محترم جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس استقبال کیلئے موجود تھے۔ دو تین ہمارے دوسرے واقفین جو پہلے یہاں پہنچ چکے تھے وہ بھی اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ بہر حال یہ ایک نہایت ہی ایمان افروز نظارہ تھا جس کی پُر لطف یاد آج بھی روحانی سرور کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ ہمارا امریکہ کا مشن تو ایک عرصہ سے قائم ہی تھا۔ وہاں کیلئے دارالواقفین ہی سے تعلق رکھنے والے ایک واقف مبلغ مکرم برادرم خلیل احمد صاحب ناصر انڈیا سے براہ راست پہنچ رہے تھے یعنی ہمارے گروپ کے ساتھ لنڈن کے واسطے سے نہیں۔ پھر مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب انہی دنوں لنڈن سے ہو کر امریکہ گئے یہ دونوں واقفین ہمارے دارالواقفین کے ساتھی تھے۔ برادرم مکرم خلیل احمد صاحب ناصر تو دارالواقفین میں سالہا سال میرے روم فیلو بھی رہے ہیں۔

جہاز میں ختم قرآن

ہم چونکہ نو افراد کی جماعت تھے۔ جو بمبئی سے نہایت اہم اور مقدس مقصد کیلئے جہاز میں اکٹھے سوار ہوئے اس لئے ہمارا اکثر وقت درس وتدریس، باجماعت نمازوں اور نوافل کی ادائیگی میں گزرتا۔ تہجد کے نوافل کا بھی التزام رہا۔ امامت کا کام جہاز میں اس ناچیز کے سپرد تھا۔ چنانچہ موقع اور وقت کی مناسبت سے خاکسار نے یہ التزام کیا کہ اگر ممکن ہوتو فرض نمازوں میں جن میں قرات بالجہر کی جاتی ہے۔ اور صبح کے نوافل میں کہ ان میں بھی قرات بالجہر کی صورت ہوتی ہے۔ سارا قرآن شروع سے آخر تک ختم کیا جائے۔ تو یہ چیز ہمارے لئے بڑے لطف اور سرور کا موجب ہوگی۔ تین ہفتے جہاز کا وقت بھی مناسب تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے خاکسار نے بمبئی سے شروع کر کے لیور پول تک سارا کلام پاک نمازوں میں ختم کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

اس کے بعد پھر رمضان المبارک میں لندن کی مسجد میں بھی ۴۶ء میں اور پھر ہالینڈ کی مسجد میں بھی قرآن ختم کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے اپنے فضل سے قبول فرماوے۔ آمین۔

قیام لندن کے متفرق حالات

ہر چند کہ جملہ مبلغین کا تعین مختلف ممالک میں تھا۔ مگر جنگ کے بعد حالات اس رنگ کے تھے کہ براہ راست انڈیا سے ان ممالک تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ ان سب مبلغین نے جو ایک درجن کے قریب تھے۔ کچھ عرصہ انگلستان میں محترم جناب مولانا شمس صاحب کی نگرانی میں گزارا اور پھر جوں جوں حالات

سازگار ہوتے گئے ہمارے مبلغین سارے یورپ میں پھیلتے گئے اور یہ امر موجب مسرت ہے کہ ہمیں کم وبیش چھ ماہ تک مولانا شمس صاحب کے وجود بابرکت سے لندن میں مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ آپ کو بھی یہاں رہتے دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اپنے اہل وعیال اور گھر سے جدا تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء کے وسط میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد سے آپ قادیان کیلئے روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ کے بعض متفرق واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

میرا ابھی ہالینڈ کا کوئی پروگرام نہ تھا اور نہ ابھی اس کا کوئی خیال تھا۔ میری تعیناتی تو لندن مشن کیساتھ وابستہ تھی۔ چنانچہ اس کیلئے مناسب اور ضروری حالات میں سے گزرنا بھی شروع کر دیا۔ اور ملنے ملانے والوں تعلقات بھی ذرا زیادہ شروع کر دیئے۔ انگریزی کلاس میں ہی پولینڈ کے ایک طالبعلم بڑی اچھی طبیعت کے ملے ان سے اچھی واقفیت ہو گئی پھر مشن کے ذریعہ ایک خاص جنگی قیدی سے تعلق قائم ہوا۔ انکی خواہش تھی کہ وہ مشن آیا جایا کریں۔ چنانچہ مشن کو ان کیلئے خاص اجازت لینی پڑی کیونکہ قیدیوں کو عام طور پر باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ انکو جیل خانہ سے لانے کیلئے مَیں جایا کرتا تھا۔ طریق یہ تھا کہ مَیں سائیکل پر جاتا تھا اور واپسی پر سائیکل انہیں دے دیتا تھا۔ کیونکہ انہیں ٹرام وغیرہ کے استعمال کی ایک قیدی ہونے کی وجہ سے اجازت نہ تھی۔ وہ دن بھر مشن میں رہتے اور شام کو واپس چلے جاتے۔ بہر حال یہ میری مصروفیات ایک عرصہ تک جاری رہیں اور باقاعدگی کے ساتھ جاری رہیں۔

ہمارے دوسرے مبلغین بھائی جو لندن میں تھے۔ جہاں جہاں مرکز سے انکی تعیناتی ہو چکی تھی وہ حالات اور اجازت کے منتظر تھے۔ یہ جنگ کے بالکل معاً بعد

کا زمانہ تھا اور اجازت کا مرحلہ کچھ مشکل بھی تھا اور دقت طلب بھی اسلئے جوں جوں
حالات سازگار ہوتے گئے ہمارے بھائی روانہ ہوتے گئے چنانچہ برادرم شیخ ناصر احمد
صاحب سوئٹزر لینڈ کو، چوہدری عبد الطیف صاحب جرمنی کو، ملک عطاء الرحمٰن صاحب
فرانس۔ چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر سپین اور ایک مبلغ اٹلی کی طرف روانہ ہو گئے
اور اللہ کا نام لے کر اپنے اپنے ملک میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا۔ ۴۷ء میں
مجھے بھی ارشاد موصول ہوا کہ میں ہالینڈ جا کر وہاں نئے مشن کی ابتداء کروں۔



لندن میں کرنل ڈگلس صاحب کی معیت میں۔(1946ء)



ایک زمانہ تھا۔جب ہائیڈ پارک لندن میں جاکر ہم تبلیغ کیا کرتے تھے۔ایسے ہی ایک موقعہ پر خاکسار، تلاوت کر رہا ہے۔



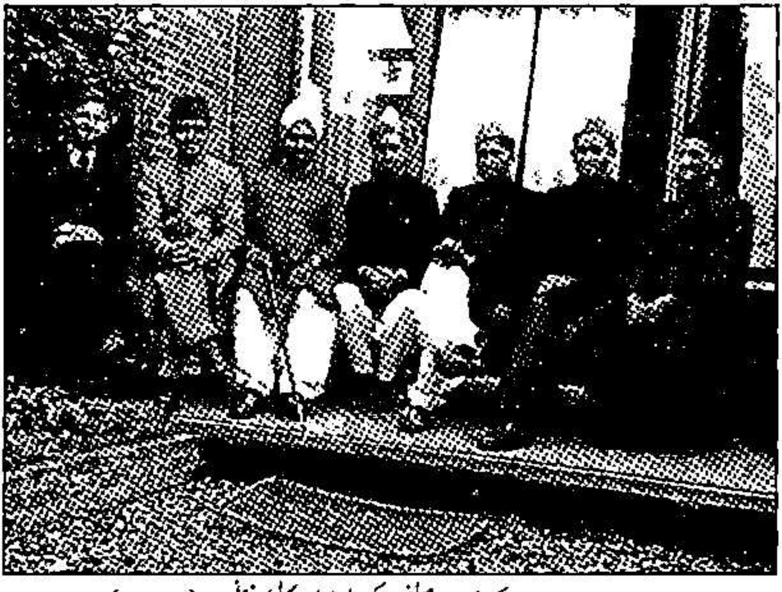
ہالینڈ سے الوداع کے موقعہ پر خاکسار۔کی پریس کانفرنس۔(فوٹو دسمبر 1947ء)
ہالینڈ کے 25 اخبارات نے خاکسار کے الوداع کی خبر کو تفصیل کے ساتھ شائع کیا۔



ہالینڈ مشن میں ڈاکٹر جوزف لنز سابق وزیر خارجہ ہالینڈ اور سابق جنرل سیکرٹری نیٹو سے ایک ملاقات
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔(1967ء)

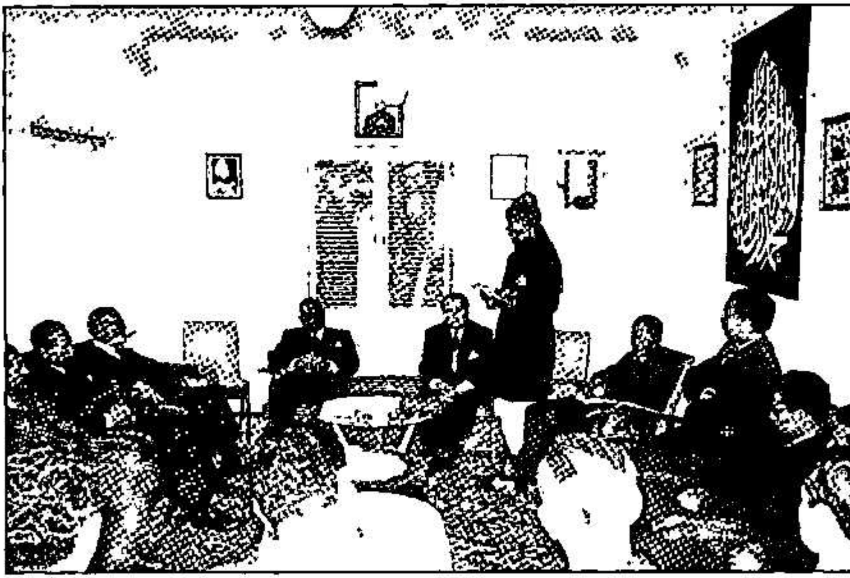


ہالینڈ مشن میں ایک ایرانی المیڈر کا نکاح ایک ڈچ خاتون کے ساتھ ہوا۔ جس کا نکاح خاکسار نے مشن میں پڑھا۔ اس موقعہ کی ایک یادگار فوٹو۔ مکرم چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر بھی ان دنوں وہاں تھے۔

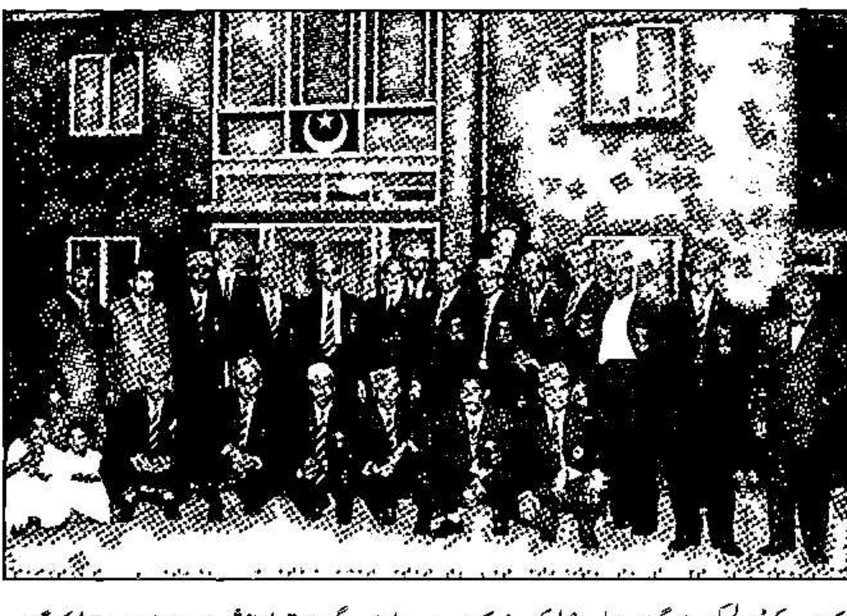


یورپ کے انچارج مبلغین کی ہالینڈ میں پہلی کانفرنس۔(1950ء)

نام دائیں سے بائیں۔ چوہدری عبداللطیف صاحب جرمنی، شیخ ناصر احمد صاحب سوئٹیزلینڈ، چوہدری ظہور باجوہ صاحب لنڈن حافظ قدرت اللہ صاحب ہالینڈ، ملک عطاء الرحمان صاحب فرانس، کرم الٰہی صاحب سپین، بشیر آرچرڈ صاحب



احمدیہ مشن ہالینڈ میں وزیراعظم ملیشیا ٹنکوعبدالرحمان کی خدمت میں استقبالیہ ایڈریس۔ اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔(1960ء)



پاکستان ہاکی ٹیم اولمپکس میں گولڈ میڈل حاصل کرنے کے بعد جب ہالینڈ سے گزری تو ہالینڈ مشن میں انکا شاندار استقبال کیا گیا یہ فوٹو مسجد کے سامنے لیا گیا۔ اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔(1960ء)

لندن مشن (۴۶-۴۷ء) کی یاد

قبل اس کے کہ میں اپنی ہالینڈ کی زندگی کا تذکرہ شروع کروں۔لندن مشن کی مزید دلچسپیات اور مصروفیات کا مختصر ذکر بھی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

ایک تبلیغی مہم جو اس زمانہ میں خاص طور پر انجام پائی وہ قبر مسیح کے اشتہار کی ہے جو اس زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کروایا گیا۔خدا کے فضل سے ہم مبلغین بھی کافی تعداد میں تھے چنانچہ کئی مرتبہ یوم التبلیغ کے رنگ میں پورے اہتمام کے ساتھ ہم دو دو تین تین افراد باہر لندن کے مختلف علاقوں میں نکل جاتے اور اس اشتہار کو تقسیم کرتے۔خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ مہم اچھے طور پر کامیاب رہی۔

اس زمانہ میں ایک اجتماع ہمیں خاص طور پر یاد ہے۔جب کرنل ڈگلس جنہیں حضور علیہ السلام نے پیلاطوس کے نام سے اپنی کتب میں یاد فرمایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت تھے۔اس وجود سے ہمیں ملنے کی خواہش تھی چنانچہ ان ایام میں کرنل صاحب موصوف باوجود ضعیف العمری کے لندن مسجد میں تشریف لائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعلق میں اس مقدمہ کے حالات کو جو حضورؑ کے خلاف دائر کیا گیا تھا اپنے جذبات کو بیان کیا۔اس مقدمہ میں کرنل صاحب موصوف بطور جج کے تھے۔چنانچہ کرنل ڈگلس موصوف نے اپنے ذاتی تاثرات اور خداداد فراست کی بناء پر مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو بھانپ لیا اور حضور کو بری کر دیا اور یہ واقعہ آپ کی صداقت اور آپؑ کی راستبازی کے نشان

کے طور پر تھا۔ کرنل صاحب نے اپنی زندگی میں اس واقعہ کو مسجد میں کتنی دفعہ بیان کیا ہوگا مگر اب بھی انہوں نے ایک خاص جذبہ اور شوق سے بیان فرمایا۔ بعد میں ہماری خواہش پر ہمارے ساتھ ایک فوٹو بھی کھنچوایا جس میں یہ عاجز بھی موجود تھا۔ یہ فوٹو اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

اسی طرح ایک واقعہ انہیں دنوں کا اور یاد ہے کہ ایک دفعہ محترم مولانا شمس صاحب کی معیت میں ہم بہت سے مبلغین باہر کسی تقریب کیلئے گئے۔ اس وقت لندن میں ابھی ٹرام چلتی تھی۔ چنانچہ ہم ٹرام میں سوار ہو گئے۔ مولانا موصوف کے علاوہ ہم ۱۲ افراد تھے چنانچہ ٹکٹ کنڈیکٹر سے ہم نے ۱۳ افراد کے لئے ٹکٹ کیلئے کہا۔ ٹکٹ کنڈیکٹر نے جب ہم سب کی وضع قطع دیکھی اور حواریوں کی طرز پر محترم مولانا شمس صاحب کے ساتھ ۱۲ افراد دیکھے تو ۱۳ افراد کا ٹکٹ جاری کرنے پر تامل کیا کہ یہ عدد بعض توہم پرستوں کے نزدیک کوئی برکت والا نمبر نہیں ہے چنانچہ اس نے بجائے ۱۳ کے ہمیں ۱۲ ٹکٹ دے دیئے اور اسی میں اپنی ٹرام کی سلامتی تصور کی۔

ان ایام میں تبلیغ کا ایک ذریعہ ہائیڈ پارک میں تقریر کرنے کا بھی تھا۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسے پروگرامز میں بھی حصہ لینے کا موقع ملا۔ ہائیڈ پارک میں انگریزی میں تقریر کرنے کی قابلیت تو اس وقت نہ تھی تاہم حاضرین کو اکٹھا کرنے کے لئے تلاوت کئی دفعہ کی۔ اور جب تلاوت کے نتیجہ میں کچھ لوگ جمع ہو جاتے تو ہم میں سے کوئی دوست تقریر شروع کر دیتے اور پھر تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مکرم مولانا شمس صاحب تو خیر عظیم عالم تھے۔ مگر ہائیڈ پارک میں تقریر کرنا بھی کوئی معمولی کام نہیں۔ اس ضمن میں مکرم میر عبدالسلام اور محترم جناب عزیز دین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ باقی مبلغین میں سے مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ

ہیں جو مولانا شمس صاحب کے بعد بطور امام مسجد لندن یہاں موجود رہے۔

مکرم مولانا شمس صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لندن مشن میں کام کرنے والے ہم تین افراد تھے جنہیں حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان سے روانگی سے قبل ہی بطور مبلغ انگلستان مقرر فرمایا تھا۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور یہ خاکسار جو ایک عرصہ تک لندن مشن میں اکٹھے کام کرتے رہے۔

جنگ عظیم کا سارا زمانہ مکرم جناب مولانا شمس صاحب لندن مسجد میں مقیم رہے۔ ہر چند کہ لندن شہر کا کوئی حصہ بمباری سے محفوظ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم مولانا شمس صاحب کو اور لندن مسجد کو جس کی تکمیل 1926ء میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے محفوظ رکھا۔ اس دوران محترم جناب عزیز دین صاحب کی خدمات خصوصی کے علاوہ دو مخلص خادم اور تھے جو محترم مولانا صاحب کی خدمت کرتے رہے۔ ایک ان میں سے محترم برادرم بلال نٹل صاحب تھے جو انگریز تھے اور سلسلہ کیساتھ بڑے ہی اخلاص کا تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ بھی انہیں خاص عقیدت اور محبت کا تعلق تھا۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ جو اپنے تعلیمی زمانہ میں لندن میں رہے۔ ان کے ساتھ بھی محترم بلال نٹل صاحب کا نہایت ہی خاص محبت کا تعلق تھا اور اکثر ان کا تذکرہ وہ بڑے جذبہ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی جب وفات ہوئی اور اس موقع پر تعزیت کا جلسہ لندن مسجد میں ہوا۔ تو اس میں اپنے جذبات کے اظہار کیلئے محترم بلال نٹل صاحب کو بھی وقت دیا گیا۔ چنانچہ یہ سٹیج پر آئے۔ اور کچھ کہنا بھی چاہا مگر حضور کی محبت بھری یاد کی وجہ سے اس قدر رقت ان پر طاری تھی کہ وہ ایک لفظ تک نہ منہ سے نکال سکے۔ ان کی آنکھوں سے متواتر آنسو رواں تھے۔ چنانچہ بغیر کچھ کہے وہ واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔

میرے ساتھ بھی وہ ہمیشہ محبت اور اخلاص سے پیش آتے۔ان کا خلوص یاد آتا ہے۔

مولانا شمس صاحب کے دوسرے خادم ان ایام میں ڈاکٹر سلیمان تھے۔ جنہیں ان ایام میں خاکسار نے ایک عرصہ تک نمبر ۲۳ میلروز کے تہہ خانہ میں رہائش پذیر دیکھا ہے۔ میرے ساتھ پھر ان کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق بہت گہرا ہو گیا۔ چنانچہ بعد میں وہ اکثر ہالینڈ آجایا کرتے تھے۔حتیٰ کہ ہالینڈ میں ہی ان کی ملاقات اور جان پہچان بعد میں محترمہ بجری فان فین صاحبہ سے ہوئی اور پھر ہالینڈ میں ہی بعد کے زمانہ میں ان کی شادی ان سے ہوگئی۔محترمہ بجری میرے ہالینڈ کے زمانہ میں جماعت میں شامل ہوئی تھیں۔

لندن مسجد کے معزز مہمان

آج مسلمانوں کا ایک طبقہ ہمیں اپنے ذاتی اغراض کے پیش نظر غیر مسلم قرار دے رہا ہے مگر ایک زمانہ تھا جب انگلستان میں اسلام کا نعرہ بلند کرنے والا اور ایک نظام اور عزم کے ساتھ اسلام کی نمائندگی کرنے والا سوائے احمدیوں کے اور کوئی نہ تھا۔اور نہ ہی لندن میں کوئی اور مسجد تھی جو اسلام کا مرکز تصور کی جاتی ہو۔ چنانچہ ملک سر فیروز خان نون کو خود میں نے لندن مسجد میں دیکھا ہے اور مکرم جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے یہ کہتے سنا کہ بہتر ہے کہ میرے بچے کو بھی آپ لندن مسجد کے ماحول میں لے آئیں باہر کے حالات تو ناگفتہ بہ ہیں۔

اس سے قبل محترم شمس صاحب کے زمانہ میں شہزادہ فیصل جو بعد میں سعودی عرب کے بادشاہ ہوئے وہ بھی اس مسجد میں تشریف لا چکے تھے بلکہ جب میں 1947ء میں انگلستان میں تھا تو ایک تقریب جو کہ شہزادہ فیصل کے احترام میں منعقد

کی گئی تھی۔اس میں مجھے لندن مسجد کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا۔اور وہاں شہزادہ فیصل سے مل کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ہمارے لئے باعث مسرت ہوگا۔اس پر انہوں نے نہایت برادرانہ رنگ میں معذرت کی کہ اس دفعہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ورنہ میں نے لندن مسجد آنے سے پہلے بھی مسرت محسوس کی ہے اور آئندہ کوئی موقع ہوا تو پھر بھی آنے کیلئے تیار ہوں۔آپ میری طرف سے افسوس کیساتھ اپنے امام صاحب سے معذرت کر دیں۔

اسی طرح بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بھی لندن مسجد میں تشریف لا چکے تھے۔ ہاں میرے زمانہ میں ۴۶ء میں جب جناب جناح صاحب انگلستان تشریف لائے تو آپ کا یہ دورہ گو سیاسی نوعیت کا تھا آپ نظریہ پاکستان کی تائید اور وضاحت کیلئے تشریف لائے تھے اس موقع پر بھی جناب جناح صاحب کو جس رنگ میں یہاں کی جماعت احمدیہ نے خوش آمدید کہا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مجھے یاد ہے محترم جناح صاحب لیکچر کیلئے لندن کے کیکسٹن ہال میں تقریب کا اہتمام کیا گیا تو ان کی عزت افزائی کیلئے ہم لوگ مکرم جناب مشتاق احمد باجوہ صاحب امام مسجد لندن کی معیت میں پھولوں کے ہار وغیرہ لے کر گئے۔ جو ان کے گلے میں ڈالے اور پھر مکرم جناح صاحب کے اس اہم لیکچر سے قبل قرآن کریم کی تلاوت کی سعادت بھی اس عاجز کے حصہ میں آئی۔اس موقع پر جناب لیاقت علی خان صاحب اور بعض اور سرکردہ احباب بھی موجود تھے جن میں اخبار ڈان کے ایڈیٹر اور بعض دیگر معززین بھی انڈیا سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ یہ جلسہ اور یہ لیکچر پاکستان کی وضاحت اور پاکستانی نظریہ کیلئے بہت مفید ثابت ہوا۔

ضمناً یہ بھی ذکر کر دوں کہ اس سے ایک دو سال قبل کوئٹہ میں خاکسار کی

ایک ملاقات مکرم جناب جناح صاحب سے مکرم جناب ابوالعطاء صاحب کی معیت میں ہوئی جو ہمیشہ یاد رہے گی۔یہ پاکستان کے عملاً وجود میں آنے سے پہلے کی بات ہے۔ جب ابھی پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی عملداری تھی جس کے سربراہ ملک خضر ٹوانہ تھے۔اس موقع پر ہم چند منٹ جناب جناح صاحب سے محو گفتگو رہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مکرم ابوالعطاء صاحب نے نظریہ پاکستان کو پوری طرح سراہتے ہوئے اور اس کی تائید کرتے ہوئے دعائیہ جذبات کے ساتھ نہایت اُمید افزاء خیالات کا اظہار فرمایا۔ جس کے بعد نہایت خوش کن ماحول میں چند منٹ تک ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ ملاقات گو مختصر تھی۔مگر اسکی حسین یاد اب تک بھی دل کو گرماتی ہے۔اور قائداعظم کے حسن تدبر کے لئے ایک قابل تعریف رنگ کا مقام قلوب میں پیدا کر جاتی ہے۔

لندن میں قیام کا مختصر تذکرہ یہاں ختم ہوا اب اس کے بعد ہالینڈ کے کچھ حالات بیان ہوں گے جہاں اس عاجز کو ۱۵، ۱۶ سال خدمت دین کرنے اور مشن کے قیام کی توفیق ملی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خدمت وسعادت کا یادگار زمانہ

ہالینڈ

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

درثمین

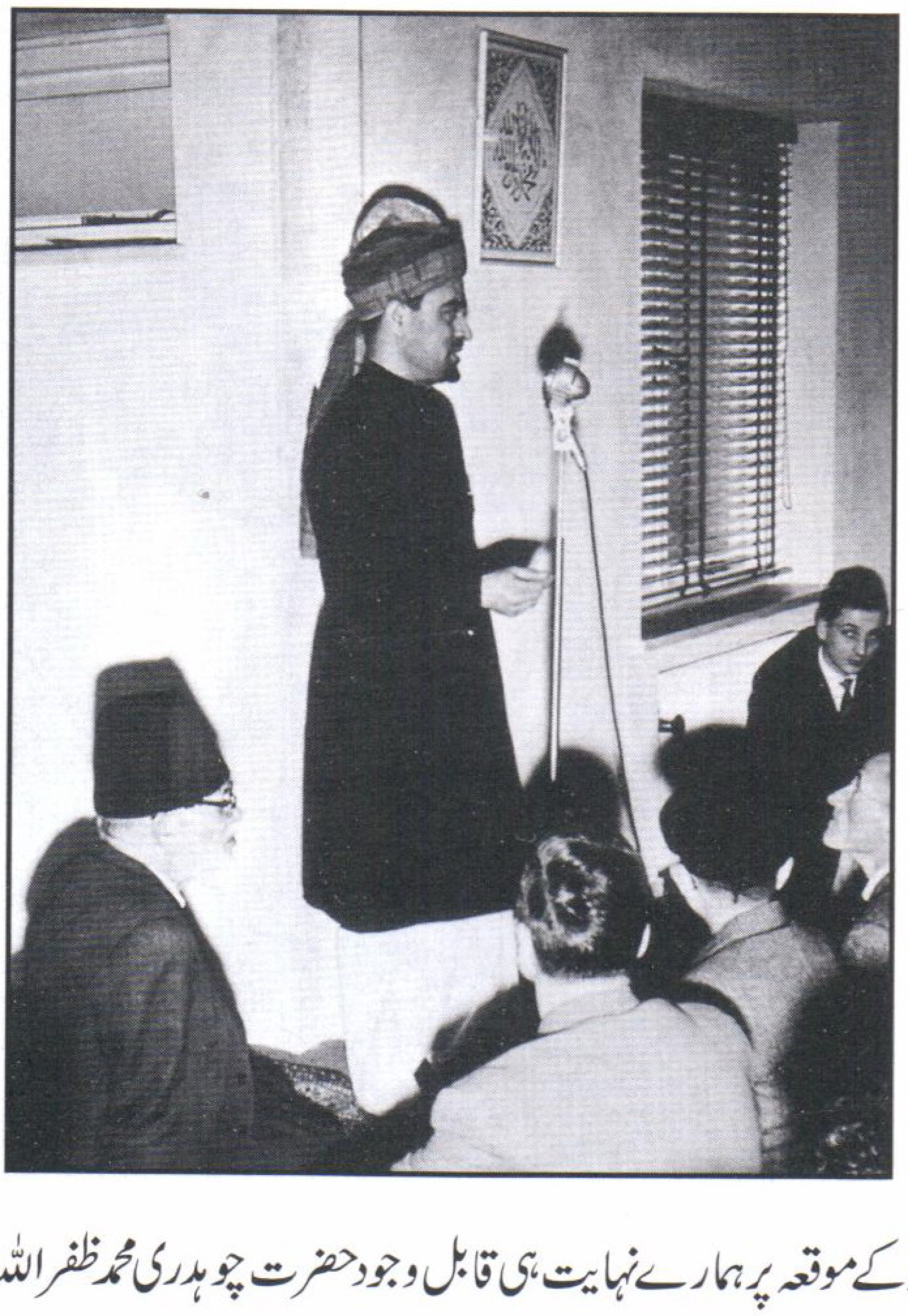
ہالینڈ سے ابتدائی تبلیغی روابط

ہالینڈ مشن کا باقاعدہ آغاز تو 1947ء میں اس وقت ہوا جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہ ذرہ نوازی اس عاجز کو پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل ارشاد فرمایا کہ مَیں وہاں جا کر ایک نئے مشن کی بنیاد ڈالوں۔ ہر چند کہ یہ ایک نہایت مقدس اور اہم ذمہ داری تھی۔ حالات اور زبان سے بھی نا تجربہ کاری تھی۔ مگر حضور اقدس ایسے اولوالعزم اور عظیم الشان خلیفہ کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ ضرور تھا۔ گو ڈر تھا کہ کہیں اپنی نا اہلیاں اور خطا کاریں اس راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ مگر اس کے باوجود امید کا ایک پہلو غالب تھا کیونکہ یہ میرا کام تو تھا ہی نہیں۔ بلکہ اسلام اور احمدیت کے زندہ خدا کا پروگرام تھا۔ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس غرض کیلئے بھیجا تھا۔ انسانی ذریعہ تو محض ایک آلۂ کار کی حیثیت سے تھا۔ اس کیلئے ہر کامیابی جو اس راہ میں حاصل ہوئی وہ محض خدا کے فضل سے ہے اور اس کامیابی پر انسان جس قدر بھی خدا کا شکر بجالائے کم ہے اور اس پر اس ''آلہ کار'' کو کسی رنگ میں اترانا ایک محض نادانی اور بے وقوفی سے زیادہ نہیں اور اگر کسی جگہ مشکل اور مایوسی پیش آئے تو اس وقت استغفار اور ذکر الٰہی کی ضرورت ہے اور چاہیئے کہ انسان اس وقت اپنے اندر ایک نیک تبدیلی اور اخلاص کا رنگ پیدا کرے کہ یہی فتح وظفر کی کلید ہے۔ وباللہ التوفیق

میرے لئے یہ امر خوشی اور برکت کا موجب ہے کہ اس مشن کے باقاعدہ



پرنس فوادالفیصل آف سعودی عرب جب ہمارے مشن میں تشریف لائے تو انکی خدمت میں یہ عاجز ایڈریس پیش کر رہا ہے۔اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب اور بعض دیگر معززین بھی حاضر ہیں۔



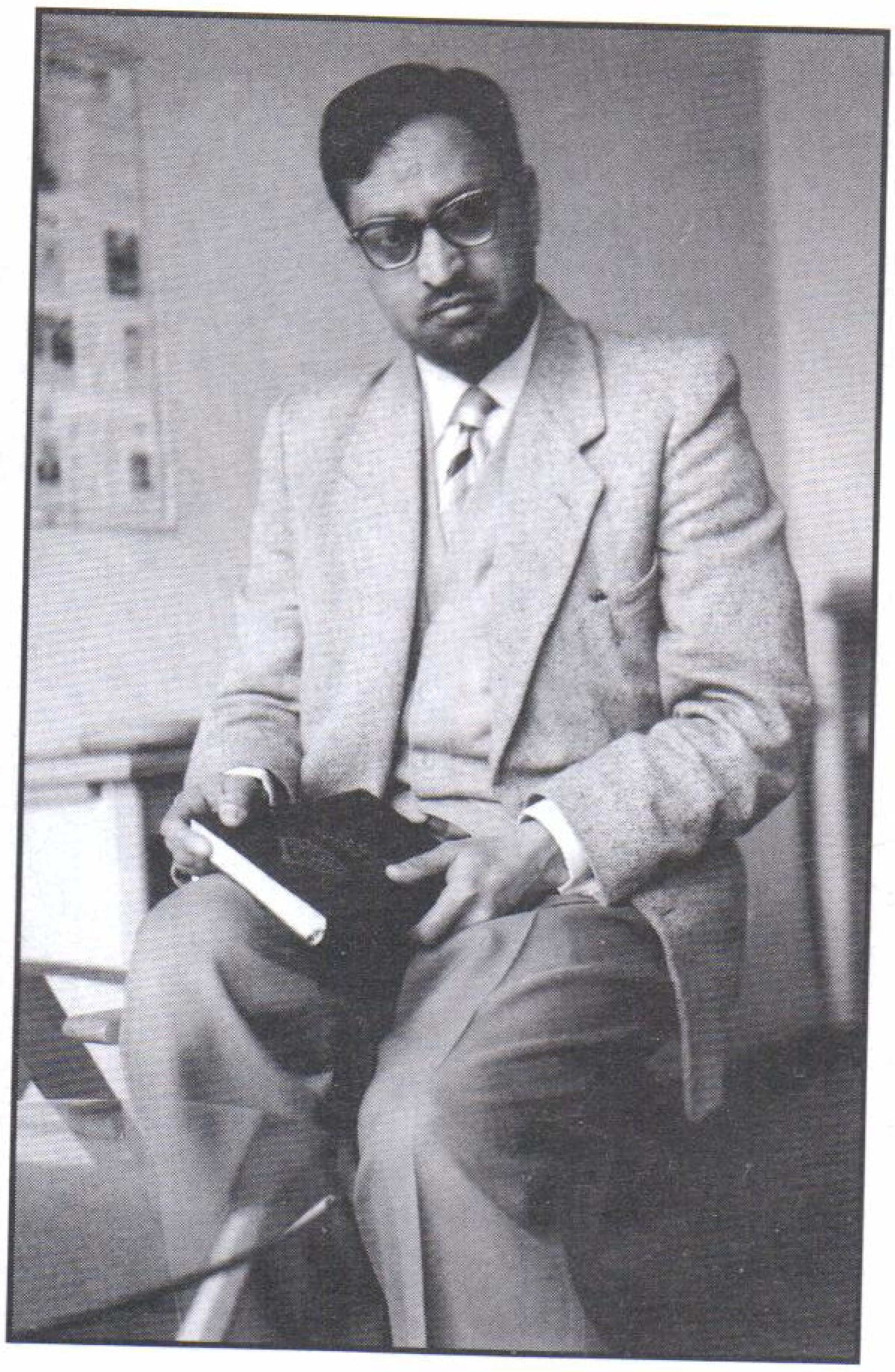
بیتِ الذکر ہالینڈ میں ایک عید کے موقعہ پر ہمارے نہایت ہی قابل وجود حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی اس موقعہ پر تشریف فرمائیں۔ (1960ء)



ہالینڈ میں پریذیڈنٹ ٹب مین آف لائبیریا کی خدمت میں قرآن کریم کی پیش کش۔



ہالینڈ میں محترمہ بیگم رعنا لیاقت علی خان ایمبسیڈر پاکستان کے ساتھ ایک یادگار فوٹو۔ انکا ہمارے مشن ساتھ بڑا اچھا تعلق رہا۔ ہمیشہ بڑے احترام کا سلوک کرتیں۔ بعض دفعہ وہ مشن بھی تشریف لائیں۔



نئے شائع شدہ ڈچ ترجمہ قرآن کی ایک یادگار فوٹو۔

مشن کے لٹریچر کے تعلق میں ترجمہ قرآن کی اشاعت ایک اہم ترین مقام رکھتی ہے۔



ہالینڈ مشن میں انچارج یوروپین مشنز مبلغین کی دوسری کانفرنس (1958ء)

(پہلی کانفرنس بھی عاجز کے زمانہ میں 1950ء ہوئی تھی)

سید کمال یوسف صاحب، چوہدری عبدالطیف صاحب، شیخ ناصر احمد صاحب، خاکسار کی حافظ قدرت اللہ صاحب، مشتاق احمد باجوہ صاحب، مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب



احمدیہ مشن ہالینڈ میں (1956ء) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی معیت میں



ہالینڈ کی پاکستان ایمبسی میں بیگم لیاقت علی خان ایک خاص جرنلسٹ سے میرا تعارف کرارہی ہیں جنکے اعزاز میں یہ تقریب ایمبسی
میں منعقد کی گئی تھی۔(1963ء)

قیام سے بہت پہلے یعنی پندرہ بیس سال قبل اس ملک ہالینڈ سے تبلیغی رنگ کا ایک تعلق ہمارے بعض مقدس وجودوں کے ذریعہ عمل میں آچکا تھا اور ان کی دعائیں لے چکا تھا۔ سب سے پہلا تعلق تو ہمارے نہایت ہی واجب الاحترام بزرگ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اولین اور مخلص صحابی حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب سے تھا جن کے عقد نکاح میں ڈچ مسلم خاتون ''ہدایت بڈ'' آئیں۔ اور پھر آپ کے ساتھ قادیان آکر بھی رہیں۔ یہ ۲۷ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہوگا۔ مَیں اس وقت بچہ ہی تھا۔ مگر حضرت مفتی صاحب کے ہاں ان کی رہائش مجھے بھی یاد ہے۔ اور مَیں نے انہیں دیکھا ہے۔

اس ضمن میں ایک پُر لطف تذکرہ قابل ذکر ہے وہ بھی عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب کی اس ڈچ خاتون سے شادی کے ۵۰-۵۲ سال بعد کا واقعہ ہے۔ کہ اس سال جب جلسہ سالانہ پر مَیں ربوہ گیا تو وہاں سے واپسی سے ایک روز قبل یعنی ۲۴ جنوری ۱۹۷۹ء کو عزیزم عطاء المجیب صاحب راشد مبلغ جاپان نے (جو میرے عزیز ہیں اور پڑوس میں ہی رہتے تھے) مجھے کہا کہ اب ہم کل یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم ایک دفعہ حضرت مولوی محمد الدین صاحب ایسے بابرکت وجود کی زیارت کر لیں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خصوصی صحابہ میں سے ہیں۔ اور سلسلہ کی عظیم خدمت کا آپ کو موقع ملا ہے۔ واللہ اعلم پھر ان کی ملاقات کی سعادت کب نصیب ہو یا کیا صورت ہو۔ چنانچہ مَیں نے بھی عزیز موصوف کے اس خیال کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور صبح سویرے حضرت مولوی صاحب کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ حضرت مولوی صاحب کی رہائش ہمارے مکانوں کے سامنے ہی میدان کے دوسری طرف تھی۔ چنانچہ باریابی کا موقع مل گیا۔

حضرت مولوی صاحب، صاحب فراش تھے مگر باوجود ضعف اور بڑھاپے کے دماغی لحاظ سے اچھے بیدار تھے۔ جب مَیں ہالینڈ مشن کے تعلق میں اپنا تعارف کرایا تو آپ نے فرمایا کہ اس بارہ میں مجھے آپ کے تعارف کی زیادہ ضرورت نہیں۔ مَیں آپ کو جانتا ہوں۔ اس پر آپ نے لطف کے ساتھ پرانے زمانے کا اپنا ایک واقعہ سنایا۔ کہ ۲۶ء کی بات ہے (ان دنوں غالباً آپ انگلستان میں تھے) کہ مَیں نے اسلام پر ایک مضمون لکھا جو اچھا تفصیلی تھا اور اسلام کی صداقت کو آشکار کرنے والا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کو پڑھ کر ایک ڈچ خاتون مس بڈ (جو بعد میں حضرت مفتی صاحب کے نکاح میں آئیں) اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور جماعت احمدیہ میں شامل ہوگئیں اور پھر حضرت مولوی صاحب اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ یہ خاتون اسلام تو خدا کے فضل سے میری تبلیغ کے نتیجہ میں لائیں اور کام حضرت مفتی صاحب کے آگئیں یعنی ان کو حضرت مفتی صاحب کے عقد نکاح میں آنے کی سعادت اور خوش قسمتی حاصل ہوگئی۔ بہرحال واقعہ کے بیان کا یہ رنگ حضرت مولوی صاحب کی پُر مزاح طبیعت کا آئینہ دار تھا۔ اس کے بعد عزیزم عطاء المجیب صاحب راشد نے آپ کا فوٹو یادگار کے طور پر لینے کی اجازت چاہی جس پر آپ نے فرمایا کہ اس نیم مردہ حالت میں میرا فوٹو لے کر کیا کریں گے مگر تاہم آپ نے پھر کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

دوسرا تعلق ہالینڈ مشن کا ہماری جماعت کے ایک اور قابل قدر بزرگ حضرت مولانا درد صاحب کے وجود سے ہے جبکہ آپ انگلستان میں مسجد کے امام اور مشن کے انچارج تھے۔ یہ ۲۶ء کا زمانہ تھا جب آپ نے اسلام کو متعارف کروانے کیلئے ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈم میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا اور وہاں سے ایک

پندرہ روزہ رسالہ بھی ڈچ زبان میں وہاں کے کسی دوست کی مدد سے شروع فرمایا۔ اور اس ضمن میں دو ایک مختصر پمفلٹ بھی شائع فرمائے اور ہالینڈ میں تقسیم کرنے کا اہتمام کیا۔ گو آپ کا قیام تو ہالینڈ میں نہ تھا اور آپ کا جانا انگلستان سے ہی ہوتا تھا مگر اس ضمن میں آپ کی مساعی کا ثبوت اس لٹریچر سے ضرور ملتا ہے جو لندن مشن کے پرانے کاغذات میں ۴۶ء میں ہمیں ملا۔ اللہ تعالیٰ ان مساعی کی آپ کو بہتر جزا عطاء فرمادے۔

اس کے بعد ایک تیسرا تعلق جو ہمارے ایک اور نہایت ہی قابل قدر اور قابل احترام بزرگ کیساتھ ہے وہ مکرم جناب مولانا شمس صاحب کا وجود ہے جو وسط 1946ء تک انگلستان میں مقیم رہے آپ کے ذریعہ ایک ڈچ نوجوان جو جنگ کے دوران اپنی والدہ کیلئے انگلستان آگئے تھے۔ اسلام لاکر جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے چنانچہ جب 1947ء کے وسط میں ہالینڈ میں مشن قائم ہوا تو وہ وہاں مجھے ملے اور کچھ وقت بعد میں بھی ملتے رہے مگر پھر اپنی ذاتی اغراض اور پھندوں کے پیش نظر دور ہو گئے۔

باقاعدہ مشن کا قیام

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق یہ عاجز ہالینڈ کیلئے مورخہ یکم جولائی 1947ء کو بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوا اور دوسرے روز دوپہر سے قبل یہ عاجز ہیگ پہنچ گیا۔ اور باقاعدہ طور پر ہالینڈ میں ایک نئے مشن کی ابتداء ہو گئی (ابھی پاکستان عالم وجود میں نہیں آیا تھا)۔ خاکسار نے پریس کیساتھ تعلقات قائم کر کے کہ خبر نیوز ایجنسی کو دی جو دوسرے ہی روز صبح

اخبارات میں شائع ہوگئی ۔ خبر نہایت ہی مختصر تھی مگر اس میں خاکسار کی رہائش کا ایڈریس درج تھا جس سے بہت فائدہ ہوا۔ خاکسار نے اپنی رہائش کے لئے کولمبس سٹریٹ میں ایک کمرہ لیا تھا۔ اس مکان میں ایک انڈونیشن شخص جو ماڈورا کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی ڈچ بیوی تھی جن کے ساتھ رہائش رکھتے تھے۔ اس جگہ کا ماحول کوئی ایسا پسندیدہ تو نہ تھا مگر ابتداءً کچھ عرصہ مَیں نے اسی جگہ گزارا اور پھر چند مہینوں کے بعد اس جگہ کو تبدیل کر لیا اور ہیگ کے ایک اچھے کھلے علاقہ Ruychrocklaan میں تبلیغی مساعی کو شروع کیا اور پھر سالہا سال ہمارا مشن وہاں قائم رہا یہاں تک کہ ۵۵ء میں جب اسی علاقہ میں ہماری اپنی مسجد (مع مشن ہاؤس) وجود میں آگئی تو ۵۶ء کے شروع میں مشن وہاں منتقل کر لیا گیا۔

ہمارے ڈچ مشن کی ابتداء جس بے سرو سامانی کی حالت میں ہوئی وہ اپنے اندر ایک خاص لطف رکھتی ہے۔ میری ناتجربہ کاری تو تھی ہی۔ اس پر مستزاد یہ کہ ڈچ زبان سے بھی بالکل ناواقفیت تھی ۔ حضور اقدس نے جب ہالینڈ کے مشن کا فیصلہ فرمایا تھا تو جنگ کے معاً بعد کا زمانہ ہونے کی وجہ سے کچھ تو حالات ہی ایسے تھے کہ زبان سیکھنے کا پروگرام وہاں کوئی ایسا نہ بن سکا اور پھر وقت اس قدر تنگ تھا کہ وہ ادھر ادھر کے انتظامات میں لگ گیا اور ڈچ زبان کے صرف چند الفاظ یا فقروں کے علاوہ کوئی سرمایہ اکٹھا نہ ہو سکا۔ عام طور پر تو ڈچ لوگ جرمن اور انگریزی تو کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتے تھے مگر اتفاق ایسا تھا کہ جس فیملی میں میری رہائش ہوئی وہ انگریزی سے بالکل نابلد تھے اور مَیں ڈچ زبان سے بالکل ناواقف۔

اس ضمن میں ایک لطیفہ بھی ہو گیا جو قابل ذکر بھی ہے اور کسی قدر لطف کا موجب بھی۔ گھر میں دو چار گھنٹے گزارنے کے بعد مجھے پیشاب کی حاجت محسوس

ہوئی تو مَیں نے اپنی لینڈ لیڈی سے پوچھا کہ ٹائلٹ کہاں ہے مگر وہ اس لفظ کو نہ سمجھ سکی۔ پھر میں نے اس سے لیٹرین کے لفظ سے سوال کیا۔ تو یہ لفظ بھی اس کیلئے نیا تھا۔ اور اسے پتہ نہ لگ سکا۔ پھر مَیں نے اس سے ''ڈبلیو۔ سی'' انگریزی تلفظ کے ساتھ پوچھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ لفظ اتنا عام ہے کہ اس کو ضرور پتہ لگ جائے گا مگر انگریزی کا تلفظ اس کے ڈچ تلفظ سے بالکل مختلف تھا اس لئے اس کو بھی وہ نہ سمجھ سکی۔ آخر مَیں نے اسے کاغذ پر یہ دوحرف لکھ کر دیئے تو پھر وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ آپ ''وے۔ سے'' کا پوچھ رہے ہیں۔ تب جا کر میری مشکل حل ہوئی۔

سب سے پہلا خدائی نشان

یہ تو خیر ایک ضمنی بات آ گئی کہ ابتداء اس رہائش کی کیسے حالات میں ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسی کسمپرسی کی حالت میں خدا تعالیٰ نے اپنی تائید اور نصرت کے ثبوت بھی اس رنگ میں دیئے اور ایسے ایسے ایمان افروز حالات وقوع میں آئے کہ اس زمانہ میں باوجود ناتجربہ کاری اور بے سروسامانی کے مایوسی کبھی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ ہی اُمید افزا کیفیت رہی۔ سب سے پہلا خدا کا نشان میرے لئے تو یہی تھا کہ ابھی مَیں نے ایک ہی رات ہالینڈ میں بسر کی تھی کہ دوسری صبح کو دروازہ پر دستک ہوئی۔ لینڈ لیڈی نے دروازہ کھولا تو ایک بھاری بھرکم جسم کے بڑی عمر کے ڈچ نمودار ہوئے جنہوں نے میرا نام لے کر دریافت کیا کہ آیا ان کا قیام یہیں ہے؟ مثبت جواب ملنے پر انہوں نے مجھے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ یہ دوست سٹنگ روم میں تشریف لے آئے اور مجھ سے یوں گویا ہوئے کہ مسٹر حافظ! آپ مجھ سے واقف نہیں۔ اور نہ مَیں آپ سے واقف ہوں۔ مگر ایک لحاظ سے ہم ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ مَیں نے

پادری ہونے کی حیثیت سے انڈونیشیا میں اپنی زندگی کا تیس سال کا عرصہ گزارا ہے۔ مگر اب مَیں ریٹائر ہو کر واپس آ گیا ہوں۔ میری بیوی انڈونیشین ہے۔ مَیں نے آج صبح جب اخبار میں تمہاری آمد کی خبر پڑھی تو تمہیں ملنے کی تحریک ہوئی۔ میرا مکان اسی سٹریٹ میں ہے۔ انڈونیشیا میں میرا وقت آپ کے مسلم دوستوں اور بھائیوں کے درمیان بہت اچھے رنگ میں گزرا۔ اور مَیں اس کے لئے خدا کا شکر گزار ہوں۔ آج آپ اس ملک میں بالکل اجنبی ہیں۔ حالات سے بھی شائد ناواقف ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں آپ کی مدد کیلئے اپنی خدمات پیش کروں۔ بالکل اسی طرح جس طرح انڈونیشیا میں آپ کے بھائیوں نے میری مدد کی تھی۔ میری رہائش یہاں سے قریب ہے۔ میرا گھر آپ اپنا گھر سمجھیں۔ ہم آپ کی جو بھی مدد کر سکیں وہ ہمارے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال اس اجنبی ماحول میں ایسے نیک دل دوست کا مل جانا ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ یہ خاندان پڑھا لکھا تھا۔ گھر میں ان کے نوجوان صاحبزادے اور صاحبزادیاں بھی تھیں چنانچہ جو مدد بھی ان کے بس میں تھی اس میں انہوں نے کمی نہیں کی زبان تک کے سبق بھی وہ دیتے رہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک (ان دوست کا نام مسٹر ڈی کوننگ تھا)

پہلی بیعت

ہالینڈ مشن کے ابتدائی ایام میں ایک اور ایمان افروز واقعہ ہوا جس کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ہالینڈ کی دنیا میرے لئے بالکل نئی تھی۔ نہ زبان سے واقفیت تھی اور نہ کسی اور کے ساتھ وہاں تعارف تھا۔ ابتدائی کام تو حالات کا جائزہ لینا ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ زبان کا سیکھنا اور پھر تبلیغی میدان کی تلاش وغیرہ۔ مگر تبلیغی جوش کے

نتیجہ میں ان دنوں میرے دل میں یہ خواہش موجزن ہوئی کہ کاش خدا تعالیٰ چالیس روز کے اندر اندر مجھے یہاں اسلام پر فدا ہونے والی کوئی روح عطاء فرمادے تو کیا ہی اچھا ہو۔ چنانچہ مَیں نے اس کیلئے خصوصی طور پر دعا بھی کی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہالینڈ میں مبلغ اسلام کی آمد کی خبر جو پریس میں شائع ہوئی وہ اتفاق سے ایک ڈچ خاتون جو ہیگ سے کافی فاصلہ پر ملک کے شمالی حصہ میں مقیم تھیں ان کی نظر سے گزری۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس خاتون کو عرصہ ہوا خواب میں سبز روشنی میں اسلام لکھا ہوا نظر آتا تھا اور اس خواب کے اثر سے وہ متلاشی تھی کہ کوئی مسلمان اسے ملے تو وہ اس کے ذریعہ سے اسلام مذہب سے وابستگی اختیار کرے۔ مگر ابھی تک اسے کوئی ایسا اتفاق نہیں ہو رہا تھا کہ اچانک اخبار میں یہ خبر اس کی نظر سے گزری کہ ہیگ میں اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے ایک مبلغ آیا ہے۔ چنانچہ وہ خبر پڑھتے ہی اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔ اور کوئی دو ہفتہ کے بعد وہ خود مجھ سے ملنے آگئی۔ اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے عمر اس کی کوئی پینتالیس پچاس کے درمیان ہوگی۔ خاوند اس کا فوت ہو چکا ہوا تھا اور وہ کسی امیر گھرانے میں گھر کا کام کاج کر کے زندگی بسر کر رہی تھی۔ مَیں نے اس سے کہا کہ بہتر ہے کہ پہلے وہ اسلام کے بارہ میں کچھ مطالعہ کر کے اپنی معلومات کو وسیع کرے اور پھر اگر اسے تسلی ہو تو بیعت کر لے اس کا خیال یہی تھا کہ اسے اس بارہ میں پوری تسلی ہے اور وہ بیعت کے لئے تیار ہے مگر پھر بھی مَیں نے اسے مطالعہ کیلئے لٹریچر دیا۔ انگریزی زبان سے اسے شناسائی تھی۔ چنانچہ کتاب کے مطالعہ کے بعد پھر وہ دو ہفتوں کے بعد رپورٹ دینے کیلئے آگئی۔ چنانچہ اس دفعہ اس کے بعض استفسارات کا جواب بھی دیا اور اسلام لانے کے بعد اسے اس کے فرائض اور ذمہ داریوں سے بھی آگاہی دی۔ کہ اسے مختلف رنگوں کی

قربانیاں دینی ہوں گی۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ان ہدایات کے بعد اسے رخصت کیا اور پھر دوبارہ اسے آنے کیلئے کہا۔ چنانچہ میری آمد پر ابھی چالیس روز نہیں گزرے تھے کہ اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر بیعت کرلی اور مسلمان ہوگئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ اس خاتون کا نام ''رضیہ ڈین بور'' تھا۔

ہالینڈ کے تعلق میں گو اس سے پہلے بھی دو افراد کا نام ملتا ہے جو احمدی ہوئے تھے۔ ایک تو ''مس ہدایت بڈ'' خاتون تھیں جو ۲۶ء میں مولوی حضرت محمود الدینؓ صاحب کے ذریعہ احمدی ہوئی تھیں اور بعد میں حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب کے عقد میں آئیں۔ دوسرے ایک نوجوان ظفر اللہ کاخ تھے جو ۴۴ء میں حضرت مولانا شمس کے ذریعہ احمدی ہوئے تھے۔ ان دونوں افراد کا ذکر مختصراً پہلے آچکا ہے۔ مگر ڈچ مشن کے باقاعدہ قیام کے بعد جو پہلی بیعت ہوئی وہ اس خاتون کی تھی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے بڑے اخلاص سے مشن کا ساتھ دیا۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ

ہالینڈ میں میری آمد اس وقت ہوئی جب کہ پاکستان عالم وجود میں آرہا تھا۔ جماعت احمدیہ کیلئے یہ ایک کڑی آزمائش کا وقت تھا۔ قادیان جو جماعت کا مرکز تھا عملاً اس سے رابطہ ناممکن ہوگیا تھا اور جماعت کا نیا مرکز پاکستان میں ظہور پذیر ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں مالی اور اقتصادی لحاظ سے بھی باہر کے مشنوں کے لئے ایک آزمائش کا وقت تھا اور ذہنی لحاظ سے اپنے آپ کو تیار کیا جارہا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو مرکز پر کسی قسم کا بوجھ ڈالے بغیر خود کام کر کے مشن کو چلانے کی کوئی صورت اگر کی جاسکے تو یہی ایک قابل عمل راہ ہے۔ اس زمانہ میں تو ہمارا لندن کا

مشن بھی خود کفیل نہ تھا اور ان خاص حالات میں ہماری پاکستان کی جماعت کی جو حالت تھی اور جن مشکل حالات میں سے وہ گزر رہی تھی۔ وہ محتاج بیان نہیں۔

ہوا یہ کہ جب یہ خاتون ''رضیہ'' بیعت کی غرض سے آئیں تو بیعت کرتے ہوئے انہوں نے ایک لفافہ مین ایک ہزار گلڈرز کی رقم میز پر رکھ دی۔ اس خواہش کے ساتھ کہ اس رقم کو اسلام کیلئے قبول کر لیا جائے۔ مَیں نے جب اس کیفیت کو دیکھا تو مجھے اتنی بڑی رقم ایک نادار خاتون سے قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور میرے لئے تو یہ حالت بہت ہی غیر متوقع رنگ کی تھی مَیں نے اسے کہا کہ آج کل تو تم خود محنت کر کے اپنا گزارا کرتی ہو خاوند تمہارا ہے نہیں پس انداز کردہ رقم کی تمہیں بہرحال ضرورت ہوگی۔ اس لئے مَیں تو یہ رقم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ نیز مَیں نے اسے کہا کہ ہر چند کہ اسلام قربانی کی تبلیغ کرتا اور اس کی قدر کرتا ہے مگر اسلام یہ نہیں کہتا۔ کہ تم اپنا سب کچھ دے کر خود بھیک مانگنا شروع کر دو۔ اس لئے ساری کی ساری رقم تو مَیں قبول نہیں کروں گا۔ میرا یہ اندازہ دیکھ کر اس خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور رقت کے ساتھ کہنے لگیں کہ مسٹر حافظ مَیں بہت کمزور اور خطا کار ہوں۔ خدا معلوم مَیں نے اپنی زندگی میں اپنے خدا کو کس حد تک بھلائے رکھا ہے۔ اب مَیں ایک نئی زندگی شروع کر رہی ہوں شائد کہ یہ تھوڑی سی پونجی جو ایک عرصہ سے میرے پاس محفوظ ہے میرے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے یہ رقم دراصل اس نے اپنا پرانا قالین بیچ کر حاصل کی تھی جس سے اسے ۱۳۰۰ گلڈرز کی آمد ہوئی۔ اور اس میں سے اب یہ ایک ہزار کی رقم باقی تھی جو اس نے اسلام کے لئے پیش کر دی۔

مَیں نے اس کے خیالات اور جذبات کو دیکھ کر اس سے پھر یہ کہا کہ یہ رقم

اوراس کا پس منظر تمہاری خواہش کے ساتھ مَیں اپنے آقا اور امام حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں اگر وہ قبول فرمالیں تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی۔ چنانچہ مَیں نے یہ سارا واقعہ حضور اقدس کی خدمت میں لکھ دیا۔ حضور کا جواب آیا کہ اگر یہ خاتون پورے اخلاص اور جذبہ سے پیش کرتی ہے تو یہ رقم قبول کر لی جائے۔ چنانچہ مَیں نے یہ رقم مشن کے لئے قبول کر لی جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد اس رقم میں اضافہ کر کے ہالینڈ کی زبان میں پہلا پمفلٹ ڈچ لوگوں کیلئے خوشخبری کے نام سے چند ہزار کی تعداد میں شائع کیا اور پھر اسے ملک بھر میں تقسیم کیا۔ ہمارا طریقہ یہ ہوتا تھا۔ ہم چار پانچ بجے کے قریب ریلوے اسٹیشن سے باہر کھڑے ہو کر جانے والے مسافروں کو یہ پمفلٹ پیش کرتے تھے جو وہ اپنے ساتھ گاڑی میں لے جاتے تھے اور اس طرح ہیگ میں بیٹھے بیٹھے ہمارا یہ لٹریچر ملک کے مختلف حصوں میں پہنچ جاتا تھا۔ اس طریقہ سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔

اسلامی لٹریچر کے ضمن میں ایک اور کتاب ''اسلام'' جو مولانا شمس صاحب کی تصنیف کردہ تھی۔ اس کا ڈچ ترجمہ کر کے شائع کی جو بہت مفید رہی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پھر خدا تعالیٰ نے مکرم جناب درد صاحب کی کتاب ''ارکان ایمان اور ارکان اسلام'' ڈچ ترجمہ کر کے شائع کرنے کی توفیق بخشی۔ مکرم مولانا شمس صاحب کی کتاب ''اسلام'' میں احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں تفصیلی تعارف بھی تھا۔

مشن کے بعض ابتدائی مخلصین

جیسا کہ خاکسار نے عرض کیا ہے کہ ہالینڈ کا مشن 1947ء میں قائم ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ابتدائی چند ماہ کے بعد ہمیں ایک ایسی فیملی میں اور پھر ایسے علاقہ میں جگہ ملی جو مشن کے وقار کے لحاظ سے بفضلِ تعالیٰ ہر طرح موزوں تھا۔ اس لحاظ سے ''خودریس فیملی'' کا نام مشن کی تاریخ میں یادر ہے گا۔ جس نے جرأت کے ساتھ ہمیں وہاں مشن کے کام کو جاری رکھنے اور مشن کے نام کی تختی اپنے دروازہ پر لگانے کی اجازت دی۔ اور یہ صورت حال سوائے درمیانی کچھ عرصہ کے 55ء کے آخر تک قائم رہی صرف یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے ابتدائی دور میں ہی چند ایک ایسے مخلصین عطا کر دیئے جنہوں نے عملاً مشن کا بہت سا بوجھ اپنے اوپر لے لیا اور اپنے مشوروں سے اور عملی مدد سے مشن کی ہر ممکن مدد کی ان میں سے ایک وجود ہمارے ایک نوجون مسٹر عبدالطیف دی لیون کا ہے اور دوسرا مسز ناصرہ زمرمین کا۔ یہ مس ناصرہ زمرمین وہی ہیں جنہوں نے جنگ کے دوران لندن میں مکرم مولانا شمس صاحب کے عہد میں قرآن کریم کا ڈچ زبان میں ترجمہ کیا تھا جو بعد باقاعدہ نظر ثانی کے 53ء میں شائع ہوا۔

مسٹر دی لیون بڑے مخلص نوجوان تھے سول انجینئر نگ کا کورس کرتے تھے اپنے آفس سے وہ دوپہر کے بعد اکثر مشن میں آجایا کرتے اور پھر رات نو دس بجے تک مشن کے ضروری امور مکمل کر کے گھر واپس جاتے۔ ان کی وجہ سے ہمیں ڈچ

زبان کی خط و کتابت رسالہ ''الاسلام'' جو ڈچ زبان میں خاکسار نے 50ء میں شروع کیا اس کی دیکھ بھال میں کافی سہولت ہوگئی۔ ان کے علاوہ پھر خدا تعالیٰ نے بعض اور مخلصین بھی عطا کئے جو مشن کیلئے دن رات ایک کرنے والے تھے ان میں سے ایک ہماری نہایت ہی قابل قدر صوفی خاتون مسز عزیزہ والٹر تھیں۔ پھر دو نوجوان مسٹر خالد براؤن اور مسٹر محمود بیرن ہاؤٹ تھے جنہوں نے رسالہ ''الاسلام'' کو بڑی مدد دی۔ جب یہ نوجوان کسی اور وجہ سے مصروف ہو گئے اور مشن کیلئے زیادہ وقت نہ دے سکے تو اس کی جگہ لینے کیلئے خدا تعالیٰ نے اور نوجوان بھیج دیئے جن میں سے ایک مسٹر ولی اللہ یانسن تھے ان کے بعد خدا نے ایک اور نہایت مخلص نوجوان مسٹر حمید خان درفیلدن عطا فرمائے۔ جو سالہا سال سے بطور سیکرٹری مشن اب تک کام کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک مسٹر عمر تھے جو نہایت ہی مخلص احمدی تھے۔ باغبانی ان کا کام تھا اور یہی جذبہ ان کا مسجد کے باغ میں بھی کارفرما رہتا تھا۔ چندہ میں بہت باقاعدہ تھے ایک دفعہ انہیں اپنے کام سے فراغت ہوگئی تو انہوں نے احتیاطاً چند ہفتوں کا اپنا پیشگی چندہ ادا کر دیا۔ کہ مبادا تنگی کی وجہ سے وہ اپنا چندہ ان ایام میں نہ ادا کر سکیں۔ انہیں ایام کا ذکر ہے ایک دفعہ مَیں نے باغ کی صفائی کے ضمن میں کچھ رقم چپکے سے ان کی جیب میں ڈال دی۔ اور اس خیال سے کہ آج کل وہ بے کار ہیں۔ مگر جب انہیں پتہ لگا تو انہوں نے وہ رقم نکال باہر کی اور کہا کہ اگر آپ میرے مسجد کے کام کا کچھ معاوضہ دینا چاہیں گے تو آئندہ وہ کام ہی نہیں کریں گے۔ بہر حال ہمارے یہ مسٹر عمر Huybrecht مسجد آنے میں خصوصاً باغ کے کام کے لئے ہفتہ کے روز بہت ہی باقاعدہ تھے۔ آندھی ہو یا بارش ہو کچھ بھی ہو وہ مسجد ضرور آتے سوائے اس کے کہ وہ بیمار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہت بہت اجر دے۔ یہ

سارے احباب مشن کی رونق تھے۔ اور مشن کی مساعی میں شوق سے حصہ لیتے تھے بہر حال ایسے مخلصین خدا تعالیٰ ہمیں ہمیشہ دیتا رہا ہے۔ پھر ایک لمبا عرصہ ہمارے سُرینام کے دوست برادرم عزیز جمن بخش صاحب خدمت کرتے رہے۔ پھر ہمارے ڈچ بھائی ہبۃ النور فرحاخن ہیں۔ جو اب جماعت ہالینڈ کے امیر ہیں اور ایک عرصہ سے اخلاص اور محنت سے اور محبت سے خدمات سلسلہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ انہیں بہتر جزا دے۔ آمین

میرے ساتھ ان سب دوستوں کا ایک لمبا عرصہ پندرہ سال سے زائد بڑا ہی مخلصانہ تعاون رہا اور پھر میرے بعد برادرم مکرم مولوی عبدالحکیم اکمل صاحب کے ساتھ بھی وہ اسی خلوص سے کام کرتے رہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ایک اور دوست ''مسٹر ویبر'' ہیں جو گو زیادہ پڑھے لکھے نہیں اور ان کی اہلیہ بھی جماعت میں شامل نہیں مگر یہ دونوں ہی بڑے خلوص سے مشن کے کام کے لئے ہر وقت کمر بستہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے صاحبزادے بھی یہ دوست ربوہ جلسہ سالانہ پر بھی ہو آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت دے۔ ان احباب میں سے بعض کی بیعت اور جماعت کے ساتھ وابستگی نہایت ہی خاص حالات اور ایمان افروز واقعات کی حامل ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ان کے حالات کا جو ہمارے لئے بھی مشعل راہ کے طور پر ہیں۔ اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا جائے۔ مگر یہ ذکر بعد میں کسی وقت کیا جا سکے گا۔ پہلے مشن کے بعض دوسرے ضروری امور کو تحریر میں لانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ احمدیت میں
مشن کی بعض ابتدائی سرگرمیوں کا ذکر

ہالینڈ مشن کی ابتدائی سرگرمیوں کے بارہ میں کچھ تذکرہ تاریخ احمدیت کی بارہویں جلد میں بھی الفضل کے حوالہ سے ملتا ہے گو سرگزشت جو وہاں بیان ہے اس کو بیان کرنا تو کافی طوالت کا موجب ہوگا۔ مگر اس کا کچھ حصہ ممکن ہے احباب کیلئے دلچسپی کا باعث ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

حافظ قدرت اللہ صاحب نے ہالینڈ کی سرزمین میں انوار قرآنی پھیلانے کیلئے اولیں توجہ ہیگ کے مختلف خاندانوں اور شخصیتوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کر کے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ نیز بعد ازاں آہستہ آہستہ ہالینڈ کے دوسرے شہروں اور علاقوں کی طرف بھی تبلیغی سفر کئے اور پیغام حق پہنچایا۔ حافظ صاحب کی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ماہ کے اندر اندر مشرقی ہالینڈ کی ایک مخلص خاتون اسلام کے اندر داخل ہوگئیں۔ جس نے قبول حق کرتے ہی مالی قربانی کا ایسا بہترین نمونہ پیش کیا۔ کہ قرن اول کی مسلم خواتین کی مالی قربانیوں کی یاد تازہ ہوگئی۔

آگے جا کر پھر الفضل کے حوالہ سے ہی جس کی بنیاد خاکسار کی رپورٹ ہی ہے۔ مشن کی مختلف مساعی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

دوسرے ایک دوست مسٹر العطاس ہیں جن کی مدد اور دوستانہ ہمدردی

شروع سے میرے شامل حال رہی۔آپ لائیڈن یونیورسٹی میں تعلیم پاتے ہیں۔ رہائش بھی لائیڈن میں ہے۔آپ کا اصل وطن حضرموت ہے۔مگر آپ کے والد انڈونیشیا میں تاجر ہیں۔مسٹر العطاس کی وجہ سے لائیڈن میں بہت سے تعلقات قائم کرنے کا موقع ملا عرصہ زیر رپورٹ میں بعض دیگر تقاریب میں بھی وقتاً فوقتاً شامل ہونے کا موقعہ ملا۔مگر اپنے طور پر تقاریب منعقد کیں۔اور وہ عیدین کی تقاریب تھیں۔ان دونوں موقعوں کے انتظام میں برادرم مسٹر العطاس نے نہایت اخلاص سے حصہ لیا۔پہلی عید پر تو چھ سات افراد ہی تھے مگر دوسری عید میں چودہ پندرہ احباب شامل ہوگئے ....خدا کے فضل سے یہ اجتماع اچھا کامیاب رہا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 31/دسمبر 1947ء)

مبلغین یورپ کی ہالینڈ میں سہ روزہ کانفرنس

تاریخ احمدیت کی اسی جلد میں (الفضل 29/اگست 50ء کے حوالہ سے) یورپ کے انچارج مبلغین کی سہ روزہ اہم کانفرنس کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ کانفرنس ہالینڈ مشن کے زیر اہتمام ہیگ میں منعقد ہوئی جس میں جرمنی۔سوئزرلینڈ۔ہالینڈ۔ سپین۔فرانس۔اٹلی اور انگلستان کے جملہ مجاہدینِ اسلام نے شرکت فرمائی اور یورپ میں اسلام کی مہم کو تیز کرنے کے سلسلہ میں بعض نہایت اہم تجاویز زیر غور آئیں اور آئندہ کیلئے ایک جامع پروگرام تجویز کیا گیا۔کانفرنس کے آخر میں استقبالیہ دعوت کا بھی اہتمام کیا گیا۔جس میں ہالینڈ کی نامور شخصیتوں اور اعلیٰ سرکاری افسروں کے علاوہ متعدد پاکستانیوں نے شمولیت کی۔چنانچہ ''تاریخ احمدیت'' نے الفضل میں شائع شدہ خاکسار کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ۔

''اس کانفرنس میں یورپ میں کام کرنے والے ہمارے سات مشنوں نے حصہ لیا نمائندہ حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں ۔ برادرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (لندن)، برادرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ (سکاٹ لینڈ)، برادرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب (فرانس)، برادرم عبدالطیف صاحب (جرمنی)، برادرم شیخ ناصر احمد صاحب (سوئزرلینڈ)، برادرم چوہدری کرم الٰہی صاحب (سپین) اور خاکسار ہالینڈ سے۔ علاوہ ازیں اس موقع پر چوہدری عبدالرحمان صاحب (لندن) اکاؤنٹنٹ کی ملاقات بھی مسرت کا باعث ہوئی ۔ ہماری کانفرنس یہاں کے ہوٹل پومونا میں تین روز تک منعقد رہی ۔ کل کاروائی (سب کمیٹیوں کے وقت کے علاوہ) کوئی ۱۶ گھنٹے تھی جو ۶ اجلاس پر مشتمل تھی ۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق برادرم چوہدری ظہور احمد باجوہ سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے اور کانفرنس کے اجلاس، انتخاب کے مطابق مختلف احباب کی صدارت میں منعقد ہوئے ۔ کانفرنس میں تمام مشنوں کے تبلیغی حالات اور مساعی کا ایک جائزہ لیا گیا۔ گزشتہ سال کے فیصلہ جات پر نظر ثانی کی گئی اور اس سلسلہ میں جو امور خاص طور پر قابل توجہ نظر آئے یا جن نئے امور کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی گئی ۔ انہیں سامنے لایا گیا۔ مثال کے طور پر یورپ میں یوم پیشوایان مذاہب کا انعقاد یا ایک ماہوار اعلیٰ انگریزی اخبار کا اجراء وغیرہ۔ ہماری کانفرنس بفضلہٖ تعالیٰ بہر نگ کامیاب رہی اور شامل ہونے والے نمائندگان نے مختلف وجوہ سے اس اجتماع کا فائدہ اُٹھایا۔ خصوصاً تبادلہ خیالات اس پہلو کی رو سے کہ آئندہ یورپ میں تبلیغ کو کس کس رنگ میں کامیاب طریق سے کیا جا سکتا ہے؟ بہت ہی مفید ثابت ہوئی ...... حاضری کوئی ۱۳۰ احباب پر مشتمل تھی جو اچھے تعلیم یافتہ طبقہ سے

متعلق تھی ۔ پاکستانی اور ایرانی منسٹرز کے علاوہ ڈچ ایسٹرن فارن ڈیپارٹمنٹ کے چیف، مڈل ایسٹ براڈکاسٹ محکمہ کے افسر اعلیٰ جاوا کی ایک ریاست کے حکمران اور کئی سوسائٹیوں کے ہیڈز اور سرکاری محکمہ جات سے مختلف افسران اس میں شامل ہوئے ان تمام احباب کی چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی ۔ پریس نمائندگان کی ایک تعداد بھی تھی جنہوں نے اپنے فرائض اچھی طرح انجام دیئے ایک حصہ حاضرین میں سے مستشرقین کا بھی تھا جنہوں نے خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس تقریب میں خاکسار نے پہلے مختصر طور پر احباب کرام کو خوش آمدید کہا جس کے بعد جملہ مبلغین کرام نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ صدارت کے فرائض محترم جناب سید لال شاہ صاحب بخاری نے انجام دیے۔ مسجد کے قیام کے سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کا انعقاد دیر سے زیر غور تھا۔ جسے مبلغین یورپ کی کانفرنس کے موقع پر پورا کرنے کی توفیق ملی ۔ پریس کانفرنس کیلئے جگہ وہی مقرر کی گئی جس میں بعض مبلغین کی رہائش کا انتظام تھا۔ اور اسی ہوٹل میں مبلغین کی تین روز سے کانفرنس بھی منعقد ہو رہی تھی ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جس نے اس کانفرنس کو کامیاب دیکھنے کی توفیق دی ۔ اٹھارہ نمائندگان پریس نے شمولیت کی جو تقریباً تمام ہی کے تمام ایسے تھے جو مختلف ایجنسیوں کے اعلیٰ نمائندے تھے۔ محکمہ براڈکاسٹ کے دو نمائندگان (ورتھ براڈکاسٹ اور محکمہ براڈکاسٹ پاکستان و انڈیا) موجود تھے ۔ نیز یہاں کی بڑی ڈچ نیوز ایجنسی اے۔ ایم۔ پی، رائیٹر، فرنچ اور بلجیئم نیوز ایجنسیز کے نمائندگان کے علاوہ بعض سرکردہ اخبارات کے رپورٹرز بھی موجود تھے جس کے نتیجہ میں ہماری کانفرنس کی خبر دور و نزدیک پھیل گئی۔

کانفرنس کے شروع میں خاکسار نے (یعنی مرتب رپورٹ نے) مختصر الفاظ میں اپنے آنے والے مبلغین کا تعارف کرایا۔ جس کے بعد برادرم شیخ ناصر احمد صاحب نے ہماری تبلیغی مساعی کی غرض وغائت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارا کام اسلام کو صحیح رنگ میں یورپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ نیز یہ کہ دنیا کی موجودہ بدامنی کا علاج اسلامی تعلیم میں مضمر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔

اس مختصر تعارف کے بعد نمائندگان پریس کو موقع دیا گیا کہ وہ اس سلسلہ میں جو جو استفسارات کرنا چاہیں کریں۔ چنانچہ جملہ مبلغین نے اس تبادلہ خیالات اور گفتگو میں حصہ لیا اور یہ کانفرنس کوئی پونے دو گھنٹہ جاری رہی۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صفحہ 164 تا 166)

طریقہ تبلیغ

کسی مشن کے کام کو بالکل ابتداء سے شروع کرنا ایک اہم اور نازک مسئلہ ہوتا ہے۔ اور یہ طریق کار مختلف حالات میں مختلف رنگوں کا حامل ہے۔ ایک طریق کار جو ایک تمدن میں فائدہ مند اور اثر انگیز ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے تمدن میں بھی صحیح ہو۔ مگر ایک چیز جو ہر حالت میں بنیادی اور اہم ہے وہ تعلقات عامہ ہے مَیں نے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال سے خود سنا ہے کہ وہ تبلیغ کے ضمن میں سوشل تعلقات پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ تبلیغ کی کامیابی کے لیے ۷۵ فیصد سے بھی زیادہ ذاتی تعلقات کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تمہارا دیا ہوا لٹریچر بھی کوئی زیادہ فائدہ کا موجب نہیں ہوسکتا۔ پس ضروری امر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ انفرادی طور پر تعلقات رکھے جائیں۔

جہاں تک مشن کی ابتداء کرنے کا تعلق ہے۔ حضرت مولانا نیر صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس جگہ تم نئے طور پر جاؤ، تم پانچ امور کا ضروری خیال کرو۔ وہ اسے "Five P" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ پہلا تعلق تو پاسپورٹ آفس اور اس سے متعلقہ امور کے ساتھ۔ دوسرا پولیس کے ساتھ تعارف۔ تیسرے پوسٹ آفس والوں سے رابطہ چوتھے پریس سے تعلق۔ اور پانچواں فزیشن سے۔ یہ امور بھی بہرحال ضروری ہیں۔

جہاں تک تبادلہ خیالات اور گفتگو کا تعلق ہے ایک چیز جو نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہر چند کہ اپنا مقصود مخاطب پر واضح کرنا از حد ضروری ہے۔ مگر پھر مخاطب کو بات کرنے کا موقع دینا لازمی ہے۔ تا اس مقصود کے بارہ میں مخاطب کا نظریہ بھی واضح ہو اور پھر اس کی غلط فہمی کو مناسب رنگ میں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ بعض دفعہ انسان اپنی رو میں آکر سارا وقت خود ہی لے جاتا ہے۔ اور ایک مسئلہ کو اپنے ہی انداز میں واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ مخاطب کو بعض دفعہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر ہے بیماری کے مطابق علاج ہو تو اس سے وقت اور محنت کی بہت بچت ہو سکتی ہے۔

جہاں تک عملاً تبلیغ کا تعلق ہے۔ ہمارا طریق ڈچ مشن کی ابتداء میں کچھ اس طرح رہا ہے کہ اول جن افراد سے بھی ملاقات ہو۔ ان کا نام و پتہ محفوظ کر لیا جائے اور ان سے تعلق جاری رکھا جائے۔ دوسرا طریق واقفیت کے لئے یہ تھا کہ اخبار سے دیکھ کر کہ ایسی تنظیموں کے جلسے کہاں منعقد ہو رہے ہیں، ان جلسوں میں شامل ہوا جائے۔ تیسرے یہ کہ کسی پبلک جگہ میں کھڑے ہو کر پروقار طریق پر اپنا لٹریچر تقسیم کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ جن سوشل تنظیموں کا ممبر آسانی سے بنا جا سکتا ہو ان کا ممبر بننے کی کوشش کی جائے اور تعلقات کو وسیع کیا جائے۔ پانچویں یہ کہ کوئی جگہ کرایہ پر لے کر

(اگر اپنا مکان ہوتو اور بھی اچھا ہے) باقاعدہ لیکچروں کا یا تبادلہ خیالات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔اور معزز مہمانوں کی تواضع کی جائے۔ چھٹے یہ کہ دوسری تنظیموں یا سکولوں سے تعارف کے لیے ان کے ہاں لیکچر کرنے کی پیشکش کی جائے۔ یہ چیز اگر ہو سکے تو بہت ہی فائدہ مند ہے۔ مجھے یاد ہے کہ مَیں نے اس طریق پر ہالینڈ ملک میں کوئی تین صد سے زائد لیکچرز دیئے۔ بعض سلائیڈز کے ساتھ اور بعض بغیر سلائیڈ کے۔ روٹری کلب میں بھی۔فری میسنز میں بھی۔سکولوں اور کالجوں میں بھی اور ملک بھر کی دوسری تنظیموں میں بھی۔ بہت دفعہ چرچ والوں نے بلایا اور انٹر ریلجس کانفرنسوں میں حصہ لیا ایسے مواقع لٹریچر فروخت کرنے کے لئے بہت موزوں ہوتے ہیں۔

پھر ان سب چیزوں کے ساتھ سب سے ضروری اور اہم چیز دعا ہے۔جس سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔جس سے سب مشکلات آسان ہوسکتی ہیں اور انسان اپنے نیک اور دینی مقصد میں کامیاب ہوسکتا ہے۔اس کے بغیر سارے کام بے کار ہیں پس دعا بھی اولین ذریعہ ہے۔جس سے کوئی مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔اس کے بغیر کچھ بھی انسان کرے وہ بے معنی اور بالکل بے حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دیتا رہے۔آمین

ہیگ میں مسجد کیلئے زمین کا حصول

ڈچ مشن کے قیام کے ضمن میں ایک بات کا ذکر دلچسپی کا موجب ہوگا کہ خاکسار جب حضور اقدس کے ارشاد کے ماتحت ہالینڈ روانہ ہوا تو میرے لئے اس بارہ میں کوئی خاص ہدایت نہ تھی کہ مشن کا قیام کس شہر میں ہو۔ شائد اس وجہ سے کہ اس بات کا جائزہ قصہ زمین برسر زمین کے پیش نظر اس وقت کیلئے مقدر تھا جب مبلغ وہاں پہنچ جائے اور وہ خود حالات کا جائزہ لے کر اس بارہ میں کوئی رائے قائم کرے۔

خاکسار کے قیام کے لئے ہیگ کو مناسب خیال کیا گیا کہ یہ شہر عملاً ملک کا دارالخلافہ تھا اور تمام سفارت خانے وغیرہ یہیں قائم تھے اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا مقام بھی اسی جگہ تھا۔ گو اس بارہ میں کچھ دیر یہاں قیام کے بعد بھی خیالات کا رجحان کچھ اس طرح تھا کہ ایمسٹرڈم اس ملک کا بڑا شہر ہے اور بزنس کا مرکز ہے۔ (گو مذہبی تحریکات کے ساتھ کچھ اس قدر اس کی وابستگی نہیں) دوسرا شہر جو عالمی شہرت کا حامل تھا وہ روٹرڈم تھا۔ یہ ملک کی اہم بندرگاہ ہے اور دریائے رائن کی ساری آمدورفت سمندر تک اسی راستہ سے ہوتی ہے۔ ہر چند کے عالمی شہرت کا حامل ہے مگر اس کی رہائشی طرز بلکہ کسی بھی بندرگاہ کی رہائشی طرز کچھ اپنے ہی رنگ کی ہوتی ہے۔ علمی یا دینی مزاج سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ تیسرا بڑا شہر جو اصل ڈچ علاقہ میں تھا اور ملک کے قریباً وسط میں تھا وہ ''اوترخت'' تھا مگر اس شہر کی کوئی خاص انٹرنیشنل

حیثیت نہیں ہاں لوکل رنگ ضرور ہے۔ چوتھا شہر ہیگ تھا جو اپنی شہرت صفائی اور علمی لحاظ سے اور پھر عملاً دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے ایک خاص طرز کا حامل تھا۔ سرکاری طور پر اور آفیشل طور پر کاغذات میں دارالخلافہ گو ایمسٹرڈم ہی ہے مگر عملی زندگی ساری ہیگ میں تھی اور مذہبی مرکز ہونے کے لحاظ سے بھی موزونیت اسی میں نظر آئی۔ چنانچہ مشن کے مقام کیلئے بھی اس کا انتخاب کرلیا گیا۔ گو یہاں کے لوگ ذرا قدامت پسند ضرور ہیں مگر ویسے اس میں کوئی خرابی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے حضور اقدس کے ذہن میں ایمسٹرڈم کا نام زیادہ اہمیت کے ساتھ تھا۔ اس لئے جب مسجد کیلئے زمین خریدنے کا مسئلہ سامنے آیا اور ہیگ میں زمین خریدنے کے لئے حضور اقدس سے آخری منظوری کا وقت آیا تو حضور اقدس نے اس امر پر کچھ تعجب کا اظہار فرمایا کہ دارالخلافہ تو ملک کا ایمسٹرڈم ہے۔ زمین ہیگ میں خریدی جارہی ہے ان دنوں وکالت تبشیر کا کام مکرم جناب شیخ مبارک احمد صاحب کے پاس تھا۔ چنانچہ فوری طور پر انہیں اس بات کی تحقیق کرنے کیلئے حضور نے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد اور ہالینڈ سے دوبارہ رپورٹ وغیرہ طلب کرنے کے بعد رپورٹ حضور کی خدمت میں پیش کر دی گئی جس پر حضور نے پھر ہیگ ہی میں زمین خریدنے کی منظوری دے دی مگر یہ مسئلہ کچھ وقت دفتر تبشیر کیلئے اور خود میرے لئے کافی طور پر لمحہ فکریہ بنا رہا۔ کیونکہ ہیگ میں زمین کی خرید کا مسئلہ اس وقت سارے منازل طے کر کے آخری مرحلہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایسے حالات میں دعاؤں کی خاص توفیق ملی کہ اے خدا! جس جگہ مرکز کیلئے بہتری ہے۔ وہ ہمارے لئے مقدر فرما دے۔ چنانچہ حضور نے ہیگ کے لئے فیصلہ اور منظوری فرما دی اور اسی میں ہی بظاہر بہتری تھی۔ مشن کے قیام کو آج ۴۵ سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے مگر اس بارہ میں

کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ مشن کسی اور شہر میں ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ گو یہ خواہش ضرور ہے کہ اگر ایک مشن ایمسٹرڈم میں بھی کھل جائے تو کیا اچھا ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ مرکز کے ارشاد کے پیش نظر اس رنگ میں کوشش رہی بھی مگر عملاً کوئی قدم اس بارہ میں اُٹھایا نہ جاسکا۔ ہیگ میں مسجد کی زمین خریدنے کے ضمن میں ہمیں جن حالات میں سے گزرنا پڑا اور جس رنگ میں خدا تعالیٰ نے غیبی طور پر ہماری مدد کی ۔ وہ ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا باعث تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی خدائی ہاتھ اس کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ زمین خریدنے کیلئے سب سے پہلا تعلق تو ہمیں میونسپل کمیٹی سے قائم کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ سارے شہر میں خود بھی کوئی با موقعہ زمین تلاش کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ کمیٹی والوں نے اس کی طرف خاص توجہ بھی دی کہ یہ ملک کی پہلی مسجد تھی جو وجود میں آنے والی تھی۔ انڈونیشیا سے مکرم مولانا رحمت علی صاحب نے مجھے ایک خط لکھا کہ ڈچ لوگوں کا سالہا سال سے ایک خصوصی تعلق انڈونیشیا کے ساتھ رہا ہے جس کی اکثریت مسلمان ہے۔ اس لئے اگر مناسب ہو تو وہاں سے ڈچ حکومت کو ملک ہالینڈ میں مسجد کی زمین کیلئے ''اپروچ'' کریں اور انہوں نے امید ظاہر کی کہ بہت ممکن ہے ڈچ حکومت مسجد کیلئے کوئی با موقع قطعہ تحفۃً ہی مسجد کیلئے پیش کر دے۔ مگر زمین کے حصول کی یہ طرز دور اندیشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی ایسی مناسب نہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ مرکز کے ایماء سے انہیں شکریہ کیساتھ اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا گیا۔

یہاں کمیٹی والوں نے ہمیں بہت سی جگہوں کی نشاندہی کی۔ مگر یہ ساری جگہیں شہر سے ذرا باہر کی طرف یا ایسی جگہیں تھیں جو بر سرِ عام کوئی ایسی مرکزی حیثیت کی نہ تھیں۔ شائد حکومت کی طرف سے عمداً یہ صورت اختیار کی گئی ہو۔ اس

لئے ان میں سے کوئی جگہ بھی ہمیں مسجد کیلئے مناسب معلوم نہ ہوئی۔ آخر اتفاق سے ہمیں پرائیویٹ طور پر اس قطعہ زمین کا علم ہوا جس پر اب مسجد قائم ہے۔ یہ جگہ کسی ضرورت کے ماتحت ان دنوں فوری طور پر نیلام ہو رہی تھی۔ حضور کا ارشاد تھا کہ زمین کی وسعت ہزار مربع میٹر ہو تو مناسب ہے۔ یہ جگہ ہزار سے کچھ کم تھی۔ مگر تھی موزوں جگہ پر۔ یہ کسی پرنس کی رہائش گاہ تھی جس کے گرد باغات وغیرہ تھے اور بہت خوبصورت ماحول تھا۔ اب تو وہاں بہت آبادی ہوگئی ہے۔ مگر کچھ عرصہ قبل تک یہ جگہ شہر کی خوبصورت سیر گاہ تھی۔ بہرحال اس زمین کے مشورہ کیلئے ہم نے بات شروع کر دی اور میونسپل کمیٹی میں بھی اسکی اجازت کیلئے درخواست دے دی۔ مَیں جب ٹاؤن پلینر ''مسٹر باکرسخد'' سے ملنے گیا تو وہ بڑی اخوت سے پیش آئے اور مجھے انہوں نے فرمایا کہ اس زمین کو بے شک حاصل کرلیں اور ہماری طرف سے مسجد کی اجازت ہی تصور کریں۔ مگر مجھے اس زبانی اجازت پر تسلی نہ تھی کیونکہ یہ ایک جماعتی مسئلہ تھا اور میرے اوپر بہت بڑی ذمہ داری آ رہی تھی۔ ڈر بھی تھا کہ آج ہم اس زمین کا سودا کرلیں مگر کل کو مسجد کی تعمیر کی اجازت میں کوئی مشکل رونما ہو جائے تو یہ صورت حال تشویش کا موجب ہوگی۔ چنانچہ مَیں نے ٹاؤن پلینر سے تحریری اجازت پر زور دیا گو انہوں نے پھر مجھے تسلی دلائی کہ My word is my word اور فکر نہ کریں۔ مگر دوبارہ میرے اصرار پر انہوں نے کہا تحریری اجازت کیلئے کچھ وقت کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ معاملہ باقاعدہ میٹنگ میں پیش ہو کر پاس ہوگا۔ تب اس بارہ میں تحریر دی جاسکے گی۔ مَیں نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہم انتظار کرلیں گے۔ چنانچہ مسجد کی منظوری کے حصول میں کچھ دیر لگ گئی۔ مگر انجام کار فیصلہ مثبت رنگ میں ہی انجام پا گیا۔

ہمیں تو اس کاروائی کا کوئی تفصیلی علم نہ تھا کہ ہماری مسجد کا معاملہ کمیٹی کے اجلاس میں بڑی گرما گرم بحثوں کومورد رہا اور یہ حقیقت بعد میں پریس کی خبر سے معلوم ہوئی کہ مسجد کا معاملہ پیش ہونے پر کیتھولک گروپ کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی تھی۔اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ہماری مسجد جس شاہراہ پر واقع ہے اس کے بالکل قریب ہی کوئی سو میٹر کے فاصلہ پر ایک اہم کیتھولک انسٹی ٹیوٹ ہے۔اور پھر اس سڑک پر دوسری جانب ایک بڑا چرچ قائم ہے۔اس لئے کیتھولکس کو یہ خیال پسند نہ آیا تھا کہ ان کے درمیان میں مسجد جلوہ گر ہو کر طلبہ کی اور چرچ کو جانے والوں کی توجہ کی جاذب ہو۔لیکن مسٹر باکر سخند کی پارٹی کا پلہ معلوم ہوتا ہے بھاری تھا۔اس لئے کثرت رائے سے مسجد کی منظوری کا ریزولیوشن پاس ہوگیا۔پریس نے اس ساری کارگزاری کی ایک لمبی تفصیل دی جس سے ہم پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس منظوری کیلئے خدا تعالیٰ نے کس طرح مدد فرمائی۔حقیقت بھی یہی ہے کہ ہیگ مسجد کی جگہ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے بہت ہی اچھے اور خوبصورت کھلے علاقہ میں واقع ہے اور مجھے تو پھر آج تک کبھی بھی اس بارہ میں افسوس نہیں ہوا کہ یہ مسجد ہیگ کے فلاں جگہ ہوتی تو بہتر تھا۔محض اور محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔فشکر اللہ شکراً عظیما۔

مسجد کی تعمیر اور افتتاح

مسجد کی یہ زمین 50ء میں خریدی گئی۔اسی سال محترم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب جو ان دنوں پاکستان کے وزیر خارجہ تھے ہالینڈ میں پاکستانی سفارت خانہ کے قیام کیلئے تشریف لائے۔ان کے ساتھ ائر مارشل ظفر چودھری صاحب بھی تھے۔محترم جناب چودھری صاحب غالباً امریکہ جا رہے تھے۔اس

زمانہ کی یادگار ایک فوٹو بھی محفوظ ہے جبکہ چودھری صاحب کو ہیگ کے ایک ہوٹل میں ہم نے چائے پر بلایا تھا۔اس مجلس میں پاکستان کے پہلے سفیر بھی ہیں اور بعض احباب جماعت بھی۔ ہیگ کے قیام میں حضرت چودھری صاحب نے مسجد کی زمین کے محل وقوع اوراس سے متعلقہ حالات کا جائزہ لیااور اس جگہ کو مسجد کیلئے پسند فرمایا۔ چنانچہ آپ کے خیال سے مَیں نے حضور اقدس کو بھی مطلع کر دیا۔ دراصل ہیگ کی مسجد کیساتھ مکرم جناب چودھری صاحب کا شروع ہی سے ایک خاص تعلق رہا ہے۔ مسجد کی زمین کو بھی آپ نے پہلے ملاحظہ فرمایا۔ پھر مسجد کے نقشہ جات کی تیاری میں بھی کچھ راہنمائی فرمائی۔ جنگ کے بعد یورپ میں یہ ہماری پہلی مسجد تھی جو لندن کے بعد بنائی جا رہی تھی ۔ جماعت کی مالی حالت متقاضی تھی کہ اسے کم سے کم خرچ کیساتھ تعمیر کیا جائے ۔ چنانچہ مسجد اور مشن کی کم سے کم ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسکی تعمیر عمل میں آئی ۔55ء کے ابتداء میں حضور اقدس کے ارشاد کے ماتحت آپ نے ہی اس مسجد کا افتتاح فرمایا۔صرف یہی نہیں بلکہ حضور اقدس کے ارشاد کے ماتحت مسجد کی تکمیل کے بعد بعض حالات کے پیش نظر کوئی چھ ماہ تک اس مسجد کے ایک کمرہ میں رہائش اختیار فرمائی بلکہ آپ کی شادی بھی اسی مسجد سے ملحقہ مشن کے ایک چھوٹے سے کمرے میں ہوئی۔ آپ ان دنوں عالمی عدالت انصاف ہیگ میں بطور جج متعین تھے۔ان دنوں مشن ہاؤس میں مکرم مولانا ابوبکر ایوب صاحب اوراس عاجز کو آپ کے ساتھ رفاقت اور رہائش کی سعادت حاصل رہی اور یہ سعادت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تھی ۔مگر اس عرصہ کے بعد بھی مکرم جناب چودھری صاحب سالہا سال عالمی عدالت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہیگ میں مقیم رہے۔ چنانچہ اس بابرکت عرصہ کا وافر حصہ اس عاجز کو مکرم جناب چودھری صاحب کے قرب کی

سعادت حاصل رہی ۔فالحمدللہ علیٰ ذالک ۔یہ عرصہ ہمارے مشن کی مساعی کیلئے آپ ایسے بابرکت وجود کی وجہ سے بہت بابرکت ثابت ہوا۔

یورپ کی مساجد میں سے لندن کی مسجد کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس مسجد کی بنیاد حضرت مصلح موعودؓ نے خود بنفس نفیس اپنے ہاتھ سے رکھی تھی (یہ 24ء کی بات ہے) یا پھر دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ 55ء میں جب حضور اقدس علاج کی غرض سے یورپ تشریف لائے ان دنوں ہالینڈ کی مسجد زیر تعمیر تھی چنانچہ حضور اقدس نے ان ایام میں کوئی دو ہفتے ہالینڈ میں قیام فرمایا اور اسی دوران زیر تعمیر مسجد میں تشریف لا کر اور مسجد کے حصہ میں کھڑے ہو کر مسجد کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کروائی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک ۔انگلستان کے بعد گویا براعظم یورپ کی یہ دوسری احمدیہ مسجد تھی۔

مسجد کی زمین خریدنے کے بعد ایک اہم سوال یہ تھا کہ یہ زمین احمدیہ مشن کے نام پر رجسٹرڈ ہو۔مگر چونکہ ابھی مشن سرکاری طور پر یہاں رجسٹرڈ نہ تھا اس لئے حضور نے فرمایا کہ فی الحال عارضی طور پر احمدی مبلغ کے نام پر ہی رجسٹرڈ ہو جائے اور پھر جب مشن کی تکمیل ہو جائے تو اسے مشن کے نام منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس درمیانی عرصہ میں یہ زمین اس عاجز کے نام پر ہی رجسٹرڈ رہی اور یہ سعادت اس نابکار کے حصہ میں آئی۔

ڈچ پریس کا ابتدائی ردعمل

ابتداءً جب یہ عاجز اس ملک میں وارد ہوا تو پریس کا ردعمل کچھ ملا جلا تھا۔ گو زیادہ تر پریس کی آواز اچھے رنگ میں اور خوش آمدید طرز کی تھی۔ مگر کیتھولک پریس ایسی وسعت قلبی کے جذبات سے متفق نہ تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر مَیں ایک ہفتہ وار رسالہ ''ٹیموتھیئس'' Timo Thious کا ذکر کرتا ہوں جس نے اپنی جولائی 47ء کی اشاعت میں تحریر کیا کہ ''کیا ہالینڈ کے آسمان پر ہلال اسلامی کا طلوع گوارا کیا جا سکتا ہے؟'' نیز لکھا

''ہمیں ذاتی طور پر مسٹر حافظ سے جو اسلام کی تبلیغ کی غرض سے اس ملک میں آئے ہیں تعرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر ہم ان کو ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے تبلیغی ارادوں کے ضمن میں یہاں کے لوگوں سے کوئی خاص امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر وہ کوئی ایسی اُمید لے کر آئے ہیں تو ہمیں ڈر ہے کہ انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہتر ہے کہ وہ واپسی کیلئے ابھی سے اپنا بستر بوریا باندھ لیں اور واپسی کی ٹھان لیں۔''

یہ آواز ایک کٹر مذہبی گروہ کی تھی مگر بعض دوسرے حلقوں نے اس سے مختلف ردعمل کا اظہار کیا۔ چنانچہ یہاں کا ایک آزاد اور نہایت لیڈنگ ہفتہ وار ''ہاخس پوسٹ'' اپنی 3 جنوری 48ء کی اشاعت میں ''ایشیاء کی بیداری'' کے زیر عنوان لکھتا ہے۔

''یورپ کیلئے ایشیاء کی یہ بیداری بالکل غیر متوقع ہے کہ آج (پہلے

طریق کے برخلاف) مشرق سے اسلام کے مبلغ مغرب کو بھیجے جا رہے ہیں اور جماعت احمدیہ اس کارروائی میں پیش پیش ہے۔"

ہالینڈ مشن کو قائم ہوئے ابھی تین ہی سال کا عرصہ ہوا تھا کہ پریس کے رویہ میں ایک اور اُمید افزا تغیر رونما ہونے لگا اور مشن کا وجود جو پہلے محض ایک خبر کی حد تک تھا۔ اب ایک حقیقت بن کر سامنے آنے لگا۔ چنانچہ ہالینڈ کا ایک مؤقر روزنامہ "دی ایمسٹرڈیمس کورانٹ" اپنی 31 جولائی 50ء کی اشاعت میں چار کالم کی ایک موٹی سرخی دے کر رقمطراز ہے کہ

"آشتی اور تحمل جماعت احمدیہ کا طرہ امتیاز ہے۔ جماعت احمدیہ جہاد کے غلط تصور کی اصلاح کرتی ہے۔ اس کے مشن نہ صرف انڈیا اور ایشیاء میں ہیں بلکہ افریقہ۔ یورپ اور امریکہ میں بھی ہیں۔ نیز لکھا کہ اس جماعت سے وابستہ ہونے والے زیادہ تر پڑھے لکھے مسلمان ہیں جو اس کے لئے دل کھول کر مالی قربانی بھی دیتے ہیں۔"

ڈچ ترجمہ قرآن کریم کا پروگرام

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ صرف تین چار سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کے خیالات میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی اور اس امر کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوئی کہ اس ملک میں خانہ خدا کی تعمیر بھی عمل میں لائی جائے جہاں شمع محمدی کے پروانے اس نور کے گرد جمع ہوں جس کو اس زمانہ کے مسیح نے پھر سے ایک زندگی اور جلا بخشی تھی مگر اسلام کو صحیح رنگ میں روشناس کرانے کیلئے سب سے زیادہ ضرورت اسلامی لٹریچر کی ہوتی ہے۔ چنانچہ مشن کی ابتداء ہی سے اس ضرورت

کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا اور ہزاروں ہزار کتب شائع کر کے لوگوں میں پھیلا دی گئیں مگر اس ضمن میں ایک اہم ترین قدم ابھی باقی تھا یعنی ڈچ ترجمہ قرآن کی اشاعت۔ چنانچہ جنگ کے عرصہ میں انگلستان میں جو ڈچ ترجمہ کی ابتداء ہوئی اس کی تکمیل کا وقت آ گیا۔ اس غرض کے لئے علماء سے اور اہل زبان سے رابطہ قائم کیا گیا اور اس غرض کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذریعہ اس ترجمہ کی نظر ثانی کی گئی اور اس ترجمہ کو ایک نئی شکل دی گئی۔ اور بالآخر 53ء میں یہ اہم اور نہایت مقدس کام رات دن کی محنت کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے انجام پذیر ہوا۔ اس کام میں مشکلات کا سامنا بھی ہوا مگر خدا نے ساری مشکلیں اپنے فضل سے حل کر دیں۔ ہماری خواہش تھی کہ اس ترجمہ کی نظر ثانی مشہور عالم و مستشرق پروفیسر ڈاکٹر کرامرز جو لائیڈن یونیورسٹی میں مشرقی علوم ڈیپارٹمنٹ کے انچارج تھے کے ذریعہ سے ہو جائے۔ یورپ میں مشرقی علوم کے ضمن میں لائیڈن یونیورسٹی کا نام بہت قدر و منزلت کیساتھ مشہور ہے۔ اور ہالینڈ میں یہ رجحان اس لئے بھی قابل ذکر ہے کہ اس ملک کا انڈونیشیا ایسے اسلامی ملک کیساتھ کم و بیش تین سو سال سے قریب کا رابطہ ہے اور یہی پروفیسر کرامرز ہیں جو نئی شائع ہونے والی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی ٹیم کے انچارج تھے۔ اس ٹیم میں انگلینڈ کے پروفیسر ٹریٹن اور پروفیسر گب جیسے مشہور مستشرق بھی شامل تھے۔ مَیں جب لائیڈن میں ان کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوا تو وہ بہت احترام سے پیش آئے۔ بستر علالت پر تھے۔ میری درخواست پر انہوں نے افسوس کیساتھ معذرت کی کہ ان کے پاس اس کے لئے وقت نہیں ورنہ وہ ضرور اس کام کا ذمہ لے لیتے۔ نیز اس بناء پر بھی انہوں نے معذرت کا اظہار کیا کہ وہ خود اپنا ترجمہ قرآن اپنی زندگی میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کا

نصف حصہ تیار پڑا ہے اور نصف ابھی قابل تیاری ہے۔ بہر حال ان سے کوئی گھنٹہ بھر بعض علمی موضوعات پر تبادلہ خیالات رہا۔ بالاخر انہوں نے مجھے پروفیسر مینگ کا نام دیا کہ وہ بھی نہایت اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں شائد وہ اس کام کو کرسکیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہم پروفیسر مینگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ان دنوں احادیث کی ایک اہم اور نہایت جامع قسم کی کلید تیار کرنے میں مصروف تھے۔ اس کلید کی تیاری پر ان سے قبل ایک اور پروفیسر وینگ سالہا سال کام کر چکے تھے اور ۴--۵ جلدیں اسکی شائع ہو چکی تھیں مگر اس دوران ان کی وفات ہوگئی تھی جن کے بعد ان پروفیسر صاحب نے یہ عظیم کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ یہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوا نظر آیا کہ خیال نہیں کہ یہ کام انجام کو پہنچے۔ ہماری درخواست پر کچھ تو انہوں نے اپنی مصروفیات کی بناء پر معذرت کی اور کچھ وسعت قلبی کے فقدان کی وجہ سے۔ کہنے لگے کہ میرے ضمیر کو گوارا نہیں کہ مَیں آپ کی تبلیغ میں اس رنگ میں مدد کروں۔ میں نے عرض بھی کی کہ پہلے بھی تو آپ اسلام کا ہی کام کر رہے ہیں۔ مگر کہنے لگے کہ نہیں وہ اور قسم کا ٹیکنیکل نوعیت کا کام ہے اور یہ براہ راست تبلیغی جہاد ہے۔ بہر حال پھر خدا تعالیٰ نے ہمیں اور کام کرنے والے دے دیئے۔

پروفیسر کرامرز کا نام سامنے آیا ہے تو ایسے نام کے ضمن میں ایک اور بات کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور میں ایک اور مشہور عیسائی مبلغ ڈاکٹر کریمر تھے۔ جو انڈونیشیا میں عیسائیت کی تبلیغ کے مشن کے ساتھ وابستہ تھے اور اس کے بہت ہی سرگرم کارکن تھے۔ وہ ایک دفعہ قادیان آئے اور تفصیل سے ہمارے حالات کا جائزہ لے کر اس خیال کا اظہار کیا کہ

”جو انقلاب قادیان میں اور جماعت احمدیہ کے ذریعہ انہوں نے دیکھا

ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے بانی (حضرت) احمد کوئی بہت ہی قابل قدر اور زبردست انسان تھے۔اس جماعت کا مطمع نظر سراسر تبلیغی ہے۔انہیں سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔''

غرض یہ کہ انہوں نے جماعت کی اسلامی مساعی کے بارہ میں خاصے طور پر قابل تعریف رنگ میں ذکر کیا۔ہم نے ان کے ان خیالات کو ہالینڈ میں اپنے لٹریچر میں بھی جگہ دے دی مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان کے کسی ساتھی نے اس بات سے اطلاع دی کہ آجکل ہالینڈ مشن ان کے خیالات سے اس رنگ میں فائدہ اٹھا رہا ہے تو انہوں نے سوئٹزرلینڈ سے مشن کو فون کیا کہ آپ لوگ ان کے خیالات کو ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔مَیں نے ان سے عرض کی کہ ہم نے ان کے خیالات کو قطعاً کسی غلط رنگ میں توڑ موڑ کر ان کے اقتباس کو پیش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انکے الفاظ کا پورا اقتباس من وعن پوری دیانتداری کیساتھ پیش کیا ہے اور اس میں کوئی حرج کی بات محسوس نہیں ہوتی۔تاہم وہ مصر تھے کہ ہم ان کے خیالات کو اس طرح پیش نہ کریں۔ورنہ ممکن ہے وہ اس بارہ میں کوئی قانونی چارہ جوئی بھی تصور میں لاسکتے ہیں۔بہرحال ہمارا موقف یہی تھا کہ اس کی اشاعت کسی قانونی زد میں نہیں آتی۔اس وقت ان کی عمر کافی ہو چکی تھی اور پھر وہ غالباً سوئٹزرلینڈ ہی میں فوت ہو گئے۔

لائیڈن یونیورسٹی میں بہت عرصہ ہوا ایک بہت بڑے عالم مستشرق پروفیسر ڈاکٹر سنوک ہورخرونیو کا نام خاص طور پر مشہور اور قابل ذکر ہے۔جنکی وجہ سے اس یونیورسٹی کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔یہ پروفیسر بڑی وسعت قلبی کے مالک تھے۔انہوں نے مغربی مستشرقین کے اس نقص کو بھی واضح کیا بلکہ انہیں متنبہ کیا

کہ اسلام کو خواہ مخواہ مطاعن کا نشانہ نہ بنایا جائے اور اس کے نقائص نکال نکال کر ہی نہ پیش کئے جائیں بلکہ اس کی خوبیوں پر بھی نظر رکھی جائے۔ ان پروفیسر صاحب نے حج بھی کیا اور چھ ماہ کا عرصہ مکہ اور مدینہ میں حصول علم کیلئے وہاں بسر کیا۔

ہمیں جب علم ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر کرامرز ان دنوں نئی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تشکیل میں مصروف ہیں تو ہم نے یہ اظہار بھی ان سے کیا کہ جماعت احمدیہ کے بارہ میں بعض معلومات گزشتہ انسائیکلو پیڈیا میں صحیح رنگ میں نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ بہتر ہے آپ اس بارہ میں صحیح معلومات مہیا کر دیں۔ ہم انہیں محفوظ رکھیں گے۔ چنانچہ ہم نے احمدیت کے بارہ میں بعض معیاری کتب کا تحفہ انکی خدمت میں پیش کر دیا۔

مسجد کی تعمیر اور عیسائی دنیا میں گھبراہٹ

1953ء میں ترجمہ قرآن مجید کی اشاعت کے بعد دو سال کے اندر اندر یعنی 45ء میں اس ملک میں احمدیہ مسجد تعمیر ہوگئی۔ جس نے یورپ میں اسلامی تبلیغ کا ایک نیا دروازہ کھول دیا اور یورپ کی اسلامی تبلیغ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ ہیگ کا ایک مشہور روزنامہ ''این۔ ایچ۔ کورانٹ'' اپنی 21 فروری 59ء کی اشاعت میں ہیگ مسجد میں حالت نماز کا ایک بڑا سا فوٹو دے کر لکھتا ہے۔

''یہ فوٹو جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ کراچی۔ قاہرہ یا بغداد کی کسی مسجد کا نہیں۔ بلکہ یہ مسجد خود ہیگ میں ہے اور اس میں جو لوگ نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی یہاں کے ہیں۔ اور پھر لکھتا ہے کہ مسلمان پہلے بھی دو دفعہ یورپ میں آئے ایک دفعہ آٹھویں صدی میں اور ایک دفعہ پندرھویں صدی میں۔ یہ دو دفعہ آمد انکی سیاسی نوعیت کی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ان کی یہ تیسری آمد جو ظہور میں آرہی ہے۔ وہ عقبی دروازے سے ہے اور اس طرف سے انہیں کسی لشکر اور فوج کا سامنا نہیں ہے۔ بلکہ انہیں وہ خالی دل ملے ہیں جن سے عیسائیت عرصہ ہوا نکل چکی ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباس اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ہالینڈ کے لوگ (بلکہ عمومی رنگ میں یورپ کے عیسائی) جماعت احمدیہ کی اسلامی تبلیغی مساعی سے خاصے طور پر متاثر تھے اور سوچنے لگ گئے تھے کہ ان کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ تا یہ اثر پھیلنے نہ پائے۔

مسجد کی تعمیر نے یہاں کے مذہبی حلقوں کو جس رنگ میں متاثر کیا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی کسی حد تک لگایا جا سکتا ہے کہ ہالینڈ ریفارمڈ چرچ کا نمائندہ اخبار Reformade Nederland اپنی 22 جولائی 61ء کی اشاعت میں لکھتا ہے

''مسلم مشن زندہ چرچ کیلئے ایک صحت مند چیلنج ہے'' اور پھر لکھتا ہے'' آج سے دس سال قبل اسی اخبار میں یہ سوال زیر بحث تھا کہ یہ لوگ یعنی احمدیہ مشن والے کس لئے یہاں آئے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان کا کیا کام ہے اور یہ کہ کس نے انہیں یہاں آنے دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر اب حقیقت کھلی ہے کہ یہ لوگ بڑے پکے ارادے سے یہاں آئے تھے اور پورے طور پر سنجیدہ تھے.......... اس بات کا ثبوت واضح رنگ میں اس وقت ملا جب 55ء میں انہوں نے ہیگ میں ایک مسجد تعمیر کر کے رکھ دی۔''

مندرجہ بالا اقتباس یہاں کی اکثریت ریفارمڈ چرچ کے نمائندہ اخبار کا ہے۔ چنانچہ اس کی صدائے بازگشت ہمیں دیگر اطراف سے بھی سننے میں آئی۔ اندرون ملک کا ایک روزنامہ Mass En Boer Bode اپنی 17 اگست 61ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

''صدیوں سے یہ طریق چلا آرہا تھا کہ یورپ کے عیسائی مبلغ دنیا کے ملکوں میں جاتے اور عیسائیت پھیلاتے تھے مگر اب دوسری جنگ کے بعد مشرق سے اسلام پھیلانے کیلئے مبلغ یورپ آنے شروع ہو گئے ہیں اور انہوں نے یہاں متعدد مساجد بنا دیں ہیں۔ چنانچہ ہیگ میں بھی ایک مسجد ہے۔ تبلیغ کا یہ تمام تر کام احمدیہ جماعت کے ذریعہ سے ہے۔ جو 1889ء میں (جس کا مرکز پاکستان ہے) قائم ہوئی۔ یہ واحد منظم اسلامی جماعت ہے جو تبلیغ اور احیائے اسلام کیلئے کام کر رہی ہے

اور اس کا مرکز ربوہ پاکستان میں ہے۔''

ہالینڈ میں ریفارمڈ چرچ کے حامی سب سے زیادہ تعداد میں ہیں اس لئے یہ امر قرین قیاس تھا کہ اس چرچ کی طرف سے جماعت کی مساعی کو خاصی اہمیت دی جاتی اور اس کی مخالفت کی جاتی چنانچہ 58ء میں اسلام کے بڑھتے ہوئے نفوذ کا مقابلہ کرنے کیلئے ریفارمڈ چرچ کے مشہور آرگن S'Gravenhrage Kork Bode نے لکھا:

''ایک عرصہ سے ہمیں اسلام کے ایک فرقہ احمدیہ جماعت کی سرگرمیوں کی وجہ سے اسلام پر اظہار خیال کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

ان ایام میں ریفارمڈ چرچ کی ایک خاص کانفرنس ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں تفصیل کیساتھ اس امر پر غور کیا گیا کہ ''اب عیسائیوں کو اسلام کا کیسے مقابلہ کرنا چاہیئے۔'' اس اہم مسئلہ پر اظہار خیال کا کام اولین طور پر یہاں کے ایک مشہور پادری پروفیسر ڈاکٹر کریمر جو ۳۱ء میں قادیان بھی گئے تھے، کے سپرد کیا گیا تھا۔ پروفیسر موصوف ریفارمڈ چرچ میں ایک سند خیال کئے جاتے تھے۔

انہی سالوں میں ایمسٹرڈم کا ایک مشہور اور کثیر الاشاعت روزنامہ Het Parool اپنی 30 مارچ 62ء کی اشاعت میں ''مشرقی مذاہب کی پیش قدمی اور عیسائیت کو چیلنج'' کا عنوان دے کر تین کالم کی موٹی سرخی جمانے کے بعد ایک لمبے مضمون کے تسلسل میں لکھتا ہے:

''احمدیہ مشن جو ایک اسلامی تحریک ہے چند سالوں سے ہمارے ملک ہالینڈ میں پورے زور سے اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے اور یہی کیفیت بعض دیگر یورپین ممالک کی ہے۔''

ایک روزنامہ Edesche Courant اپنی 11/اکتوبر 58ء کی اشاعت میں یہاں کے لوگوں کو بڑے واضح رنگ میں تنبیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''جماعت احمدیہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کی اشاعت کیلئے بہت روشن مستقبل کے خواب دیکھ رہی ہے اور خاص طور پر یورپ میں۔''

پھر لکھا ہے۔ ''جب تک یورپ پھر سے ایک دفعہ پورے طور پر متحد ہو کر مسلمانوں کے اس محاذ کا جس میں جماعت احمدیہ سب سے قوت والی مشینری ہے ڈٹ کر مقابلہ نہ کرے اس وقت تک یہ سیلاب رکنے والا نہیں۔''

یہاں کی لائیڈن یونیورسٹی مشرقی علوم کی درسگاہ کے طور پر تمام دنیا میں مشہور ہے۔اسی شہر لائیڈن میں عیسائیوں کا ایک اہم مشنری سکول بھی ہے جہاں کے تربیت اور تعلیم یافتہ عیسائی مشنری دورونزدیک بھجوائے جاتے ہیں۔اس مشنری سکول کی ایک اہم کانفرنس 61ء میں ہوئی جس میں یہاں کے ایک مشہور مستشرق ڈاکٹر Dr. Van Leewaen نے بیان کیا کہ گزشتہ وقتوں میں عیسائیت صرف مغربی ممالک تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ مسلم ممالک میں بھی پھیلی مگر اب تصویر کا دوسرا رُخ نظر آ رہا ہے کہ ایک عرصہ سے اسلام احمدیہ تحریک کے ذریعہ عیسائی ممالک میں نفوذ کر رہا ہے بلکہ خود مغربی ممالک میں بھی۔

پھر یہی پروفیسر کالج کے جاری کردہ بلیٹن کی جون 61ء کی جاری کردہ اشاعت میں رقمطراز ہے۔

''احمدیہ تحریک کے نام لیوا بڑی جانفشانی سے اسلام کو دنیا میں پھیلانے میں کوشاں ہیں۔خاص طور پر افریقہ میں۔بلکہ مغربی ممالک میں۔جس میں ہمارا ملک ہالینڈ بھی شامل ہے۔یہاں انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''

ڈچ مشن کے ضمن
میں بعض مقتدر ہستیوں کا ذکر

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ عیسائی مشنوں کے مقابل پر ہمارے تبلیغی پروگراموں کی وسعت اور ٹھاٹھ باٹھ اور ہمارے مشن ہاؤس اور ہماری رہائش کی جگہیں نسبتاً بہت سادہ رنگ کی ہیں اور ظاہری لحاظ سے ایسی شان بان کی حامل نہیں کہ دنیا کی عظیم اور ذی اقتدار شخصیتیں اپنی ظاہری عظمت کی بناء پر انکی طرف رجوع کریں یا ظاہری لحاظ سے اُن کیلئے توجہ کی جاذب ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ ان سادہ حالات میں ہی ہمارے مشنوں کو بہت عزت دے رہا ہے۔ اور اپنی غیبی تائیدات سے نواز رہا ہے چنانچہ ہماری یہ جگہیں ہی بڑے بڑے لوگوں کی آماجگاہیں بن جاتی ہیں مثال کے طور پر مَیں اپنے مشن ہالینڈ ہی کو لیتا ہوں۔ جہاں سالہا سال اس عاجز کو کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ جہاں بعض مسلم ممالک کے ذی اقتدار جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔ پھر مصر کے ایک جج بدوی تھے۔ جو مکرم جناب چوہدری صاحب کو بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کوئی دس پندرہ سال کا عرصہ انٹرنیشنل جج رہے ہیں۔ وہ اکثر مسجد آیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ عزت مآب پرنس فؤاد الفیصل تھے ان دنوں ریاض سعودی عرب کے لارڈ میئر تھے۔ وہ ہالینڈ تشریف لائے تو ہماری مسجد میں بھی تشریف لائے۔ اور بڑی قدردانی

کے خیالات کا اظہار فرمایا۔ان کی قدردانی ان کے اس فعل سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ واپس تشریف لے جا کر انہوں نے ہماری مشن کی لائبریری کیلئے یکصد اسلامی کتب کا تحفہ بذریعہ ہوائی جہاز ہمیں عطا فرمایا۔خاکسار ہی نے ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔اور جماعت کے بارہ میں تعارفی کلمات بھی کہے۔اور قرآن کریم انگریزی اور اسلامی اصول کی فلاسفی عربی کا تحفہ پیش کیا۔جس کا انہوں نے بڑی قدردانی سے جذبات کے ساتھ جواب دیا۔

پھر نائیجریا کے عظیم لیڈر جو نائجیریا کے وزیراعظم بھی بنے۔وہ ہالینڈ آئے تو ہماری مسجد میں بھی تشریف لائے اور گھنٹہ بھر وہاں مصروف گفتگو رہے۔ بہت ہی دین دار اور ہمدرد انسان اور عظیم کردار کے مالک تھے۔ان کے علاوہ ملائیشیا کے عظیم راہنما اور وزیراعظم جناب تنکو عبدالرحمٰن بھی ہماری مسجد تشریف لائے اور وہاں کے احمدی احباب نے ان کا پورے احترام کے ساتھ استقبال کیا۔خاکسار نے ان کی خدمت میں ایڈریس کے ساتھ انگریزی ترجمہ قرآن کریم پیش کیا اور بعض کتب سلسلہ بھی ہدیہ کیں۔جسے انہوں نے بڑی مسرت اور قدردانی کے جذبات کے ساتھ قبول کیا۔اور جماعت کی مساعی کے بارہ میں نہایت اچھے رنگ میں خیالات کا اظہار فرمایا۔انہیں جماعت سے پہلے بھی تعارف تھا۔ایک دفعہ بحرین کے کراؤن پرنس بھی تشریف لائے اور دیر تک تبادلہ خیالات کرتے رہے پھر سعودی عرب کے مذہبی امور کے ایک وزیر تھے۔انہوں نے ایک دفعہ ہمارے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ بہت بڑے عالم تھے۔نماز جمعہ کے بعد خاکسار کی درخواست پر انہوں نے قرآن کریم کے ایک رکوع کی تلاوت سے بھی نہایت اچھے طریق پر ہمیں محظوظ کیا۔انہوں نے نشانی کے طور پر ڈچ قرآن کی خواہش کا اظہار فرمایا۔جو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

بہر حال ہمارے تبلیغی مراکز اور مساجد دنیا کے مسلمانوں میں اور مسلم مقتدر شخصیتوں کے نزدیک ایک بہت اونچا مقام رکھتی ہیں پاکستان کی ہاکی ٹیم ہی کو دیکھ لیں 60ء اور پھر 64ء میں جب اولمپکس گیمز میں انہیں گولڈ میڈل ملے اور اس کے بعد ہالینڈ سے ان کا گزر ہوا تو دونوں مرتبہ وہ جذبات تشکر لئے ہماری مسجد تشریف لائے۔ یہاں پہنچتے ہی ان کو قرار واقعی اعزاز دیا اور شاندار استقبال کیا۔ دونوں دفعہ ان کے اجتماعی فوٹو بھی لئے گئے جو ملک کے پریس میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ شائع ہوئے۔ مجھے چونکہ خود ہاکی کیساتھ بچپن سے لگاؤ رہا ہے۔ اس لئے طبعاً جب بھی پاکستان نیشنل ہاکی ٹیم ہالینڈ سے گزرتی تو ان کے ساتھ ضرور ایک تعلق قائم کیا جاتا۔ اور وہ بھی اس میں ایک خوشی اور مسرت محسوس کرتے۔ ہاکی کے ضمن میں ایک اور خاص واقعہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ 50ء میں جب پہلے پاکستانی چارج دی افیئرز اولین طور پر پاکستانی ایمبیسی کے قیام کیلئے ہالینڈ تشریف لائے۔ تو ان کے استقبال کیلئے یہ عاجز بھی انہیں ایمسٹرڈم ہوائی مستقر سے لینے کیلئے حاضر ہوا تھا۔ میرے سوا اور کوئی پاکستانی شائد یہاں تھا بھی نہیں۔ چنانچہ ہم جب ہوائی مستقر سے بذریعہ کار ہیگ آرہے تھے۔ تو مَیں بھی جناب چارج افیئرز صاحب کے ساتھ اُسی کار میں تھا۔ تو انہوں نے باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھا کہ یہاں کوئی اچھا ہاکی کلب بھی ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ ہیگ میں بلند پائے کا ایک کلب ہے۔ جس میں یہاں کی نیشنل ٹیم کے بھی 4-5 کھلاڑی کھیلنے والے ہیں۔ اس کلب کی روایات بہت اچھی ہیں۔ مَیں بھی اس کلب کے ساتھ وابستہ ہوں۔ اور کبھی کبھی جا کر کھیل بھی لیتا ہوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو اس کلب کیساتھ تعارفی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔ دراصل ہمارے چارج افیئر صاحب خود نہایت اعلیٰ ہاکی کے

پلییئر رہ چکے تھے۔ بلکہ 28ء میں جب ایمسٹرڈم میں گیمز ہوئی تھیں ۔تو اس موقع پر غالبًا انڈیا کی ہاکی ٹیم کے کپتان بھی یہی تھے۔ اس لئے انہیں طبعًا اس مانوس ماحول سے خاصی دلچسپی تھی ۔مگر چونکہ عرصہ ہوا کھیل کا شغل ختم ہو گیا تھا۔ اس لئے اب وہ بات تو نہ تھی ۔تاہم اس سے دلچسپی ضرور تھی ۔جیسے کہ شاعر نے کہا ہے۔

گو یا ہاتھ میں قوت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

بہر حال مَیں نے کلب والوں سے تعلق قائم کیا۔اس کلب کی جگہ ہیگ میں وہ ہے۔ جسے Klein SwitzerLand یعنی ''چھوٹا سوئزر لینڈ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ واقعی نہایت ہی پُر فضا جگہ ہے۔مَیں نے کلب والوں سے کہا کہ اپنے زمانہ میں یہ اپنے ملک کے مایۂ ناز کھلاڑی رہ چکے ہیں۔مگر اب عمر کا تقاضہ اور ہے۔ مگر پھر بھی انہیں ہاکی سے دلچسپی خاصی ہے۔۔آپ کے کلب کے وقار اور شان میں اضافہ ہوگا۔اگر آپ ایک وفد کی صورت میں ان سے ملاقات کریں۔اور انہیں اپنا اعزازی ممبر بنالیں ۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ اعزازی ممبر بن گئے ۔اس کے بعد کلب والوں نے ایک دفعہ ایک شوقیہ ہاکی میچ آپس میں بھی Arrange کیا۔ جو گویا سٹینڈرڈ کے لحاظ سے انکی سیکنڈ ٹیم کے درمیان تھا۔ جس کیلئے کلب والوں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ شوقیہ میچ ہے آپ بھی اس میں شرکت فرمادیں۔ چنانچہ جناب چارج دی افیئرز صاحب نے میچ میں حصہ لینا منظور کرلیا۔ چنانچہ فل بیک کی جگہ انہوں نے اپنے لئے پسند فرمائی کہ اس میں شائد زیادہ Struggle کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے ۔مَیں بھی اُسی جانب ہاف لائین مین کھیل رہا تھا۔ ہوا یہ کہ دو دفعہ تو انہوں نے نہایت اچھے طور پر کوشش کر کے دفاع کیا۔مگر تیسری دفعہ

یہ کوشش ان کے حق میں ایسی پڑی کہ بالکل بے دم ہو کر کلپس Collapse ہو گئے چنانچہ کھیل بند کر دی گئی۔ اور انہیں سٹریچر پر لٹا کر ہسپتال لے جایا گیا۔ جہاں وہ کوئی دو ہفتہ زیرِ علاج رہے۔

دیگر ملاقاتیں

جہاں تک مشن میں خاص وزٹس کا تعلق ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے علاوہ غیر بھی ہمارے مشن آتے ہیں اور مسرت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر جوزف لُنز جو کوئی 15 سال ہالینڈ کے وزیر خارجہ رہے ہیں۔ اور انٹرنیشنل حلقوں میں بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ بھی ایک دفعہ ایک تقریب کے موقعہ پر جو مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی الوداعی تقریب تھی۔ مشن ہاؤس تشریف لائے۔ اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب مجلس سے لطف اندوز ہوئے وہ ان دنوں نیٹو کے جنرل سیکرٹری بھی تھے۔ انہوں نے دورانِ گفتگو جبکہ ہم دونوں مسجد کے دروازے میں کھڑے تھے سوال کیا۔ کہ مسٹر حافظ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اسلام میں دلچسپی لینے والے جو آپ کے حلقہ میں یہاں ہیں وہ زیادہ تر کس گروہ یا کس خیال سے تعلق رکھتے ہیں (ڈاکٹر جوزف لُنز خود کیتھولک مذہب سے تعلق رکھتے تھے) اس لئے مَیں نے ادب کیساتھ اس رنگ میں انہیں کہا۔ کہ اگر آپ واقعی مجھے حقیقت حال کے اظہار کی اجازت دیں۔ تو مَیں یہ عرض کروں گا۔ کہ اکثریت ایسے لوگوں کی کیتھولک خیال سے ہی کچھ تعلق رکھتی ہیں۔ تو وہ میرے اس خیال کو سن کر ذرا چونک پڑے۔ اور تعجب سے پوچھنے لگے۔ کہ اس کیا وجہ ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ دراصل آجکل آزاد خیالی کا دور دورہ ہے۔ ایسے زمانے میں دوسرے لوگ تو مذہب کو کوئی

زیادہ اہمیت ہی نہیں دیتے۔ہاں کیتھولکس کا رنگ مذہب کے بارہ میں کچھ مختلف ہے اس لئے جو لوگ اپنے مذہب کو اہمیت نہیں دیتے وہ دوسرے مذہب کو کیا سمجھتے ہیں۔ ہاں کیتھولک لوگ جب سنجیدگی کے ساتھ اپنے اصولوں پر نظر ڈالتے ہیں اگر کبھی ان کی توجہ اس طرف ہو۔تو انہیں بعض دفعہ اس بارہ میں پوری تسلی نہیں ہوتی۔تو پھر وہ حقیقت کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھتے ہیں۔اس ضمن میں بعض دفعہ اسلام بھی ان کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔بہرحال میرے اس جواب پر انہوں نے آگے کوئی زیادہ بات نہیں چلائی۔اور گفتگو اور طرف نکل گئی۔

ایک دفعہ ایک تقریب میں اتفاق سے ہالینڈ کے پرنس فلپس جو ملکہ جولیانہ کے خاوند ہیں۔ان سے ملاقات ہوگئی۔مَیں نے اپنا تعارف کرایا تو فرمانے لگے کہ کام کس رنگ میں جارہا ہے۔مَیں نے انہیں مختصراً یہی کہا ہے۔کہ بفضلہٖ تعالیٰ بظاہر حالات ہماری مساعی اچھے رنگ میں ہی نتیجہ خیز ہورہی ہیں۔اور اسلام اور عیسائیت کے درمیان Under Standing بڑھ رہی ہے۔اور ایک دوسرے کے بارہ میں جو غلط فہمیاں حائل ہیں ۔ وہ آہستہ آہستہ دور ہورہی ہیں ۔مگر یہ منزل کافی وقت طلب ہے۔

اسی طرح ہالینڈ میں ایک نہایت عمدہ موقعہ انگلستان کی ملکہ ایلزبیتھ کی ملاقات کا بھی پیدا ہوا تھا۔جبکہ کامن ویلتھ کے لوگوں کی طرف سے اُن کے اعزاز میں ایک اجتماع تجویز کی گیا تھا۔ملکہ معظّمہ چلتے چلتے لوگوں سے مصافحہ اور گفتگو کر رہی تھیں۔اتفاق سے مَیں بھی فرنٹ لائن میں تھا۔ابتدائی زمانہ کی بات ہے میری طبیعت پر یہ اثر تھا کہ ملکہ اگر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھائے تو مصافحہ نہ کرنا یہاں کے معاشرہ میں بہت بُرا خیال کیا جاتا ہے چنانچہ اس ایمبر یسنگ Situation سے

بچنے کیلئے ملکہ معظّمہ کے اپنے پاس پہنچنے سے قبل مَیں فرنٹ لائن چھوڑ کر ذرا پیچھے آ گیا۔ تا اس حالت سے دوچار ہونے کی نوبت ہی نہ آئے بہر حال اس امر سے افسوس ہوا کہ یہ اسلام کا نام پہنچانے کا اچھا موقع تھا۔ جو ضائع ہو گیا۔ اگر کوئی ایسا اتفاق ہوسکتا کہ ملکہ سے پہلے مصافحہ کی حقیقت واضح کی جاسکتی۔ تو بہت اچھا ہوتا۔

مصافحہ کے ضمن میں ایک واقعہ اور یاد آ رہا ہے کہ 46-47ء مَیں جب لارڈ ڈیول انڈیا کی وائسرائے شپ سے فارغ ہو کر انگلستان واپس تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں یہاں ایک بہت بڑے وسیع پیمانہ پر اُن کے استقبال کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر ہماری مسجد لندن سے بھی دو تین نمائندگان مدعو تھے۔ دعوت کا یہ وسیع اہتمام ایک بہت بڑے ہال میں تھا اور ہال میں داخل ہوتے وقت آنے والے کا نام پکارا جاتا تھا۔ اندر دروازہ کے پاس لیڈی اور لارڈ ڈیول مہمانوں کو ریسیو کرنے کیلئے کھڑے تھے۔ اور ہر آنے والے کو Greet کر رہے تھے۔ ہم نے داخل ہونے سے قبل یہ اہتمام تو کیا تھا (لیڈی ڈیول کی آگاہی کیلئے) کہ ہم محترمہ موصوفہ سے مصافحہ نہ کرسکتے ہیں۔ ہم افسوس کے ساتھ معذرت خواہ ہیں۔ مگر اتفاق ہے کہ ہمارا یہ پیغام بروقت ان تک نہ پہنچ سکا۔ ہم مسجد سے تین افراد تھے۔ ہم جب ہال میں داخل ہوئے تو سب سے آگے غالباً مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب تھے۔ دوسرے نمبر پر مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ اور تیسرے نمبر پر یہ خاکسار۔ ہمارے داخل ہونے پر جب لیڈی ڈیول نے ہاتھ بڑھایا تو مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب نے طبعاً معذرت کا اظہار کیا۔ ہمیں افسوس ہوا کہ ہماری اطلاع۔ انہیں معلوم ہوتا ہے نہیں مل سکی۔ مکرم چوہدری صاحب نے جب مصافحہ سے دستکشی کی تو لیڈی ڈیول کے چہرہ کی رنگت کچھ بدل گئی مگر

جلد ہی انہوں نے ہماری اسلامی وضع قطع کو دیکھ کر اپنے پر قابو پالیا۔ اور مسکراتے ہوئے احترام کے جذبات کا اظہار کیا۔ مکرم چوہدری صاحب کی جرأت کی وجہ سے ہمارے لئے تو پھر راستہ ہموار ہو چکا تھا۔ مگر ہمیں افسوس ضرور ہوا۔ کہ ہمارا پیغام ان تک بروقت کیوں نہیں پہنچ سکا۔

حکومت نائیجیریا کی طرف سے ایک دعوت

مشن ہاؤس میں معززین کی ملاقاتوں کے ضمن میں بعض افراد کا ذکر تو اختصار سے کیا جا چکا ہے سب کا ذکر تو بہت طوالت کا موجب ہے۔ اور وہ ساری تاریخ بھی ذہن میں محفوظ نہیں۔ مگر بعض افراد خاص طور پر یاد آتے ہیں۔ مثلاً نائیجیریا کے ایک وزیر ڈاکٹر الحاج Adig Benro جو ویسٹرن ریجن میں ہوم منسٹر تھے۔ اور مسلمان تھے۔ وہ ہالینڈ میں ہمارے مشن میں آئے۔ انہوں نے جب ڈچ لوگوں کو مسجد میں دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ عنقریب اب نائیجریا کو آزادی ملنے والی ہے۔ اس موقع پر اگر ممکن ہوا تو میں آپ کو وہاں اپنے ہاں آنے کی دعوت دوں گا۔ چنانچہ 60ء میں انہوں نے گورنمنٹ کی طرف سے بطور رائل گیسٹ خاکسار کو اور خاکسار کی اہلیہ اور مسز زمرمین کو نائیجیریا آنے کی دعوت دی اور فرسٹ کلاس ہوائی ٹکٹ اور 15 روز کا وہاں کا قیام جس کی ساری نگرانی حکومت کی طرف سے تھی کا انتظام کیا۔ اور بہت اعزاز واکرام کا ثبوت دیا۔ یہ نیک دل وزیر صرف اس امر سے متاثر تھے کہ جماعت احمدیہ کس اچھے رنگ میں یورپ میں اسلام کا جھنڈا بلند کئے ہوئے ہیں۔ بہرحال جس رنگ میں انہوں نے اپنے اخلاص اور برادرانہ محبت کا ثبوت دیا۔ اور جس رنگ میں مہمان نوازی کے فرائض انہوں نے انجام دیئے۔ وہ میرے جیسے سادہ طرز کی رہائش رکھنے والے کیلئے ایک خواب کی دنیا کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ فضل اور برکت محض اور محض جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

میرا اور میری اہلیہ کا قیام وہاں ابادن گرین سپرنگ ہوٹل میں تھا یہ لیگوس سے کوئی دو اڑھائی صد میل کا فاصلہ ہے لیکن حکومت کی طرف سے کار اور شوفر اس خدمت کیلئے مامور تھے اس لیے لیگوس اپنے مشن ہاؤس جانے اور وہاں برادرم مکرم جناب سیفی صاحب سے ملنے میں بھی کوئی ایسی مشکل نہ تھی۔ صرف وقت نکالنے کا ذرا کام تھا۔ کیونکہ آزادی کی تقاریب اس رنگ کی تھیں اور اس قدر اہم بھی ہوتی تھیں کہ سارا وقت وہیں صرف ہو جاتا تھا۔ اس کے باوجود دو تین بار لیگوس جانے کا موقع ملا ہر چند کے ہوٹل کی رہائش میں ہر طرح کا آرام تھا۔ مگر پھر بھی وزیر صاحب اکثر حال پوچھنے کیلئے تشریف لاتے۔ کہ کوئی تکلیف تو نہیں۔ ذالک فضل اللہ یوءتیہ من یشاء۔ واپس ہالینڈ پہنچ کر محترم وزیر صاحب کو میں نے شکریہ کا خط لکھا جس کے جواب میں پھر ان کا ایک نہایت خوشکن محبت بھرا خط بھی موصول ہوا۔ فجزاھم اللہ [1]

اس سفر کے دوران ہالینڈ کی محترمہ ناصرہ زمرمان بھی اکثر وقت ہمارے ساتھ تھیں۔ ہمارے ساتھ انہیں بھی نائیجیرین حکومت نے خاص مہمان کے طور پر مدعو کیا تھا۔ کیونکہ مکرم وزیر صاحب ان کی خدمتِ قرآن سے بہت متاثر تھے۔ ان وزیر صاحب کے علاوہ لائبیریا کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر ٹب مین جب ہالینڈ تشریف لائے تو ان کے ساتھ بھی ہمارے قریب کے مراسم رہے۔ اور یہاں ہالینڈ میں خاکسار ہی کو ان کی خدمت میں قرآن کریم کا تحفہ پیش کرنے کی توفیق ملی۔ مکرم مولانا ابوبکر ایوب صاحب بھی موجود تھے بہت شریف النفس انسان تھے۔ یہ تعلقات پھر

[1] ان وزیر صاحب کا کچھ حال اور ہمارے نائیجیریا جانے کا ذکر مکرم برادرم نسیم سیفی صاحب نے الفضل کے اپنے ایک کالم "کاغذی پیرہن" میں بھی اختصار کے ساتھ کیا ہے جو بعد میں دیگر مشفقین کے کالم میں ملاحظہ فرما دیں۔

اور زیادہ بڑھے تو لندن میں مکرم بشیر احمد رفیق صاحب امام مسجد سے بھی تعلق قائم ہوا۔ اور کھانے کی دعوت بھی انہوں نے لندن مسجد میں قبول کی۔ اور پھر انہوں نے مکرم امام صاحب کو اپنے ہاں آنے کی دعوت بھی دی۔ نیز اس کے بعد جب حضور اقدس (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث 1970ء میں) لائبیریا تشریف لے گئے۔ تو پریذیڈنٹ صاحب نے اپنے جملہ وزراء کے ساتھ حضور کا بھی قرار واقعی اعزاز کیا۔

ہالینڈ میں میرے 15-16 سال کے عرصہ میں جس قدر بھی پاکستان کے ایمبیسڈ ز مقیم رہے۔ سارے ہی بفضلہٖ تعالیٰ نہایت محبت اور برادرانہ اسلامی اخوت کے جذبہ سے پیش آتے رہے۔ اور ان سب سے بہت قریب کے مراسم رہے۔ ان میں محترمہ بیگم لیاقت علی خاں صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ ہمیشہ ہی مجھ سے (بطور امام مسجد) بڑے اخلاص سے پیش آئی خصوصاً اپنے خاوند لیاقت علی خان صاحب کی جب وہ ہر سال برسی مناتی۔ جس میں وہ بہت ہی خاص اور اپنے محدودِ چند احباب کو مدعو کرتیں تو وہ اس عاجز کو ضرور مدعو کرتیں۔ اور محترم مرحوم کیلئے دعا کی خاص دعا کرتیں اور یہ چیز ان کے جذبہ خلوص اور ان کے احساسات کی آئینہ دار ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے۔ بیگم لیاقت صاحبہ کے اسلامی جذبہ کے اظہار کی کچھ جھلک مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی کتاب تحدیث نعمت میں بھی بیان کی ہے اس تعلق میں ہمارے مشن کا اور اس عاجز کا ذکر بھی مختصراً وہاں موجود ہے۔

اس موقع پر ایک خاص دوست بڑے یاد آرہے ہیں جو مالی قربانی کا خاص جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ انہیں ایک دفعہ جب علم ہوا کہ ہالینڈ کی مسجد کے میناروں کیلئے ایک بڑی دنیوی شخصیت (جو مسلمان ملک کے بادشاہ تھے) کے پاس جو امداد کیلئے درخواست کی گئی تھی اس کے متعلق ہمیں مایوس کُن جواب ملا ہے تو اس مخیّر اور

مخلص دوست کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس ''مایوسی'' کو بے دست و پا ہو کر یونہی برداشت کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے جذبہ کے ساتھ یہ اظہار کیا کہ ہر چند کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں اور وہ شان نہیں رکھتا جو ''فلاں بادشاہ'' کی ہے اور نہ مالی لحاظ سے میرا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی ہے۔ مگر مَیں کوشش کروں گا کہ اس کی ضرورت کو اگر پورے طور پر نہیں تو ایک حد تک ضرور پورا کر سکوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی محدود آمد سے اس کام کیلئے قربانی کی اور اس غرض سے کچھ رقم پیش کر دی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ بہر حال خدا کے کام جو ہوتے ہیں وہ ہو کے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے اور دروازہ بلکہ بہت سے دروازے کھول دیئے کہ اس کے بعد ہمیں جماعت کے باہر سے اتنی رقم آئی اور خدا تعالیٰ نے اتنا فضل کیا کہ اس کے آمد سے سارے اخراجات نکال کر اور میناروں کی تعمیر اور تکمیل کے بعد بھی ہمارے پاس کوئی تیس ہزار گلڈرز کی رقم بچ رہی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس رقم کے بارہ میں مرکز کو اطلاع دی گئی کہ ہمارے پاس اسقدر رقم موجود ہے چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق پھر اسے مشن کے حساب میں جمع کر دیا گیا۔ یورپ میں اسلام کی اس رنگ کی ابتداء اور ایسے مخلصین کا وجود گو بظاہر بہت معمولی اور بے حقیقت سی بات ہے۔ اس انقلاب عظیم کے مقابلہ میں جو ہمارا مقصد ہے۔ مگر یہ ابتداء بھی اب اس حالت میں ضرور ہے کہ مخالفین اور اغیار اسے محسوس کرنے ضرور لگ گئے ہیں چنانچہ ہیگ کا ایک کثیر الاشاعت مذہبی اخبار Nieuwe Haegscle Courant جو روزنامہ ہے اپنی 20 ستمبر 1958ء اشاعت میں عنوان باندھتا ہے ''مغربی یورپ میں اسلامی مہم کا آغاز'' اور جو لکھتا ہے:

''گزشتہ 11-12 سال کے عرصہ میں یورپ میں کسی خاص بڑی تعداد

میں اسلام کو عملاً تو قبول نہیں کیا مگر یہ حقیقت نظر انداز بھی نہیں کی جاسکتی کہ اس عرصہ میں جماعت احمدیہ کی کوششوں سے ایک بھاری تعداد اسلام سے ہمدردی رکھنے والوں کی ضرور پیدا ہوگئی ہے۔''

اسی طرح ہالینڈ کے مختلف اخبارات نے ایک مرتبہ ''ہلال اسلامی یورپ کے افق پر'' کے موضوع پر اس خیال کا اظہار کیا کہ یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے کچھ بیزار ہو رہا ہے اور اسکے نتیجہ میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام یورپ میں اتحاد کا علَم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان طبقہ یا اس کا کچھ حصہ اس کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ اس بہاؤ کو روکنے کے لئے جس کا سب سے طاقتور انجن جماعت احمدیہ ہے ان کی راہ میں ایک ستون گاڑھنا ہوگا۔''

یہ حالات خدا تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی تبلیغ کے ضمن میں ہمارے لئے بہت امید افزاء ہیں۔

اسلام کے متعلق غلط تصور کی اصلاح

مغربی دنیا میں تبلیغ کا کام دراصل مختلف پہلو اپنے اندر رکھتا ہے ہمارے لئے جہاں قرآن کریم کی اشاعت اہم ہے وہاں تفصیلی طور پر اپنے فرائض۔ عقائد۔ اسلامی تعلیمات اوران کی حکمتوں اور فضیلتوں کو عام فہم رنگ میں بیان کرنا بھی ازحد ضروری ہے۔ پھر ہمارے لئے اس امر کی اشاعت بھی ازحد ضروری ہے کہ ہم حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا اور آپ کی ذات کا صحیح تصوران لوگوں کے سامنے پیش کریں اس میں شک نہیں کہ ہم ان کے عقائد کا سُقم اوران کا غلط ہونا بھی ان پر واضح کریں مگر ضروری امر یہ ہے کہ ہم اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کریں اوران کے غلط تاثرات کو ازالہ کریں۔.........اس ضمن میں ہماری حقیر مساعی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو نتیجہ پیدا کررہی ہیں ان کی کچھ حقیقت پریس کے مندرجہ ذیل ایک اقتباس سے کسی قدر واضح ہو جاتی ہے۔ لائیڈن یونیورسٹی کے طلباء کا ایک اخبار Het Uiltye اپنی فروری 62ء کی اشاعت میں امام مسجد ہالینڈ یعنی اس عاجز کے ایک لیکچر کے ضمن میں جو لائیڈن یونیورسٹی میں ہوا لکھتا ہے۔ اس لیکچر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایسا نا قابل توجہ مذہب نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہاں ایک نہایت Active جماعت احمدیہ کا مشن اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے۔

اسی طرح ایک روزنامہ Leeuwarder Courant اپنی

21 جولائی 62ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے۔ کہ ''احمدیہ تحریک کو ہم اس دقیانوسی اسلام پر قیاس نہ کریں جس کا تصور عام طور پر عرب ممالک کے متعلق ہمارے ذہنوں میں ہے۔ بلکہ یہ تحریک ایک نئی جماعت ہے جس کی بنیاد اسلام پر ہے تمام اسلامی دنیا میں یہ ایک خاص تحریک اور تنظیم ہے جو Active طور پر اسلام کی تبلیغ کا کام کر رہی ہے'' اسی طرح لائیڈن کا ایک اخبار Forum Academial کا اظہار بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو اپنی 29 جون 62ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

''ایک عام یورپین کے ذہن میں مسلمانوں کا جو تصور ہے کہ گویا وہ ایک جنگ جُو انسان ہوتا ہے۔ ریت سے ہاتھ صاف کرتا ہے (غالباً تیمّم کی طرف اشارہ ہے) سؤر کے گوشت سے اجتناب کرتا ہے۔ سر میں ایک بڑی پگڑی ہوتی ہے۔ عورت کو بہت چاہتا ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ تصور یک دفعہ بدل جاتا ہے۔ اگر ایک شخص ہالینڈ میں کام کرنے والے احمدیہ مشن سے تعلق قائم کرے۔ یہ مشن تلوار سے اسلام پھیلانے کا قائل نہیں ہے۔''

آخر پر ایک اور اہم اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے کسی قدر واضح رنگ میں اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ہماری بے سروسامانیوں کے باوجود ہماری نہایت ہی حقیر کوششوں کو اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ آج سے دس سال قبل جس مذہبی گروہ نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ احمدیہ مشن کے اثر کو کم تر کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی جائے۔ آج وہی گروپ ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔ چنانچہ مشہور پادری ہالینڈ کا Dr.Van Lecuwere ریفارمڈ کے سالانہ اجلاس میں (بمطابق اخبار Trouw 27 اپریل 60ء) علی الاعلان اس حقیقت کا اور اس ضرورت کا اظہار کرتا ہے کہ

"احمدیہ مشن جو ہمارے ملک (ہالینڈ) میں اسلام کی تبلیغ کیلئے کوشاں ہے۔ اور جن کی ہیگ میں مسجد بھی ہے۔ چاہیئے کہ اس سے یہاں کا ریفارمڈ چرچ باقاعدہ تعلق قائم کرے اور بات کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے۔"

اس ضمن میں یورپ بلکہ دنیا کے پریس کے بہت سے اقتباسات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر مَیں اپنے حالات کے تعلق میں صرف ان اقتباسات کو ہی سامنے لا رہا ہوں۔ جو میرے ہالینڈ کے زمانہ کے ساتھ خاص طور پر متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقیر مساعی کو اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ اور ان کے بہتر اثرات مرتب فرمادے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہالینڈ مشن کی جانب سے بہت سا مفید لٹریچر وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہاہے۔ پمفلٹس وغیرہ کی تعداد تو بے شمار ہے۔ معیاری لٹریچر میں سرِفہرست قرآن کریم کی ڈچ زبان میں اشاعت اس عاجز کے زمانہ میں اولاً مکرم مولانا شمس صاحب کی کتاب اسلام۔ پھر مولانا درد صاحب کی کتاب عقائد اسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں پھر مولانا شمس صاحب کی کتاب "مسیح کہاں فوت ہوئے" ڈچ زبان میں شائع ہوئی۔ جو بہت مقبول ہوئی۔ ایک کتاب جس کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کی جارہی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری بھی تھی۔ چنانچہ اس عاجز نے "لائف آف محمدؐ" کے نام سے ایک کتاب تیار کی۔ جو کوئی ڈیڑھ صد صفحات پر مشتمل تھی۔ جس میں احادیث کا مجموعہ بھی شامل تھا۔ یہ کتاب اسلام اور بانیٔ اسلام کو متعارف کرنے میں بہت ہی ممد ثابت ہوئی۔ پھر اسلامی تعلیمات پر مشتمل جس میں عیسائی تعلیمات پر تبصرہ تھا۔ جس کی ضرورت تبلیغ کے ضمن میں از حد محسوس کی جارہی تھی یہ کتاب بھی خاکسار نے ڈچ زبان میں تیار کی۔ پھر مشن کی مساعی کے

ضمن میں 10-15 سالہ تبلیغ کا ایک سرسری جائزہ جس میں آخر پر بعض فوٹوز بھی دیئے گئے ۔ عام معلومات کیلئے بہت مفید ثابت ہوا۔ یہ پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ نیز ایک اور ڈچ رسالہ جو حالات کے پیش نظر از حد ضروری تھا ''مسیح صلیب پر نہیں فوت ہوئے'' وہ بھی شائع کیا گیا۔ پھر مسجد کو متعارف کرانے کے لئے ایک رنگین پوسٹ کارڈ جو ہماری یورپ کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا وہ بھی اس عاجز کے ذریعہ انجام پذیر ہوا۔ یہ پکچر پوسٹ کارڈ سات ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ وہ دوستوں نے شوق سے خریدا۔ اور احباب کو تحفتہً دیا۔ پھر مشن کیلئے علاوہ دیگر لٹریچر اور پمفلٹس جو وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ایک ماہوار ڈچ رسالہ کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ چنانچہ خاکسار نے 50ء میں اس رسالہ کی جس کا نام AL-Islam تجویز کیا گیا۔ ابتداء کی ۔ سوائے ایک تھوڑے سے وقفہ کے یہ رسالہ اب تک جاری وساری ہے۔ پہلے مالی مشکلات کے پیش نظر سائیکلو سٹائیل کیا جاتا تھا۔ اب یہ رسالہ بفضلہٖ تعالیٰ پریس میں چھپ کر ہالینڈ کے مذہبی حلقوں میں اور احباب جماعت کو پہنچتا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

تبلیغ کا ایک ذریعہ لیکچرز بھی ہیں ۔ چنانچہ ایک نہایت محتاط اندازہ کے مطابق اس عاجز نے اپنے عرصہ قیام میں کوئی تین صد سے زائد لیکچرز ہالینڈ میں دیئے ۔ جن میں نصف سے زیادہ سلائیڈ ز کے ساتھ تھے ۔ جو بہت دلچسپی کا باعث ہوتے رہے ۔ لیکچروں کے بعد عام طور پر لوگوں کا رجحان اسلامی کتب اور اسلامی لٹریچر خریدنے کی طرف ہوتا۔ چنانچہ اس موقعہ پر کثیر تعداد میں لٹریچر فروخت ہوا۔ تمام لیکچروں کے بعد سوالات کا اور تبادلہ خیالات کا موقعہ بھی ہوتا۔ جو اکثر طور پر بہت مفید رہتا ہے ۔ یہ لیکچر اپنی مسجد میں تو ہوتے ہی تھے ۔ مگر کثیر تعداد میں یہ

لیکچر دیگر تنظیموں کی دعوت پر ان کے ہاں جا کر دیئے جاتے اور بیسیوں کی تعداد میں یہ لیکچر روٹری کلبز۔فری میسنز ایسوسی ایشنز۔ چرچ کی تنظیمیں۔کالجوں اور سکولوں میں دیئے جاتے۔پھر ہر شہر بلکہ ہر گاؤں میں جہاں اظہار خیالات کیلئے تنظیمیں ہوتی ہیں اور ہر مہینے بعض دفعہ ہر ہفتے ان کے اجلاس ہوتے ہیں۔ان کی دعوت پر سارے ملک میں بھی جانا پڑتا تھا۔

اس کے علاوہ ریڈیو پروگرام میں بیسیوں دفعہ حصہ لینے کا موقع ملا۔اور کم ازکم ایک درجن دفعہ تو T.V پروگرام میں بھی حصہ لیا۔اور اخبارات اور پریس میں تو سینکڑوں دفعہ بیانات اور تفصیلی انٹرویو شائع ہوئے۔چنانچہ کٹنگز جو ہمیں میسر آسکے اُن میں سے 5-7 البم پُر ہیں اور ان کا ریکارڈ مشن میں موجود ہے۔جن امور کی تصاویر کیساتھ کثرت سے پریس میں اشاعت ہوئی ان میں مسجد کی تعمیر۔قرآن کریم کی اشاعت۔حضور اقدس کی ہالینڈ میں آمد۔پرنس فواد الفیصل کی مسجد میں آمد۔اس طرح تنکو عبدالرحمان۔پریذیڈنٹ ٹب مین کی آمد۔پاکستان ہاکی گولڈ میڈلسٹ کی مسجد میں دو دفعہ آمد اور ریسپشن۔مکرم جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تقریب وغیرہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک مخلص خاتون کا ذکرِ خیر

جہاں تک ہمارے ڈچ احباب کے اخلاص اور قربانیوں کا تعلق ہے وہ بھی کم ایمان افروز نہیں۔ ہماری ایک بہن اور مخلص خاتون ''عزیزہ والٹر'' تھیں جو 75 سال کی عمر پا کر 67ء میں فوت ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی دیندار اور نیک خاتون تھیں۔ روحانی رنگ غالب تھا۔ مستجاب الدعوات اور صاحبۂ رویاء اور کشوف تھیں۔ نمازوں کا التزام بہت باقاعدگی کے ساتھ تھا۔ مسجد کے ساتھ انہیں ایسا لگاؤ تھا کہ کہا کرتی تھیں۔ کہ مسجد میں مجھے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ مَیں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد میں آکر عبادت اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ میں گزاروں۔ ان کی عملی زندگی فی الواقع اس حدیث کی جیتی جاگتی تصویر تھی کہ ایک مومن اور مسجد کا تعلق ایسے ہوتا ہے۔ جیسے مچھلی اور پانی کا تعلق ہے۔ جس طرح ایک مچھلی پانی سے باہر سکون نہیں پکڑتی اور بے قرار رہتی ہے۔ اس طرح ہماری بہن عزیزہ کو بھی مسجد کے بغیر چین اور سکون نہ تھا۔ وہ ہر وقت ایسے موقع کے انتظار میں رہتیں کہ کب ان کیلئے مسجد آنے کا موقع پیدا ہو۔ آج وہ ہم میں موجود نہیں۔ مگر ان کے اوصاف حمیدہ۔ ان کا تصوف، انکی نیکی، انکی مسجد سے محبت اور جس محبت سے انہوں نے ہماری مسجد کو سجایا اور مزین کیا۔ یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں 56ء کا زمانہ وہاں کے حالات کے باعث ہماری جماعت کے لیے

ایک آزمائش اور ابتلاء کا زمانہ تھا۔مگر اس وقت بھی پورے طور پر ثابت قدم رہیں اور اپنے پاؤں میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی۔انہوں نے اپنے مسجد کے تعلق کو اس مضبوطی کے ساتھ قائم اور استوار رکھا جو دراصل انہی کا حصہ تھا اور پھر اس تعلق کو آخر دم تک خلوص اور نیت کے ساتھ انجام دیا۔بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی ذاتی خوبیاں اور جن کے احساسات محض اپنی ذات تک محدود ہوتے ہیں۔دوسری باہر کی دنیا یا ماحول سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔مگر اس خاتون۔ہاں ولی اللہ صفت خاتون کو جو محبت اسلام سے۔مسجد سے اور قرآن پاک سے تھی اور جس محبت کے تاثرات کو اور اس فیضان کو وسیع کیا ہے۔وہ اثرات بھی مشن کیلئے کوئی کم نہیں۔ان فیوض کو دیکھ کر ان کے لئے ہمیشہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان نیکیوں کی بہتر جزا عطا فرمائے اور اپنے قرب میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔آمین

انہوں نے اپنے فارغ اوقات میں جماعت کے انگریزی لٹریچر کو خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو اور احادیث نبویہ کو جس وسعت کیساتھ ڈچ زبان میں ترجمہ کیا ہے اس کی مثال کہیں دوسری جگہ کم ملتی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے سینکڑوں صفحات انہوں نے ترجمہ کر ڈالے۔جو وقتاً فوقتاً مشن کے کام آتے رہے ہیں۔اور ابھی بہت سا مواد ایسا پڑا ہے جو اپنے وقت پر کام آتا رہے گا۔مجھے یاد ہے ایک دفعہ مَیں نے ان سے ذکر کیا کہ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم احادیثِ رسولؐ کا ایک مجموعہ ترتیب دیں۔کم از کم ایک ہزار احادیث اگر شائع ہوسکیں تو جماعت کی تربیت کرنے کیلئے یہ چیز بہت مفید رہے گی۔چنانچہ مَیں نے جناب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی کتب سے اور بعض اور جگہوں سے احادیث کا انتخاب کیا۔جسے نہایت ہی قلیل عرصہ میں انہوں نے ڈچ زبان میں ترجمہ کر دیا۔ان

کا یہ قابل قدر کام اب بھی مشن کے پاس محفوظ ہے۔ جس سے وقتاً فوقتاً فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور مرحومہ کیلئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس قسم کا سارا کام وہ دلی شوق سے انجام دیتیں۔ اور اس ضمن میں وہ کبھی ''شکریہ'' کے لفظ سننے کیلئے بھی تیار نہ تھیں۔ میں نے اگر کبھی ایسا اظہار کرنا بھی چاہا تو مجھے انہوں نے یہ کہتے ہوئے روک دیا۔ کہ اس کام کیلئے درا صل مجھے آپ کا اور مشن کا ممنون ہونا چاہیئے۔ کہ میرے لئے اس خدمت کا موقعہ پیدا ہوا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ انہیں ایسی خدمت کی توفیق ملی۔

مرحومہ کی طبیعت تصوف کے خیالات کی طرف خاص طور پر مائل تھی۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات اُن کے خیالات اور ان کے عقیدت بھرے جذبات کا محور تھی۔ چنانچہ تراجم کے کام کا وہ حصہ جو انہوں نے انجام دیا اس میں ایسے ہی انتخاب کا رنگ غالب ہوتا۔ اور وہ اسے شوق اور محبت سے انجام دیتیں۔

قرآن کریم سے جو ان کا عشق تھا وہ بھی اس وجہ سے تھا کہ وہ اس پاک ذات کا کلام ہے اور حضرت مسیح موعودؑ اور رسول اکرمؐ کے کلام سے بھی انہیں اسی وجہ سے محبت تھی کہ اس پاک کلام کے آئینہ میں بھی اسی واحد و یگانہ کا چہرہ جلوہ گر انہیں نظر آتا تھا۔ وہ اکثر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتیں۔

ہماری مرحومہ بہن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نفاست پسند طبیعت عطا فرمائی تھی۔ وہ ہمیشہ صاف ستھرے اور اکثر سفید رنگ کے کپڑے پہنتیں۔ ڈرائینگ اور پینٹنگ کا بھی انہیں شوق تھا۔ ہاتھ میں صفائی بھی تھی۔ چنانچہ اس شوق کو زیادہ تر انہوں نے دینی رنگ میں ہی استعمال کیا۔ مسجد اور مشن کی دیواروں پر آویزاں کرنے کیلئے بہت سے قطعات عربی زبان میں نہایت خوبصورت رنگوں کے ساتھ

انہوں نے تیار کئے۔ان رنگوں میں سبز رنگ غالب ہوتا تھا۔اور جب ''اللہ'' کا لفظ لکھنا ہوتا۔تو اس کو اور بھی نمایاں کر کے اور سنہری رنگ کے ساتھ وہ اسے مزیّن کرتیں۔یہ انکی محبتِ الٰہی کا آئینہ دار تھا۔ایسے قطعات اکثر و بیشتر قرآنی آیات اور دعاؤں پر مشتمل ہوتے۔اوران کا یہ فیض صرف ہالینڈ کی مسجد اوراس کے مشن کے در و دیوار تک ہی نہ محدود رہا۔بلکہ اس کا دائرہ یورپ کی دیگر مساجد تک بھی وسیع ہے۔اس کام پر لازماً انہیں اپنی جیب سے بھی خرچ کرنا پڑتا۔(ان کی اپنی آمد بہت ہی محدود تھی)مگراس کے باوجود وہ خوش تھیں کہ انہیں خدا کے گھر کو سجانے اور مزیّن کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ان کے لکھے ہوئے قطعات خود لندن مشن میں بھی دیکھے تھے۔مَیں ایک دفعہ جب پاکستان روانہ ہونے لگا تو انہوں نے خاص طور پر مجھ سے پوچھا کہ مَیں آپ کے لئے کیا چیز تیار کروں۔چنانچہ میری خواہش پر انہوں نے مسجد ہالینڈ بڑے سائز پر نہایت عمدہ رنگ میں پینٹ کر کے مجھے پیش کی اور ایک دومزید قطعات بھی دیئے۔ہماری مسجد ہالینڈ کی تزئین تو اب کئی سال بعد بھی پوری شان کے ساتھ قائم دائم ہے اوران کی یہ یاد عرصہ تک قائم رہے گی۔ہماری بہن نے مہینوں محنت کر کے مسجد کو قرآنی آیات کے زیور سے آراستہ کیا اور محراب کے حصوں کو ایسا خوبصورت بنایا کہ انسان دیکھتے ہی اس کا گرویدہ ہوجائے۔مسجد کے درمیانی حصہ میں محراب کے اوپر(میرے بھی مشورہ سے)ایک خوبصورت منقش چوکھٹے میں کلمہ طیبہ رقم ہے اوراس کے نیچے نقش ونگار کے اندر اللہ اور محمد ﷺ کے نام منقش ہیں جو بہت دیدہ زیب معلوم ہوتے ہیں۔اور مسجد کی چاروں کھڑکیوں کے اوپر کی جانب ارکان اسلام۔یعنی نماز۔روزہ،حج اور زکوٰۃ پر مشتمل قرآنی آیات مرقوم ہیں۔اسی طرح مشن کے انٹرنس ہال میں دیگر آیات قرآنی کے علاوہ نہایت

نمایاں طور پر ان الدین عند اللہ الاسلام (جوانکی خواہش پر مَیں نے ڈرائنگ کئے تھے) کے خوبصورت نقوش ہیں۔ جو ہماری اس مرحومہ بہن کی یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین۔

مرحومہ ایک دفعہ اپنی آخری بیماری کے ایام میں بڑی مشکل سے نماز جمعہ کیلئے مسجد آئیں اور نماز کے بعد بڑے خلوص بھرے جذبات سے ایک قطب نما جو ایک خوبصورت رومال میں لپٹی ہوئی تھی مجھے تحفۃً دی کہنے لگیں کہ یہ قطب نما مجھے بہت عزیز تھی کہ نماز کیلئے قبلہ رخ تلاش کرنے میں مجھے اس سے بڑی سہولت ہوتی ہے۔ اب مَیں اپنی عمر کے آخری مراحل طے کر رہی ہوں اور آپ بھی عنقریب پاکستان جانے والے ہیں مَیں یہ قبلہ نما آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں کہ اس سے آپ کو میرے لئے دعا کی تحریک ہوتی رہے۔ مرحومہ خود بفضلہٖ تعالیٰ بہت دعا گو اور مستجاب الدعوۃ تھیں بسا اوقات مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو (محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے علاوہ) مرحومہ بہن کو خاص طور دعاؤں کیلئے عرض کرتا اور مرحومہ بڑی محبت اور اخلاص کے جذبات کیساتھ میرے لئے دعا کرتیں اور اس کے بعد اگر کوئی تفہیم وغیرہ ہوتی تو اس کا بھی ذکر کرتیں اور تسلی دیتیں۔ آج بھی ان کی نیکیاں اور ہمدردیاں یاد آتی ہیں تو طبیعت بے چین سی ہو جاتی ہے دل نہیں چاہتا کہ ایسا وجود ہم سے جدا ہو جائے۔ ایک دن مَیں نے ان سے کہا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ مَیں جب ربوہ جاؤں تو آپ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤں کہ وہاں کی فضا آپ کیلئے بڑی تسکین اور راحت کا باعث ہوگی۔ فرمایا کہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے مگر دوسرے حالات مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہے۔ مرحومہ دراصل دل سے چاہتی تھیں کہ اپنی زندگی کے آخری ایام ربوہ کے روحانی ماحول میں گزاریں

مگر دوسرے نجی حالات اس راہ میں مانع رہے۔

ہماری مرحومہ بہن کے زہد اور تقویٰ ہی کی وجہ سے محترم جناب چوہدری ظفراللہ خاں صاحب اس نیک اور صالح خاتون کو بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بسا اوقات انہیں دعا کے لئے بھی کہتے۔ ایک دفعہ مکرم جناب چوہدری صاحب نے اپنے متعلق ایک خاص پیش آمدہ امر کیلئے دعا کیلئے کہا۔ جب مرحومہ نے بہت التزام کے ساتھ اس غرض کے لئے دعا کی تو چنانچہ دوسرے جمعہ پر جب مرحومہ نماز کیلئے مسجد آئیں۔ مکرم جناب چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ تو نماز جمعہ کے بعد انہوں نے مکرم چوہدری صاحب کو بتایا کہ دعا کے نتیجہ میں مشیت ایزدی سے ان کی زبان پر مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی کے الفاظ جاری ہوئے۔ جو بہت خوش کن اور تسلی والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو اپنے فضل سے قبولیت کا درجہ عطا فرمایا اور مکرم جناب چوہدری صاحب کے لئے ان کے پیش آمدہ حالات نہایت اچھے طور پر ساز گار ہوئے۔ مرحومہ اکثر سچی خوابیں دیکھتیں بعض دفعہ کشفی نظارہ کی کیفیت بھی ہوتی۔ ایسی مستجاب الدعواۃ صاحبہ رویاء خاتون کی جدائی پر غم کے جذبات کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے۔

ہماری اس مخلص بہن کی تعلیم و تربیت میں محترم برادرم جناب مولانا ابوبکر ایوب صاحب کا بھی حصہ ہے جن سے مرحومہ نے ابتداءً قرآن کریم باترجمہ کے اسباق لئے اور عربی زبان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اسلام اور قرآن ہی کی وجہ سے دراصل انہیں عربی زبان کی طرف توجہ اور محبت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ ضعیف العمری کی حالت میں بھی وہ عربی زبان کو سیکھتی رہیں اور قرآن کریم کے الفاظ اور اس کے انداز بیان سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔

حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ 67ء میں جب ہالینڈ تشریف لائے تو مرحومہ اس وقت بیمار تھیں اور اس وجہ سے مسجد نہ آسکیں۔ جس کا انہیں بہر حال طبعاً افسوس تھا چنانچہ خاکسار نے جب حضور اقدس سے اپنی اس مخلصہ بہن کے محبت بھرے جذبات کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی تو حضور نے نہایت ہمدردی کے جذبات کے ساتھ اظہار فرمایا کہ اب تو وقت زیادہ نہیں رہا۔ واپسی کی تیاری ہے۔ (کیونکہ حضور اسی روز ہالینڈ سے روانہ ہو رہے تھے) پہلے علم ہو جاتا تو عیادت کیلئے ان کے ہاں جا سکتے تھے۔ مَیں نے حضور کا یہ اظہار جب مرحومہ تک پہنچایا تو وہ اس سے بہت ہی متاثر ہوئیں۔

مرحومہ کا رہائشی کمرہ جب مجھے یاد آتا ہے تو اس کا تصور اب بھی ایک لطف دے جاتا ہے کمرہ کیا تھا ایک بولتی ہوئی اسلامی معاشرہ کی تصویر تھی۔ ایک طرف جائے نماز کی جگہ تھی دوسری جانب ایک میز پر قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتب مطالعہ کیلئے رکھی تھیں مصلیٰ کے ایک طرف میز کے ساتھ تسبیح لٹک رہی تھی۔ کمرہ کی تمام دیواروں پر آیات قرآنی اور دعائیں آویزاں تھیں ایک طرف دیوار پر ایک بڑے سائز کی پینٹنگ ہے جہاں ایک خاتون اپنی بچی کے ساتھ نماز پڑھنے میں مصروف ہے جس کے ساتھ ''رحیل'' پر بڑے سائز کا قرآن کھلا ہوا نظر آرہا ہے۔ دروازے کے ساتھ ایک اور اونچی سی میز ہے جہاں قطعات پینٹ کرنے کا سامان پڑا ہے۔...... بس اسی قسم کے ماحول میں وہ اپنے رات دن گزارتیں اور رات گئے تک اپنے آپ کو مصروف رکھتیں۔ بڑھاپے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اسقدر مصروف رکھتیں کہ نوجوان بھی اس سے عاجز آجائیں ان کی مشغولیت بس ایسے ہی دینی رنگ کی ہوتی۔ چنانچہ ان کے کئے ہوئے تراجم سالہا سال تبلیغی اور

تربیتی ضروریات کیلئے استعمال ہوتے رہے۔اور آئندہ بھی خلقِ خدا ان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی۔لیکن ان کا کام صرف تراجم تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ بسا اوقات اپنے تصوفانہ خیالات کو صفحہ قرطاس پر بھی لے آتیں۔

مرحومہ محترمہ کو مولانا جلال الدین رومی کی بیان کردہ ایک حکایت جس میں وہ ایک صوفی کا تصور پیش کرتے ہیں بہت پسند تھی وہ حکایت کچھ اس طرح ہے کہ حق کی متلاشی اور محبت کی پیاسی ایک روح اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کیلئے بے تاب ہے اور بے قراری کی حالت میں وہ دربارِ الٰہی کے آستانہ پر دستک دیتی ہے تا اپنے محبوب کے حضور باریابی حاصل کر کے اس کے وصال سے لطف اندوز ہو سکے۔جس پر اندر سے آواز آتی ہے دروازہ پر کون ہے؟اس کا جواب روح کی طرف یہ ملتا ہے۔کہ حضور!مَیں ہوں دروازہ پر!اس جواب پر اندر سے آواز آتی ہے کہ یہاں "مَیں اور تُو" کے لئے کوئی جگہ نہیں اور دروازہ بند کا بند ہی رہتا ہے۔

یہ کیفیت دیکھ کر عاشقانہ انداز کی انسانی روح واپس چلی آتی ہے۔وہ ایک لمبا عرصہ جنگلوں اور بیابانوں میں اپنے محبوب کی یاد اور ذکر میں مصروف رہتی ہے اور دن رات ریاضتوں اور وظائف اور عبادت میں وقت گزاری کرتی ہے اور پھر بے قرار ہو کر اسی آستانہ پر دستک دیتی ہے جس پر اندر سے پھر وہی آواز سنائی دیتی ہے کہ "دروازہ پر کون ہے" جس کے جواب میں اب وہی روح بے ساختہ کہہ اٹھتی ہے کہ اے میرے محبوب دروازہ پر تم خود ہی ہو اس کے علاوہ اپنے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں......اور کسی غیریت کا احساس نہیں چنانچہ اس پر وہ دروازہ کھل جاتا ہے۔

مرحومہ کا جب تصور آتا ہے تو یوں گمان ہوتا ہے جیسے وہ جنت کی ایک خاتون تھیں جو اپنا وقت اس دنیا میں گزار کر پھر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملیں۔مکرم

جناب چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے ایک خط میں اس مرحومہ بہن کو ''ایک نہایت صالحہ۔ عابدہ۔ زاہدہ۔ صاحبہ رویاء کشوف اور مستجاب الدعواۃ خاتون'' کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ مکرم جناب چوہدری صاحب کی کتاب تحدیث نعمت میں بھی دو جگہ اس ''نہایت مخلص مومنہ خاتون'' کا ذکر ہے۔ صفحہ 626 پر تو نصف صفحہ کے قریب آپ نے اس کی تعریف وتوصیف میں رقم فرمایا۔ جس کے آخری فقرات ان کی وفات کے بارہ میں کچھ اس طرح ہیں کہ ''ان کی پیشانی کے نور سے یہی انداز ہوتا ہے کہ درگاہِ الٰہی سے انہیں یہی دعوت موصول ہوئی ہوگی۔ یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (سورۃ فجر آیہ 28 تا 31) ہم میں سے جو کوئی بھی انہیں جانتا تھا اس نے ان کی رحلت پر ضرور دعا کی ہوگی۔'' اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنے بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

محترم خالد براؤن صاحب

مخلصین جماعت میں سے بعض افراد کا مختصر تذکرہ تو کیا جا چکا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صحیح رنگ میں مشن کے قیام کے لئے اور جماعتی کام کو ترقی دینے کیلئے بہت سے مخلص افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی ذمہ داری کا پورے احساس رکھتے ہوں۔ ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو شوق کے ساتھ کام کا جذبہ رکھتے ہوں اور یہ کام دراصل لوکل احباب ہی کا ہوتا ہے۔ جو وہاں کے حالات سے اور اس ملک کے لوگوں کی طبائع سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے بہت سے نوجوان ہالینڈ مشن کو عطا کیے جنہوں نے

رات دن ایک کر دیا اور تبلیغی جہاد میں ذوق شوق سے عملاً حصہ لیا۔ بعض دوستوں کی جائے رہائش ہیگ مسجد سے بلکہ ہیگ شہر سے بھی خاصی دور واقع تھی مگر وہ التزام سے مسجد آتے ہیں بعض نوجوانوں کو ان کے والدین نے بیعت کرنے پر تکالیف بھی دیں اور بہت تنگ کیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ تمام مشکل حالات میں ثابت قدم رہے اور ان کے ایمانوں میں کوئی لغزش نہیں آئی اور حتی الوسع اپنے دین کو ہر دوسری چیز پر مقدم رکھا۔ بعض نوجوانوں کو سالہا سال تک اسلام سے وابستگی اپنے دوستوں سے مخفی رکھنی پڑی اور اس راہ میں انہیں بہت قربانیاں دینی پڑیں ہالینڈ مشن کے ایک مخلص نوجوان عمر نام نے جن کی آمد کوئی بہت زیادہ نہیں تھی مگر وہ اپنا چندہ ہمیشہ پیشگی ادا کیا کرتے تھے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ہاں ایک نوجوان مسٹر خالد براؤن تھے جو بہت جوش رکھنے والے نوجوان تھے 17 سال کی عمر میں وہ اسلام لائے مگر انہوں نے ارادۃً ایک سال تک اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔ کہ پھر جب انہوں نے اظہار کیا تو وہی بات ہوئی جس کا انہیں خدشہ تھا۔ ان کے والدین کیتھولک تھے انہوں نے اس پر بڑی سختی کی۔ اس کی اسلامی کتب بشمولیت قرآن الماری سے نکال کر پھینک دیں اور پھاڑ دیں اور گھر سے انہیں نکال دینے کی دھمکی دی پھر اس کے سکول والوں نے اس کو بہت تنگ کیا۔ سکول بھی اس کا ہماری مسجد والی شاہراہ پر ہی تھا اور خالص کیتھولک سکول تھا انہوں نے تو اس کو نکال ہی دیا۔ مگر ان حالات کے باوجود انہوں نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ ایسے حالات میں سے مَیں آج کل گزر رہا ہوں اس لئے مَیں کچھ وقت کے لئے مسجد شائد نہ آسکوں۔ مگر میرے ارادوں میں اور میرے ایمان میں خیال نہیں کہ کوئی تبدیلی آئے چنانچہ اس نے ان سب مشکلات کو صبر سے برداشت کیا۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد ان کا تعلق مسجد سے التزام کے

ساتھ بہتر ہوگیا۔اس کے والدین نے بھی خیال کیا کہ اسلام کی وجہ سے اس کے اخلاق و آداب پر اچھا ہی اثر معلوم ہوتا ہے بجائے اس کے کہ وہ راتوں کو آوارہ گردی کرے۔ مسجد ہی تو وہ جاتا ہے اور اپنے رنگ میں خدا کو یاد کرتا ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ ان کے والدین بھی ہمارے ساتھ ٹھیک ہوگئے ۔کبھی کبھی مسجد بھی آجاتے بلکہ ان ایام میں برسلز میں عالمی انڈسٹریل نمائش تھی وہ کئی دفعہ وہاں گئے تو دو دفعہ تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے ۔اور اچھے طور پر پیش آتے رہے۔

محترمہ ناصرہ زمرمین

ہماری بہن ناصرہ زمرمین کا خلوص بھی قابل قدر تھا۔تھی تو وہ عورت مگر مردانہ وار وہ مشن کے کاموں میں حصہ لیتی ۔ ان کی بیعت بھی دراصل صداقت اسلام کا ایک نشان تھا یہی وہ خاتون ہیں جنہوں نے قرآن کریم کا ابتداءً ڈچ ترجمہ کیا تھا اُن ایام میں جب کہ وہ اس کام میں مصروف تھیں تو ترجمہ کرانے والے ادارے (برلٹیز سکول لندن) کے چند افراد اسلام کے بارہ میں نفرت کے جذبات رکھنے والے تھے اور بسا اوقات وہ اس ضمن میں استہزاء اور مذاق سے کام لیتے تھے چنانچہ ان کے اس طریق کے باعث ہماری بہن جو اس وقت اسلام نہیں لائی تھیں ان کو بڑی تکلیف ہوتی تھی مگر یہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہیں آتے تھے آخر خدا کی گرفت عبرتناک طور پر ان پر ہوئی اور خدائی سزا سے وہ بچ نہ سکے ۔ایک تو ان میں سے غیر معمولی حالات میں راہی ملک عدم ہوا ۔اور دوسرے کو اور رنگ میں ابتلاء آئے جن کو دیکھ کر ہماری ناصرہ بہن کو اسلام کی صداقت کا یقین آگیا مگر وہ ابھی اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ اس کام کے

لالچ سے ایسا اظہار کر رہی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ہالینڈ میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ غالباً 49ء کا واقعہ ہے کہ ان دنوں ہمارے محترم اور معزز بھائی چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب مشرقی پاکستان سے ہالینڈ تشریف لائے یہ ان دنوں وہاں کی جماعت کے صدر تھے اور اس جماعت نے ڈچ ترجمہ قرآن کی اشاعت کا مقدس اور اہم فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ ادھر ہالینڈ میں مسٹر اور مسٹرز مرمین (ڈچ مترجم قرآن بھی ہمارے ملنے ملانے والے احباب میں تھے) جنہوں نے گزشتہ ایام جنگ میں جبکہ وہ لندن میں تھے ڈچ زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا اہم کام سرانجام دیا تھا۔ ان کا تعلق بھی گاہے بگاہے مشن کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور مسز زمرمین جو اس ترجمہ کے کام کی دراصل روح رواں تھی وہ بھی ترجمہ قرآن کے اثر سے دن بدن اسلام سے زیادہ سے زیادہ متاثر ہو رہی تھیں۔ چنانچہ جب ہمارے انور کاہلوں صاحب ہالینڈ تشریف لائے تو اس موقع پر ڈچ مترجم قرآن اور دوسری طرف اس کی اشاعت کی ذمہ داری لینے والے یہ دونوں فریق اتفاق حسنہ سے اکٹھے ہو گئے اور اس امر کیلئے محرک ہوئے کہ محترم چوہدری انور کاہلوں صاحب کی موجودگی میں مسز زمرمین اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے۔ فالحمدللہ محترمہ بڑی مخلص خاتون تھیں جنہوں نے زندگی بھر مشن کے کام میں دن رات ہاتھ بٹایا اور بڑی قابلیت کے ساتھ خدمات انجام دیں۔ ان کا اسلامی نام ناصرہ رکھا گیا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی کتاب تحدیث نعمت میں بھی اس خاتون کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب کرے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

انڈونیشیا کو روانگی اور وہاں کی زندگی

قبل اس کے مَیں ڈچ مشن کے مزید حالات یا وہاں سے آخری الوداع کا ذکر کروں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے انڈونیشیا کے جانے کے بارہ میں مختصراً کچھ عرض کردوں کیونکہ وہاں بھی مجھے ایک عرصہ گزارنے کا موقع ملا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت اچھے رنگ میں گزارا ہے۔ ہمارا انڈونیشیا کا مشن تو ایک عرصہ سے یعنی 1925ء سے قائم ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ کافی پھیلا ہوا ہے اس لئے کوئی خاص نئے حالات تو بیان کرنے کی خاص طور پر ضرورت نہیں۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ یہ ملک میرے لئے ایک نئی دنیا ضرور تھی اور یہاں کی جماعت کے اخلاص کا رنگ بھی اپنی مثال آپ ہے بہر حال اپنی کمزوریوں کی اور خطا کاریوں کی داستان تو بڑی لمبی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ستاریوں کی اور حضور اقدس کی طرف سے نوازشات کی داستان اس سے بھی طویل ہے مگر جو احسان اس عاجز پر میرے والد صاحب محترم نے کئے ان کا تصور کر کے بھی میری روح اور میرا قلب تشکر کے جذبات سے اسقدر لبریز ہو جاتا ہے کہ ان کی قدردانی کیلئے بھی میرے لئے اظہار کی طاقت نہیں مَیں جب ربوہ سے 1952ء میں انڈونیشیا روانہ ہونے لگا تو روانگی کے وقت کے ان کے الفاظ تھے وہ اب بھی میرے لئے ایسے ہی تازہ اور ان کی دعاؤں کے محرک ہیں جیسے کبھی اس وقت تھے جب انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار فرمایا تھا بہر حال اپنے محترم والدین سے جدائی کے بعد ہمارے انڈونیشیا کے سفر کے مراحل شروع ہوئے جیسا

کہ مَیں نے پہلے عرض کیا ہے۔ ان ایام میں سفر کی سہولتیں ابھی اتنی نہ تھیں جتنی کہ اب ہیں ربوہ سے بذریعہ ٹرین سوار ہو کر ہم کراچی پہنچے جہاں ہمیں غیر متوقع طور پر ڈیڑھ دو ماہ تک کسی بحری جہاز کی تلاش رہی جو ہمیں انڈونیشیا لے جائے مگر بڑی تگ ودو کے بعد بھی ہمیں صرف ایک جہاز کراچی سے سیلون تک جانے والا ملا (یہ جہاز ایسٹ پاکستان جا رہا تھا) چنانچہ پہلے اس موقع کو غنیمت جانا اور کولمبو تک اس جہاز میں سفر کا ارادہ کر لیا سیلون میں اترنے کی اجازت بھی ان دنوں بڑی مشکل سے ملی مگر خدا خدا کر کے کسی طرح مل گئی جہاز کا یہ سفر غالباً 4-5 روز کا سفر تھا مگر جس تنگی اور مشکل سے یہ سفر گزرا اس کا تصور کر کے آج بھی بدن کانپ جاتا ہے سنا ہے کہ اس جہاز میں فرسٹ اور سیکنڈ کلاس بھی تھی مگر ہمیں وہاں تک رسائی کہاں اس کی تو ہوا بھی ہمیں نہ لگ سکی۔

ہمیں بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ جہاز کے ''ڈیک'' پر ملی۔ وہ بھی بڑی مشکل اور واقفیت سے اور کسی باہمت دوست کی مدد سے۔ جس نے جہاز چلنے سے کچھ وقت پہلے کسی طرح اندر جا کر ایک جگہ کھلے آسمان کے نیچے ایک دری ڈیک پر بچھا کر یہ جگہ ریزرو کر لی۔ ڈیک پہلے ہی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور صرف بیٹھنے کی جگہ ہی تھی مگر جب سنا کہ اس ڈیک میں سے بھی نصف جگہ فوجیوں کیلئے نکالی جا رہی ہے تو ہمارے تو سانس بالکل ہی خشک ہو گئے۔ کہ یا الٰہی یہ دو چار دن بیٹھے بیٹھے بھی کیسے گزر سکیں گے۔ سو سکنے کا خواب تو شرمندہ تعبیر ہی رہا۔ وہاں تو ڈیک سے نچلی منزل بیت الخلاء تک پہنچنا بھی ناممکن تھا۔ بیت الخلاء کے دروازہ تک نچلی منزل پر بھی لوگ ہی لوگ تھے۔ بیت الخلاء تک میں لوگوں کی رہائش تھی۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ کی کہ پانی پینا چھوڑ دیا۔ تاکہ پیشاب کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور دوسرے جو کھانے

پینے کا حال تھا وہ بھی خدا کی پناہ ہمارا خیال تھا کہ کھانا تو جہاز پر ہوگا ہی ۔ چنانچہ اور کوئی کھانا وغیرہ ساتھ نہ لیا۔ مگر حقیقت کے لگ بھگ بات یہی ہے کہ یہ دن کم وبیش کھانے کے بغیر ہی گزرے اس گھمسان میں کپڑے تو اپنی جگہ تک بیٹھے بیٹھے ہی گندے ہوگئے اور ابھی چار دن اور گزارنے تھے ۔ مگر کپڑے بدلنے کا سوال کہاں انہی میلے کچیلے گندے کپڑوں میں ہی وہ دن جوں توں کر کے گزار دیئے ۔

آخر ہمارا جہاز کولمبو بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ مگر ان دنوں سیلون گورنمنٹ اس قدر سخت تھی کہ جہاز کو انہوں نے ساحل کے قریب لگنے نہ دیا اور کوئی نصف میل دُور ہی کھڑا کرنا پڑا ۔ اب وہاں سے سامان اٹھا کر کشتی میں لادنا تھا اس کیلئے لمبا ''کیو (قطار)'' تھا اپنا آپ ہوتا تو اور بات تھی اب سامان بھی ساتھ تھا اور دو چھوٹے بچے بھی عام قلیوں کی حالت پھر بہتر نظر آتی ہے ۔ کیونکہ وہ اس کے لئے تیار ہوتے ہیں ۔ مگر ہماری حالت کچھ اس سے بہت مختلف تھی ۔ جہاز پر سے بیٹھے جب دور سے ساحل پر دیکھا تو معلوم ہوا کہ احباب جماعت خوش آمدید کیلئے آئے ہیں پھولوں کے ہاران کے ہاتھوں میں ہیں اور ہمیں ملنے کیلئے بے چین سے نظر آتے ہیں ۔ ادھر ہماری حالت غیر ہو رہی تھی بلکہ ہمیں تو پہچاننا بھی مشکل ہو رہا تھا مگر محترم برادرم اسماعیل منیر صاحب مبلغ کی تیز نظر نے ہمیں ڈھونڈ مارا۔ اور احباب کے ہاتھ ملنے شروع ہوگئے ۔ ایسی حالت میں کسی نے کم ہی کسی کو خوش آمدید کہا ہوگا ۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کی برکت سے جماعت کا خلوص اور جماعت کے محبت بھرے جذبات اس قدر تھے کہ انہوں نے ہماری ہیئت کذائی سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اثر نہ لیا۔ سَر پر مَیں نے سامان اٹھانے والا پٹکا باندھا ہوا تھا اور گندی قمیض اور گندے کوٹ کے بٹن کھلے تھے مگر جماعت کے احباب نے ملتے ہی اپنے پھولوں کے

ہاروں سے ہمارے کپڑوں کو ڈھانپ لیا اور محبت بھرے معانقوں نے ہم پر بھی بہت اثر کیا۔ کہ ہم تشکر اور رقت کے جذبات میں خود کو بھی بھول گئے اور یوں معلوم ہوا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ چنانچہ دس روز کولمبو میں ایسے گزار دیئے جیسے ایک رنگین اور خوش منظر خواب سی ہوتی ہے۔

یہاں سے اور کوئی بحری جہاز تو انڈونیشیا کے لئے نہ مل سکا۔ ہاں ہوائی جہاز کوالالمپور (ملائیشیا) کیلئے مل گیا جس نے ہمیں انڈونیشیا کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ ملائیشیا سنگاپور میں ہمارا قیام کوئی دو ہفتے کا رہا۔ یہاں بھی احباب جماعت نے اپنے خلوص و محبت کا ایسا سلوک کیا جو اسلامی اخوت کا صحیح رنگ میں آئینہ دار تھا۔ سنگاپور میں ان دنوں مولانا مکرم محمد صادق صاحب مبلغ انچارج تھے ان کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ آخر ایک بحری جہاز میں سنگاپور سے جکارتہ پہنچ گیا۔ جہاں بندرگاہ پر ہمارے استقبال کیلئے احباب جماعت اور خدام الاحمدیہ مکرم سید شاہ محمد صاحب رئیس تبلیغ کی قیادت میں پیشوائی کیلئے موجود تھے۔ اس اعزازی سلوک کو دیکھ کر دل ایک دفعہ پھر تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اور اس قدر رقت طاری تھی کہ بات کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا یہ تمام نظارے محبت کے کسی غیر متوقع تو شائد یونہی اتفاقی سے امور ہونگے۔ مگر ہمارے لئے اس سلوک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت مضمر تھی۔ اور قدم قدم پر ہمارے ایمان کے لئے تازگی اور زندگی کا موجب بن رہی تھی۔ آج ایسی محبت جماعت سے باہر کہاں مل سکتی ہے ورنہ اپنی بساط سے تو مَیں خوب واقف تھا اور اس بارہ میں خدا کے فضل سے مَیں نے کبھی دھوکا نہیں کھایا اللہ تعالیٰ نے اس زندگی میں ہاں میرے جیسے کمزور اور خطا کار اور بے حقیقت انسان کی زندگی میں ایسے ایسے احسانات ہے، اعزازوں سے اور

اخوت و محبت بھرے سلوکوں سے نوازا ہے۔ کہ جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھے یہ محض حضور علیہ السلام کی برکت سے تھا اگر ایک کمزور میرے جیسا انسان اس سے کوئی اور تاثر عُجب کا لے تو اس سے زیادہ بے وقوفی کی بات اور کیا ہوگی۔ یہ سارے امور شائد کسی وقت کی خلوص نیت کا ہی نتیجہ ہوں۔ ورنہ عملی کارگزاری یا کوئی خدمت کا شائبہ تو ایسا نظر نہیں آتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسا تھا۔
فالحمد اللہ علیٰ ذالک و تشکر شکراً عظیماً۔

انڈونیشیا میں دس سال

اب ہماری انڈونیشن زندگی کا دور شروع ہوتا ہے اور نہایت پُر لطف دَور شروع ہوتا ہے۔ ملک بھی خوبصورت ہے اور یہاں کے لوگ بھی اچھی طبیعت کے ہیں اور احباب جماعت کا خلوص تو اپنی مثال آپ ہے۔ خلافت کے مقام کو پوری طرح سمجھتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی ہیں اور نظام جماعت کی روح حقیقی رنگ میں ان کے اندر موجود ہے۔ اور اس کا پورے طور پر دل سے احترام کرتے ہیں۔ اس عاجز کو دس سال اس ملک میں خدمت کا موقع ملا۔ چار سال ایک دفعہ اور چھ سال ایک دفعہ۔ پہلے کچھ عرصہ جماعت کے مرکزی مقام جاکرتا میں اور اس کے بعد کچھ عرصہ سُوکابُومی کے علاقہ میں اور پھر دوسری دفعہ چھ سال کا عرصہ وسطی جاوا میں جہاں میرا قیام انڈونیشیا کے مشہور ثقافتی اور تاریخی مقام ''جوگجا کرتا'' میں رہا کارنگ تک کا علاقہ بھی اس میں شامل تھا۔ ملک کی نامور شخصیتوں سے ملاقاتیں رہیں۔ ڈاکٹر ہاتا جو وائس پریذیڈنٹ تھے ان سے تو 49ء میں ہیگ میں بھی ملاقات ہو چکی تھی جبکہ وہ گول میز کانفرنس کے لئے ہالینڈ آئے تھے۔ ان کی خدمت میں اس



بیت الذکر سوئیزرلینڈ کے افتتاح کے موقعہ پر۔ افتتاح کی تقریب میں تلاوت اس عاجز کی تھی۔ (1963ء)



سنگاپور کی ایک یاد مکرم مولانا محمد صادق صاحب چغتائی کی معیت میں ایک فوٹو۔ (1952ء)



پریذیڈنٹ سوئیکارنو صاحب آف انڈونیشیاء سے اُنکے پیلس میں ایک ملاقات۔ وہ خدام الاحمدیہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس کا بیج میں نے لگایا ہوا تھا۔(1952ء)



انڈونیشیاء کے 10 مبلغین کا ایک گروپ کرسیوں پر دائیں سے بائیں:
میاں عبدالحی صاحب، مولوی امام الدین صاحب، سید شاہ محمد صاحب، صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب، ملک عزیز احمد صاحب اور آخر پر یہ عاجز قدرت اللہ عفی عنہ۔ (فوٹو سرابایا۔1953ء) یہ فوٹو اس زمانہ کا ہے جب مجھے پہلی دفعہ انڈونیشیاء جانے کا موقعہ ملا۔



انڈونیشیاء کے 15 مبلغین کا گروپ (جاکرتا 1969ء)
بیٹھے ہوئے: دائیں سے بائیں
مرزا محمد ادریس صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب، مولوی ابوبکر ایوب صاحب، خاکسار اور میاں عبدالحیٔ صاحب



مجلس عاملہ مرکزیہ انڈونیشیاء کے ساتھ ایک فوٹو 1970ء۔

نوٹ۔اُن دنوں مولانا ابوبکر ایوب صاحب رئیس التبلیغ تھے۔محترم ابوبکر صاحب انڈونیشیاء کے تین اولین احمدیوں میں سے تھے جو قادیان پہنچے اور تعلیم حاصل کی اور پھر ساری عمر تبلیغ ہی میں صرف ہوئی۔بڑے نیک اور عالم باعمل تھے۔



پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد قادیان کے جلسہ سالانہ میں خاکسار کی تقریر۔(1951ء)



جلسہ سالانہ قادیان میں دوسری دفعہ شامل ہونے اور پھر تقریر کرنے کی سعادت بعض احباب کرام کے ساتھ ایک یادگار فوٹو
(1968ء)

وقت قرآن کریم تحفہ بھی پیش کیا تھا۔ پھر جو گجا کے مشہور پرنس سلطان حمید صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ مسٹر رُوم جو آزادی کے بعد ہالینڈ میں انڈونیشیا کے پہلے سفیر تھے ان سے بھی ابتدائی ملاقات ہالینڈ میں ہوئی جبکہ انہیں دنوں آنحضرت ﷺ کی سوانح کے بارہ میں خاکسار کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' بزبان ڈچ ابھی شائع ہوئی تھی تو یہ کتاب ان کی خدمت میں تحفۃً پیش کی تھی۔ نیز ان کی موجودگی میں وہاں ایک تقریب میں بھی آنحضرت ﷺ کی سیرت پر ایک دفعہ اظہار خیال کا موقع ملا۔ پھر ڈاکٹر آدم ملک جو یو۔این۔او کی جنرل اسمبلی کے پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں اور کافی عرصہ فارن منسٹر بھی رہے ہیں ان سے کئی دفعہ ملاقات ہوئی۔ پھر وزیر مذاہب ڈاکٹر مکتی علی سے کافی بے تکلفانہ راہ ورسم رہی پھر وہاں کی ''محمدیہ'' جماعت جو سوشل اور کسی قدر مذہبی طرز کی جماعت ہے اور ملک میں بہت مقبول ہے ان کے پریذیڈنٹ صاحب سے بھی جو گجا میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (مگر اب ان پر بھی رابطہ عالم اسلام کی اثر ہوتا جارہا ہے اور مودودی اثر غالب آرہا ہے۔) پھر ڈاکٹر سوکارنو صاحب جو ملک کے نامور پریذیڈنٹ تھے۔ انڈونیشیا کی آزادی کا سہرا انہی کے سر ہے ان سے بھی 6-5 دفعہ ملاقات ہوئی۔ اور پھر تو وہ اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔ یہ جماعت کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے انڈونیشیا کی آزادی کی جدوجہد میں احباب جماعت نے جو مساعی کی تھیں وہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پہلی دفعہ میری ان سے ملاقات 52ء میں ان کی برتھ ڈے کی تقریب کے موقعہ پر ان کے محل میں ہی ہوئی تھی اور کچھ باتیں وغیرہ بھی ہوئیں۔ ان دنوں خدام الاحمدیہ کا بیج میرے کوٹ پر لگا ہوا تھا۔ تو پوچھنے لگے کہ یہ کیسا نشان ہے۔ مَیں نے جب خدام الاحمدیہ کی تشریح کچھ کی تو پوچھا

کہ خدام کی تعداد اندازاً کتنی ہوگی تو اس وقت کے حساب سے میں نے دس ہزار بتائی جسے سن کر بہت متعجب ہوئے اس موقعہ پر جب وہ مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے اس موقع کی فوٹو دوسرے روز انڈونیشین پریس میں بھی شائع ہوئی۔ انڈونیشیا میں نزول القرآن اور معراج وغیرہ کی تقاریب خاص طور پر منائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سوکارنو صاحب کے محل کے بڑے ہال میں ان دنوں یہ تقاریب منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں متعدد بار مجھے شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ اس کے علاوہ متعدد مرتبہ ڈیلیگیشن کی صورت میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے احمدیہ جماعت کے بارہ میں سرکاری گزٹ میں بھی نہایت عمدہ قدردانی کے جذبات کا اظہار کیا ہے کہ یہ جماعت اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے اور علمی میدان میں ان کا لٹریچر بہت مقبول ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پہلے چار سال کی رہائش تو میری مغربی جاوا میں رہی اور دوسری دفعہ کی رہائش کا اکثر حصہ چھ سال کا وسطی جاوا میں گزرا۔ پروگرام تو بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ شائد بقیہ زندگی اسی جگہ گزر جائے۔ کہ 55ء کے آخر اور 56ء کے شروع میں ہالینڈ مشن کے حالات کچھ اس رنگ میں بدل گئے کہ پھر مجھے فوری طور پر ہالینڈ مشن کا چارج لینے کا ارشاد موصول ہوا۔ جس کے بعد بارہ سال ہالینڈ ہی میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ مگر اس کے بعد دوبارہ 69ء میں پھر مجھے انڈونیشیا میں چھ سال خدمت کا موقعہ ملا جہاں سے پھر 75ء کے آخر میں جب کہ مَیں بیمار بھی تھا میرا تبادلہ پھر ہالینڈ ہوگیا۔ کہ ہالینڈ مشن کا چارج لوں بہر حال انڈونیشیا میں اللہ تعالیٰ نے جس رنگ میں بھی خدمت کی توفیق عطا کی اس کی پُرلطف یادیں میری زندگی کی حسین ترین یادوں کا بہترین سرمایہ ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

انڈونیشیا کا وسطی جاوا کا صوبہ جو ثقافتی اور تاریخی لحاظ سے انڈونیشیا کے ایک خاص مقام کا حامل ہے وہاں علمی اور دینی لحاظ سے بھی اسے خاص نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جماعت محمدیہ کا مرکز بھی اسی جگہ تھا پھر ایک اہم دینی مدرسہ بھی جوگجا میں ہے اور انڈونیشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''گاجاماڈا'' بھی اسی شہر میں ہے۔ آزادی کی جنگ کے زمانہ میں بھی یہی شہر جوگجا اس جدوجہد کا مرکز تھا چنانچہ خاکسار کا قیام اس تاریخی شہر میں مختلف حالات سے دلچسپی کا موجب رہا۔ انڈونیشین زبان میں خاکسار کے تحریر کردہ بعض بروشرز (Broclurs) یہیں سے شائع ہوئے۔ ایک تو جماعت احمدیہ کے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعارف کے طور پر تھا دوسرا ایک پمفلٹ عیسائیوں کے لئے دس سوالات تھے جو دراصل ساری عیسائیت پر حاوی تھے پھر ایک اور میری خاص تقریر جو ہالینڈ سے یہاں آ کر خاکسار نے مختلف جماعتوں میں ہالینڈ کے جماعت احمدیہ کے تبلیغی مساعی پر کی۔ اس کو خلاصۃ کے طور پر جماعت نے شائع کیا اس کا نام تھا ''نیر اسلام کا طلوع مغرب سے'' پھر دوسرا ایک کتابچہ جو میں نے لکھا تھا اس کا نام تھا ''احیاء اسلام'' اس کا دیباچہ تعارف مکرم برادرم صالح نہدری صاحب نے لکھا۔ فجزھم اللہ۔

انڈونیشیا کی مصروفیات عامہ

پہلے چار سال کے عرصہ میں تو خاکسار کی زیادہ توجہ جماعتی تربیت اور دوروں پر رہی، تقاریر اور خطبات کے مواقع بھی زیادہ احباب جماعت کے ساتھ ہی عمل میں آئے۔ زبان بھی ابھی کوئی ایسی رواں نہ تھی تاہم دوسری دفعہ وسطی جاوا شہر جوگجا کرتا میں ماحول ذرا مختلف تھا۔ چنانچہ جوگجا شہر میں ہی خاکسار نے کوئی 50 کے قریب لیکچرز مختلف ایسوسی ایشنز اور تنظیموں میں دیئے۔ گاجاماڈا کی یونیورسٹی جو ملک کا ممتاز ترین ادارہ ہے وہاں بھی چند ایک لیکچرز (انڈونیشین اور انگریزی زبان میں) دینے کا موقع ملا۔ چنانچہ ایک موقع پر خاکسار کو یونیورسٹی کا نشان (جو جھنڈے کی طرز پر ہوتا ہے) جس پر یونیورسٹی کا نام وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ وہ بھی انہوں نے مجھے اعزاز کے طور پر پیش کیا۔ جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔ یونیورسٹی کے طلباء اکثر تبادلہ خیالات کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور پھر متعدد افراد نے وہاں احمدیت کو قبول بھی کیا۔

ایک دفعہ میرا ایک خاص لیکچر ہوا یہ لیکچر جوگجا کرتا میں تھا۔ جو بفضلہٖ اچھا رہا۔ بعد میں سوالات کا بھی موقعہ تھا۔ اس موقعہ پر ایک طالب علم نے سوال کیا۔ اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس نے کہا۔ کہ انسان اس دنیا میں آتا تو اپنی مرضی سے نہیں اور نہ اس میں اس کی کسی خواہش کا دخل ہوتا ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں آزاد کیوں نہیں۔ بلکہ جواب دہ ہوتا ہے۔ اور وہ مختلف ذمہ داریوں کے

نیچے ساری عمر دبا رہتا ہے۔ کہ یہ کرو۔ یہ نہ کرو۔ خصوصاً مذہبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے یہ سوال جہاں اہم تھا وہاں دوسرے طلباء کیلئے بھی خاصی توجہ کا موجب بھی۔ میرے لئے بھی یہ سوال بالکل نیا تھا۔ جو پہلے کبھی اس رنگ میں سامنے نہ آیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے۔ وہ بعض دفعہ مشکل کو آسان کر دیتا ہے ورنہ ایسے وقت میں اگر انسان لاجواب ہو جائے تو سارا لیکچر اور ساری محنت ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی یہ خیال میرے دل میں ڈال دیا اور مَیں نے سائل سے یہ پوچھا۔ خیر جیسے بھی ہوا اب تم اس دنیا میں آگئے ہو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کیا اب تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔ یا زندگی کو خیر باد کہنا چاہتے ہو۔ میرے اس سوال پر سائل لاجواب سا ہو کر رہ گیا۔ اور اُسے کہنا پڑا کہ اب تو مَیں زندہ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس پر مَیں نے کہا کہ اگر یہ صورت ہے تو زندہ رہنے کی ذمہ داریاں بھی قبول کرو۔ میرے اس جواب سے جملہ سامعین بھی بہت محظوظ ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

اسی درسگاہ کے ایک لیکچرار عربی النسل تھے۔ ماں کی طرف سے ان کا تعلق انڈونیشیا سے تھا۔ وہ بہت اچھے اور قابل قدر لیکچرار تھے۔ ان کا ہم سے ملنا جلنا بھی کچھ تھا جو آہستہ آہستہ اور بڑھ گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی عربی کتب بھی وہ مجھ سے مانگ مانگ کر مطالعہ کرتے رہے۔ طبیعت کے لحاظ سے بہت سعادتمند اور نیک فطرت تھے اکثر مسجد آتے رہتے اور نمازوں میں شامل ہوتے تھے۔

ایک دفعہ تو وہ رمضان المبارک کا سارا مہینہ ہی ہمارے درس اور تراویح وغیرہ میں آتے رہے۔ آخر انہوں نے بیعت کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اب وہ جماعت کے کاموں میں بہت اخلاص اور محنت سے حصہ لیتے ہیں۔ اچھے لیکچرار بھی

ہیں۔ان کی خواہش تو وقف کر کے ربوہ آنے کی بھی تھی۔مگرابھی دوسرے حالات انہیں اس کی اجازت نہیں دے رہے۔اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص میں ترقی دے اور جماعت کیلئے انہیں مفید تر بنائے۔ان کا نام علی ابوبکر یا سلامہ ہے۔وہ باقاعدہ وہاں کے نہایت اعلیٰ درجہ کے دینی مدرسہ کے لیکچرار ہیں اوراس مدرسہ کے فارغ التحصیل ”انڈرڈاکٹر“ کا درجہ رکھتے ہیں۔بیعت سے قبل دعاؤں کے نتیجہ میں انہیں اورانکی اہلیہ کو بعض رؤیا کے ذریعہ سے بھی احمدیت قبول کرنے کی تحریک ہوئی تھی۔ان خوابوں کو بعض اوقات بڑے لطف کے ساتھ وہ خود بیان بھی کرتے ہیں۔اس عرصہ کے دوران خاکسار کو وہاں ایک نئی جماعت کے قیام اورایک جگہ ایک مسجد کے سنگ بنیاد رکھنے کی سعادت اور مسرت بھی نصیب ہوئی۔اس جماعت کا نام تادنگ مانگو ہے جو جوگجا سے کوئی 40-50 میل دور پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت پُر فضا جگہ میں واقع ہے۔اس جماعت سے تعلق رکھنے والے یا اس جماعت کو قائم کرنے والے اکثر اور بیشتر نوجوان طبقہ ہے۔

انڈونیشیا کی جماعت ویسے تو مخلصین سے بھری پڑی ہے۔مگر بہتر معلوم ہوتا ہے۔اس کے تین افراد کا جو پائنیرز ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلص اور قربانی کرنے والے تھے۔ان کا ذکر اس جگہ بے جا نہ ہوگا۔میرا تعلق ان تینوں افراد سے بہت قریب کا رہا ہے۔اورمَیں انہیں ازحد احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ایک دوست تو ہمارے مرحوم مبلغ بھائی مولانا ابوبکر ایوب صاحب ہیں جنہیں کچھ عرصہ ہالینڈ بھی میرے ساتھ کام کا موقعہ ملا۔اور پھر کچھ عرصہ مجھے ان کے ساتھ انڈونیشیا میں بھی کام کرنے کا موقعہ ملا۔بہت ہی عالم فاضل اور عالم باعمل اور مخلص دوست تھے۔اور مولوی فاضل تھے۔دوسرے دوست مولوی احمد نورالدین صاحب

تھے ۔جو اچھے عالم اور بہت ہی فرشتہ خصلت انسان تھے ۔پہلے تو کچھ عرصہ وہ گورنمنٹ سروس میں رہے۔گواس وقت بھی بقیہ سارا وقت جماعت ہی کی خدمت میں صرف ہوتا تھا مگر پھر تو کلیۃً دن رات جماعت کیلئے وقف ہو گئے ۔تیسرے دوست مکرم مولوی زینی دھلان صاحب تھے ۔جو جماعت کے با قاعدہ مبلغ رہے اور تبلیغ کا جنون رکھتے تھے اور یہی مذہبی جذبہ تھا کہ انہیں انڈونیشیا کے اولین احمدی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔کیونکہ ان تینوں افراد کا جو بیج قادیان پہنچا اُن میں سب سے اول آپ کو ہی بیعت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔اوران کا یہ دینی جذبہ آخر تک قائم ودائم رہا۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

یہ تینوں دوست غالباً 23ء میں حصول علم کی تلاش میں انڈیا کی طرف نکل گئے ۔اور پھرتے پھراتے بالآخرلا ہور پہنچ گئے ۔جہاں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تعلیم شروع کردی ۔کیونکہ سارے ہندوستان کے مقابل پر انہیں وہاں کچھ اور رنگ کی دینی اور علمی روشنی نظر آتی محسوس ہوئی ۔لاہور میں ان کے خصوصی نگران مکرم مولوی عبدالستار صاحب تھے ۔باتوں باتوں میں ایک دفعہ جب انہیں قادیان کا علم ہوا۔تو ان کے دل میں قادیان دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔کچھ رکاوٹ ان کے راستہ میں ضرور کھڑی کی گئی ۔مگران کے شوق کے پیش نظر ایسی رکاوٹیں کوئی زیادہ کارگر نہ ہو سکیں اور ایک دفعہ وہ قادیان آہی گئے ۔بس پھر کیا تھا۔یہاں آ کر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ قادیان ہی کے ہوگئے ۔اور واپس لاہور نہیں گئے ۔ چنانچہ انڈونیشین لوگوں میں خصوصاً سماٹرا کے لوگوں میں علم دین کی پیاس تو تھی ہی ۔ تھوڑے عرصہ میں اس ''ہراول دستہ'' کی راہنمائی میں اور بہت سے طالبعلم بھی قادیان میں جمع ہو گئے ۔آخرانہوں نے ایک وفد غالباً 24ء میں جب حضور اقدس

انگلستان تشریف لا رہے تھے۔ حضور کو ایک پارٹی دی۔ اور اس میں درخواست کی کہ حضور انڈونیشیا کیلئے کوئی مبلغ بھی قادیان سے بھجوائیں۔ چنانچہ مکرم مولانا رحمت علی صاحب کو حضور نے نامزد فرمایا۔ جو اولین مبلغ کی حیثیت سے انڈونیشیا تشریف لے گئے اور سماٹرا ہی میں (تاپاتوان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد پاڈنگ میں) مشن کی ابتداء کی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بابرکت ثابت ہوئی۔ اب انڈونیشیا میں کوئی 80 کے قریب جماعتیں ہیں جو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا وہاں اپنا نظام ہے۔ جو مرکزی نمائندہ رئیس التبلیغ کی زیر نگرانی میں رواں دواں ہے۔ جماعت کے لٹریچر کی اشاعت کی طرف بڑی توجہ ہے۔ ''مینار اسلام'' جماعت کا ماہنامہ اچھی شہرت کیساتھ شائع ہو رہا ہے۔ احمدیہ تفسیر القرآن کا ترجمہ بھی انڈونیشین زبان میں ہو چکا ہے۔ بلکہ انڈونیشین ترجمہ قرآن شائع بھی ہو چکا ہے۔ جو بہت مقبول ہو رہا ہے۔ مکرم برادرم میاں عبدالحی صاحب نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ وہیں خدمت میں صرف کیا۔

ہالینڈ سے جدائی

ہالینڈ میں سالہا سال سے نہایت خوشگوار اور یادگار قیام اور خدمت کے بعد بالآخر مجھے ہالینڈ سے جدائی اختیار کرنی پڑی۔ وہ کافی کٹھن مرحلہ تھا۔ تاہم اس جدائی کے تصور کو بھی ہمارے ڈچ دوستوں نے اپنے محبت بھرے جذبات نے کچھ سہل کر دیا۔ اور پھر سال سوا سال جو مَیں پاکستان میں حضور اقدس کی قربت اور صحبت میں رہا۔ تو اس سے اس جدائی کا اثر اور بھی زائل ہو گیا۔ بہر حال اس جدائی کے موقع پر اپنے ڈچ احباب نے الوداعی تقاریب کا اور پریس کانفرنس کا انعقاد وغیرہ کیا جو مشن کے لئے اچھے رنگ میں نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ چنانچہ میرے جانے کی خبر کوئی 25 اخبارات میں فوٹوز وغیرہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ مشن کی جب ابتداء ہوئی۔ تو گو اس وقت ابھی پریس سے زیادہ تعلق نہ تھا۔ تاہم مذہبی اخبارات نے وسیع پیمانہ پر اس خبر کو لیا۔ خاکسار یہاں سے روانہ ہو کر جب واپس کراچی پہنچا تو وہاں پاکستان کی پریس نے بھی اس خبر کو لیا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ''مشرق'' کراچی نے فوٹو دیکر اور میرا نام لکھ کر نیچے اس طرح عنوان باندھا۔

''یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے وسیع مواقع'' اور نیچے خبر اس طرح شروع کی۔

''کراچی 21 دسمبر (67ء)۔ ہیگ ہالینڈ کی مسجد کے امام حافظ قدرت اللہ 15 سال تک اسلام کی خدمت انجام دینے کے بعد کل پاکستان واپس آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یورپ میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے وسیع مواقع ہیں''

اور اسلام کے بارہ میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ دُور کی ہیں۔ حافظ قدرت اللہ نے کہا کہ عیسائی مشنریوں نے یورپ کے کم و بیش ہر ملک میں اسلام کے بارہ میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں۔ چنانچہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے اور لوگوں کو اسلام کے سیدھے سادھے اور سچے اصولوں سے آگاہ کرنے کیلئے انہیں اور اُن کے ہم خیال عیسائیوں کو مشنری اسپرٹ سے عیسائی مشنریوں کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہالینڈ میں قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کی سوانح (جو ڈچ مشن کی طرف سے شائع ہوئیں) بے حد مقبول ہیں اور جو ولندیزی۔ جرمن۔ اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ تا کہ ہالینڈ کے لوگ ان سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔''

''حافظ قدرت اللہ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ہالینڈ میں ہزاروں کی تعداد میں غیر ڈچ آباد ہیں۔ (یہ لوگ انڈونیشیا کے ہیں) ایک خاصی تعداد میں ڈچ مرد اور خواتین نے گزشتہ سالوں کے دوران اسلام قبول کیا ہے اور اب پورے خلوص کے ساتھ اپنے مذہب (اسلام) پر قائم ہیں۔ ہیگ میں مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر حال ہی میں ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کی گئی۔ جس پر پونے دو لاکھ روپے کا صرفہ آیا ہے۔ حافظ قدرت اللہ نے بتایا کہ ہیگ کے مسلمانوں نے وہاں ایک اسلامی سنٹر بھی قائم کر لیا ہے۔ (یعنی مشن ہاؤس) جہاں پر ہر ہفتے اسلام پر لیکچر دیئے جاتے ہیں''

اسی طرح روزنامہ جنگ کراچی لکھتا ہے کہ

ہیگ کی مبارک مسجد کے امام 15 سال بعد پاکستان واپس آرہے ہیں۔ پھر لکھا کہ مبارک مسجد ہالینڈ کی پہلی مسجد ہے۔ جو کیو۔ یو۔ حافظ کے دوران قیام تعمیر کی گئی''

دوسرے ڈچ اخبارات نے جو الوداعی خبر شائع کی اس کی سرخیاں کچھ اس طرح تھیں۔

''امام حافظ'' اپنی 15 سالہ تبلیغی مساعی کے بارہ میں پورے طور پر خوش اور مطمئن ہیں۔''

''مسٹر حافظ اب پاکستان واپس جارہے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ڈچ لوگ اسلام میں دلچسپی رکھتے ہیں''

''ہیگ مسجد کے امام (جو ہالینڈ میں اسلام کے پہلے مبلغ تھے) 15 سال کے بعد اب واپس جارہے ہیں۔'' ان کا کہنا ہے کہ ان کے زمانہ میں اسلام کے بارہ میں بہت سی غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں''

''امام (صاحب مسجد ہالینڈ) ہیگ کو چھوڑ کر پاکستان جارہے ہیں ان کا خیال ہے کہ انہیں یہاں خاصے طور پر کامیابی ہوئی ہے۔''

وغیرہ وغیرہ ۔

حقیقتاً یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میرے جیسے کمزور اور ناکارہ شخص کو اس جگہ کسی قدر کام کی توفیق ملی۔اور خدا تعالیٰ نے اس میں محض اپنے فضل سے بہت برکت دی۔

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی یاد

حضرت چوہدری صاحب کی مزید یاد اور تحدیث نعمت میں ذکر

حضرت چوہدری صاحب کی صحبت اور قربت میں گزرے ہوئے دن اکثر یاد آتے ہیں۔اور بہت یاد آتے ہیں۔وہ ایک بے مثال ہستی تھے۔ایسے وجود بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ان کے ساتھ گزرے ہوئے سبق آموز واقعات بھی کافی ہیں۔مگر اب کس کس کا ذکر کیا جائے۔بہر حال اختصار کے ساتھ جن واقعات یا تاثرات کی یہاں گنجائش تھی۔وہ عاجز نے عرض کر دیئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے اعلیٰ اور نیک نمونہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

یاد آیا ایک دفعہ مَیں 78ء میں کینیڈا میں بھی اکٹھے ہونے کا اتفاق ہوا اور وہاں کے ایک خاص احمدیہ جلسہ سالانہ میں تقاریر کا اتفاق ہوا اس تقریب میں عاجز گنہگار کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح رابع نے جس رنگ میں شفقت کا اظہار فرمایا ہے یا حضور فرما رہے ہیں اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔اور اس شفقت کا میرے دل کی گہرائیوں میں بھی وہ اثر ہے۔جو اپنا ایک خاص ہی رنگ رکھتا ہے۔زیادہ تر تفصیل کی بھی گنجائش نہیں۔ہاں اس ضمن میں صرف ایک اشارہ ہی کر سکتا ہوں کہ میرے ذاتی کمرے میں جو حضور اقدس کی فوٹو میرے سامنے آویزاں ہے۔اس کے نیچے اپنے اسی جذبہ کے پیش نظر مَیں نے لکھ کے لگایا ہوا ہے جو ہر وقت میری توجہ کا محور ہے۔

میں جس دن بھلادوں تیرا پیار دل سے   وہ دن آخری ہو میری زندگی کا

نوٹ: مجھے یہاں شاعر کے مفہوم سے صرف غرض ہے۔شاعر کے نام سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کون ہے۔

خیر! یہ تو حضور کی نسبت میرا دلی جذبہ ہے مگر اس سے اتر کر جن احباب کی شفقت اور محبت اور ذرہ نوازی سے مَیں ایک لمبا عرصہ فیض یاب ہوا ہوں اور ان کے قرب سے لطف اندوز ہوا ہوں ان میں سے حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کا وجود ایک نمایاں ترین حیثیت کا حامل ہے۔آپ دینوی لحاظ سے بھی ایک عظیم شخصیت تھے اور روحانی لحاظ سے بھی آپ کا مقام بلند تھا اور جماعت کیلئے بھی آپ کا وجود بڑی برکات کا حامل تھا۔اور امام جماعت کا بھی جو احترام جس رنگ میں آپ فرماتے تھے اس کی نظیر بھی کم ہی نظر آتی ہے۔بہت ہی اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔جماعت کی بھی انہوں نے بہت خدمت کی۔جو ہمیشہ یاد رہے گی آپ کی وفات پر خالد رسالہ نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مَیں نے بھی کیونکہ ایک لمبا عرصہ ان کی رفاقت میں اور ان کی صحبت میں گزارا ہے۔اور ان کے بارہ میں اپنے کچھ تاثرات تحریر کروں گو میرے ان مختصرات میں بعض جگہ پہلے بھی ضمناً حضرت چوہدری صاحب کا ذکر آ گیا ہے۔مگر تاہم رسالہ خالد کیلئے جو مَیں نے مختصر مضمون لکھا وہ احباب کے ملاحظہ کیلئے عرض کرتا ہوں۔

جو لفظوں میں تو آسانی سے بیان بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے۔

دلوں میں گھر کرنے والی عظمت اور اس کا ایک نقش جمیل

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے تعلق میں جہاں تک ذاتی تاثرات کا سوال ہے۔ انہیں اور ان کی کیفیات کو بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اہم اور عظیم عالیشان واقعات سے قطع نظر آپ کی زندگی کے متفرق واقعات کو خواہ کتنے ہی اختصار کے ساتھ الگ الگ بیان کی جائے پھر بھی وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے یقیناً اپنے اندر بہت سے اہم پہلو لئے ہوئے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کی شہرت کے پیش نظر اس کا ذکر غائبانہ سنا ہو تو اس کا طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مگر جب اس شخص کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے تو اس کی عظمت کا غائبانہ احساس اکثر اس رنگ میں قائم نہیں رہتا۔ مراد یہ کہ اس میں کمی آجاتی ہے۔ لیکن حضرت چوہدری صاحب کو جس قدر بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ آپ کی عظمت کے احساس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کیونکہ آپ کا ظاہر اور باطن ایک ہی تھا۔ آپ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے ہالینڈ کے قیام کے دوران ایک لمبا عرصہ آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے فیضیاب ہونے کے مواقع اس عاجز کو میسر آئے۔ اور مَیں اس بناء پر علیٰ وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ مَیں نے آپ کو اعلیٰ بلند پایہ اوصاف سے متصف پایا۔ اور آپ کی عظمت دل میں گھر کرتی چلی گئی۔ اور احترام کا جذبہ بے پناہ مسلسل بڑھتا چلا گیا۔

آپ کی بے نفسی

عجز وانکساری کا وصف ایک سچے احمدی کا خاصہ ہوتا ہے مَیں نے اس وصف کو نہایت عمدہ رنگ میں آپ کی ذات میں جلوہ گر پایا۔اس ضمن میں آپ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب ''تحدیث نعمت'' کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا۔مَیں حیران ہوں کہ اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود اتنا انکسار اور اتنی کسرِ نفسی اس وجود کے اندر تھی۔ جس کی مثال کسی اور جگہ بہت کم ملتی ہے۔صرف اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ انہوں نے اپنی زندگی کے حالات پر کوئی کتاب ابھی نہیں لکھی تھی۔عاجز نے ہالینڈ میں متعدد مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ایک قومی وجود ہیں بہتر ہے کہ اپنے حالات اور تجربات پر کچھ قلمبند کر جائیں۔تا بعد میں آنے والوں کے وہ کام آئیں۔اور راہنمائی کا موجب ہوں۔مگر ہر دفعہ حضرت چوہدری صاحب کا یہی جواب رہا کہ آپ کا فرمانا بجا! مگر مَیں جب بھی لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو میرا نفس درمیان میں آجاتا ہے اور طبیعت رک جاتی ہے۔لیکن کچھ عرصہ بعد پھر جب آپ کراچی تشریف لے گئے تو آپ کے عزیزوں اور دوستوں نے آپ کو مجبور کیا اور قرآن کریم کی اس تعلیم کی طرف توجہ دلائی کہ تحدیث نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا بھی مومن کی ایک شان ہے۔ تو اس بناء پر پھر آپ اپنے حالات لکھنے پر مائل ہو گئے۔اس بات پر آمادہ کرنے میں معلوم ہوتا ہے زیادہ ہاتھ شیخ اعجاز احمد صاحب (جو علامہ اقبال کے بھتیجے ہیں) اور چوہدری بشیر احمد صاحب کا ہے۔چنانچہ کتاب کے پہلے صفحہ پر آپ نے قرآن کریم کی آیات بھی لکھوادی۔وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔اور نیچے فارسی کا ایک شعر بھی لکھا جو

آپ کی کسرِ نفسی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بہر حال 71ء میں آپ نے پھر بغیر کسی نوٹوں کے محض اپنی یادداشت سے اپنی زندگی کے حالات اور تجربات پر مختصر رنگ میں ہی وہ کتاب تحریر فرمادی۔ جس کا نام بھی پھر آپ نے ''تحدیثِ نعمت'' ہی رکھا۔ گو یہ کتاب تو آپ نے لکھ دی مگر نفس کا احساس پھر بھی اس حد تک غالب رہا کہ جب آپ نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن انگریزی زبان میں شائع فرمایا۔ تو اس میں آپ نے شروع سے لیکر آخر تک اس ساری کتاب میں فرسٹ پرسن کی بجائے تھرڈ پرسن کا صیغہ (یعنی I کی بجائے He کا لفظ) ہی استعمال فرمایا۔ تا ایسا کرنے میں انانیت کو ذرا بھی دخل نہ ہو۔ وہ یہ تھی آپ کی بے نفسی اور منکسر المزاجی کی کیفیت اور یہی آپ کی عظمت کا ایک نشان ہے۔ میرے لئے یہ امر خوشی اور مسرت کا باعث ہے کہ ہالینڈ کا ایک طویل عرصہ آپکے قرب میں اور آپ کی صحبت میں گزارنے کا موقع ملا۔ آپ جس زمانہ میں ججی کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے ان ایام میں اس عاجز کو کثرت کے ساتھ آپ کے آفس انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس (دی ہیگ) جانے کا اور آپ سے ملنے کا موقع ملتا رہا۔ انہی ایام میں جو آپ نے اسلام میں انسانی حقوق یعنی ہیومین رائیٹس (Human Rights) کتاب لکھی۔ اس کی پروف ریڈنگ بھی آپ خود ہی کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے آپ اپنے دفتر ہی میں اکثر اشارہ فرمایا کرتے کہ مَیں ذرا ٹھہر جاؤں تو اکٹھے پروف ریڈنگ ہو جائے۔ اور ان کا کام بھی ہو جائے۔ چنانچہ غالباً یہ ساری کتاب ہی مجھے اس رنگ میں سننے کا موقع مل گیا بہر حال آپ کا کسر نفسی کا جذبہ اپنی نظیر آپ تھا اور انانیت نام کو بھی نہ تھی۔ چنانچہ دوسرا ایڈیشن میں صرف I کو He میں ہی نہیں بدلا بلکہ انکساری کے خیال سے اس انگریزی سوانح کا نام بھی آپ نے Servent of God رکھا تا He کے پیچھے بھی جو جذبات کارفرما ہو سکتے ہیں ان کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے۔

حضرت چوہدری صاحب کا ہالینڈ کی جماعت سے تعلق

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کا اپنی زندگی میں جہاں بھی قیام رہا ان کا وجود ہر جگہ ہی دینی خدمات کے ضمن میں وہاں کی جماعت کیلئے بہت مفید اور برکات کا موجب رہا چنانچہ اس لحاظ سے ہمارا ہالینڈ کا مشن اور وہاں کی جماعت بڑی خوش قسمت ہے کہ انہیں سالہا سال حضرت چوہدری صاحب کے وجود کی برکات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ بلکہ کچھ اتفاق ایسا ہے کہ جب سے ہالینڈ میں اللہ کے گھر کی تعمیر کا پروگرام شروع ہوا حضرت چوہدری صاحب کا خاص تعلق اس بیت الذکر سے رہا چنانچہ مجھے یاد ہے 50ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جب اشارہ موصول ہوا۔ کہ ہالینڈ میں بیت الذکر کی تعمیر کیلئے کوئی مناسب جگہ تلاش کی جائے۔ تو ان ایام میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا گزر ہالینڈ سے ہوا۔ اس وقت بیت الذکر کیلئے زمین کی خرید کا معاملہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس وقت حضرت چوہدری صاحب کی راہنمائی اور آپ کا مشورہ ہمارے لئے بہت ہی برکت کا موجب ہوا۔ اور ہم نے وہ زمین خرید لی۔ اس کے بعد بیت الذکر کی تعمیر کے ضمن میں نقشے وغیرہ کے مراحل تھے۔ ان امور میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا اصلاح مشورہ ہمارے بہت کام آتا رہا۔ آخر تعمیر کی ابتداء بھی ہوئی اور تکمیل پر افتتاح عمل میں آیا ان دونوں اہم مواقع یعنی تعمیر کی ابتدا اور افتتاح کا اعزاز حضور کے ارشاد پر حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آیا۔ بلکہ اس کے بعد حضور ہی کے ایماء سے حضرت چوہدری صاحب نے کچھ عرصہ اپنی رہائش بھی اسی بیت الذکر جو بیت المبارک کے نام سے موسوم ہے کے ایک کمرے میں اختیار فرمائی۔

حضرت چوہدری صاحب اپنے ہالینڈ کے عرصہ قیام کے دوران اکثر اہم جماعتی تقریبات میں بھی اپنی بابرکت حاضری سے جماعت کو مستفیض فرماتے ۔ چنانچہ ایک دفعہ جب عرب کے پرنس فیصل جو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے لارڈ میئر تھے ۔ جماعت کی دعوت پر احمدیہ مشن تشریف لائے ۔ تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے بلکہ حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ کی ملاقات سے لارڈ میئر بہت ہی خوش تھے ۔ خاکسار نے عربی زبان میں ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا اور تحفتہً کچھ کتب بھی پیش کیں ۔ اسی طرح ایک موقع پر ملائیشیا کے وزیراعظم تنکو عبدالرحمان جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقع پر جب نائیجیریا کے وزیر اعظم ڈاکٹر سر ابوبکر تفاوا بلیوا تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہمارے لئے اور معزز مہمانوں کیلئے بڑی مسرت اور شادمانی کا باعث تھی ۔

ہالینڈ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر جوزف لُنز جو بعد میں ایک لمبا عرصہ Nato کے جنرل سیکرٹری بھی رہے ۔ وہ تو حضرت چوہدری صاحب کے بہت مداح تھے ۔ ایک دفعہ جب ہم نے حضرت چوہدری صاحب کو ایک موقع پر پارٹی دی تو ڈاکٹر لنز بڑے شوق سے تشریف لائے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب حضرت چوہدری صاحب سے محو گفتگو رہے ۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سر ابوبکر تفاوا بلیوا صاحب کی تھی ۔ وہ بھی جب آئے تو دیر تک حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ بے تکلفانہ باتیں کرنے میں مشغول رہے ۔ اسی طرح ایک اور موقع پر بھی جو ہم سب کیلئے لطف کا باعث تھا یعنی 60ء میں پاکستان کی عالمی چیمپئن ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت نے اس کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا ۔ اس

موقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہم سب کیلئے ایک لطف کا موجب تھی۔

یہ آپ نے کیا تکلف کر دیا

آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ یہ تھا کہ آپ فضول خرچی اور ظاہری تکلفات سے احتراز کرتے تھے اس تعلق میں آپ کی شادی کے ایام کا ایک واقعہ ذہن میں آ رہا ہے جو وہ بظاہر ایک معمولی سی بات ہے۔ مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ منفرد ہے۔ ہالینڈ ہی کا واقعہ ہے جبکہ کچھ عرصہ کیلئے آپ کی رہائش مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں تھی۔ آپ کی شادی کی تقریب تھی مَیں نے اپنے رفیق مولانا ابوبکر ایوب صاحب سے کہا کہ اگرچہ حضرت چوہدری صاحب کو ظاہری قسم کے تکلفات سے کوئی لگاؤ نہیں اور آپ انہیں پسند نہیں فرماتے۔ مگر آج چونکہ شادی کی تقریب ہے اگر حضرت چوہدری صاحب کے کمرے میں تھوڑے سے پھول گلدان میں لگا کر رکھ دیئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ مَیں نے پھول گملے میں لگا کر آپ کے کمرے میں رکھ دیئے۔ چنانچہ محترم چوہدری صاحب کمرہ میں تشریف لائے اور کمرے میں پھول بھی دیکھے تو اس کے بعد جب کمرے سے باہر تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر کسی قدر زیرلب مسکراتے ہوئے فرمایا حافظ صاحب! ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی کمرہ ویسے بھی ٹھیک ہی تھا۔ وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی۔

وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی

ایک دفعہ میرا بیٹا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چوہدری صاحب اسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ دکھانے لگے کہ وہ اس کمرے میں رہا کرتے تھے۔ میرے لئے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ حضرت چوہدری صاحب کا

سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کیساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔ آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے اور اسے نصائح کیا کرتے۔ حضرت چوہدری صاحب نے جب اسے اپنا کمرہ دکھایا تو وہ کمرہ چونکہ چھوٹا سا تھا اس لئے عزیز نے بے ساختگی سے کہا کہ آپ اس کمرے میں رہا کرتے تھے؟ تو اس پر حضرت چوہدری صاحب نے بھی بے تکلفانہ اور بلا توقف یہ اظہار فرمایا کہ ''عزیز! اس جسم نے آگے جس جگہ رکھا جانا ہے وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی۔'' یہ گفتگو بظاہر بہت سادگی کی حامل تھی مگر یہ سادہ سی گفتگو آپ کے پاک خیالات کی ترجمان ضرور ہے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی کے ساتھ عکاسی کر رہی ہے۔ کہ اس دنیا میں خواہ کیسے بھی رہ رہے ہوں آپ نے اپنے انجام کو دل سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔ بہرحال ہمارے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کو حضرت چوہدری صاحب نے جس سادگی اور بے تکلفی سے اس کے سوال کا جواب دیا۔ وہ اس سے بہت ہی متاثر ہوا اور حضرت چوہدری صاحب کے ان الفاظ کو کبھی نہیں بھولا کہ آگے اس جسم کو جس جگہ رکھا جانا ہے وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی۔ اس فقرہ میں اس کیلئے زندگی بھر کیلئے سبق مضمر تھا۔

جواں عزم

حضرت چوہدری صاحب اکثر مجھ سے میرے بیٹے عزیز اللہ کی صحت کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ فرمایا کہ اس کی صحت کچھ عرصہ سے خراب کیوں جا رہی ہے۔ تو میرے پوچھنے پر عزیز نے جواباً لکھا کہ اس کی وجہ کیا بتاؤں کہ بس اب تو بڑھاپا ہی ہے۔ (غالباً وہ ان ایام میں انصار اللہ میں داخل ہو رہا

تھا) چنانچہ اس کا یہی جواب مَیں نے بے تکلفی سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا۔ میرا جواب سنتے ہی حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میری طرف سے اسے لکھ دینا کہ تم خواہ مخواہ بوڑھے بن رہے ہو۔ مَیں جو تمہارے باپ سے 25 سال بڑا ہوں۔ اب بھی اگر کوئی مجھے بوڑھا کہتا ہے تو طبیعت اسے آسانی سے قبول نہیں کرتی۔ تم نے ابھی سے اپنے آپ کو بوڑھا کہنا شروع کر دیا ہے۔

ایک گلڈر

ایک چھوٹا سا واقعہ ہالینڈ ہی کا ہے۔ ایک دفعہ آپ کو اپنی گھریلو ضرورت کیلئے کچھ مکھن کی ضرورت تھی اتوار کا دن تھا۔ دکانیں بند تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے پاس مکھن کا کوئی زائد پیکٹ ہوگا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا کہ میری جیب میں اس وقت صرف ایک گلڈر ہی ہے۔ ان دنوں مکھن کے پیکٹ کی قیمت ایک گلڈر سے کسی قدر زائد ہی ہوا کرتی تھی۔ فرمایا بس مجھے ایک گلڈر کی قدر کا اس میں سے کاٹ دیجئے۔ زیادہ نہیں اور پھر باوجود اصرار کے انہوں نے اسی قدر ہی اس میں سے لیا۔

گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت تھی

ایک اور صفت جو آپ کی زندگی میں ہمیشہ ایک نمایاں کردار ادا کرتی رہی وہ وقت کی پابندی تھی۔ جس کا آپ ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے۔ آپ جب اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو اس وقت آپ کی یہ صفت خاص طور پر اجاگر ہو کر دنیا کے سامنے آگئی۔ عام طور پر اسمبلی کے ممبران کا یہ طریق تھا کہ تھوڑی بہت تاخیر سے آتے۔ تو اسے محسوس نہ کیا جاتا تھا۔ مگر جب تک یہ نظام آپ کے سپرد

رہا سب کو وقت کی پابندی کا احساس ہو گیا۔اور اجلاس کی تمام کاروائی اپنے وقت پر ہونے لگی۔ایک دفعہ وقت کی پابندی کے ضمن میں فرمایا کہ زندگی میں میرا سیر کا وقت بھی بالکل معین ہوا کرتا تھا۔اس حد تک کہ لوگ مجھے دیکھ کر بعض دفعہ اپنی گھڑیاں درست کرلیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ خود میرے ساتھ ہی ایک واقعہ گزرا۔کہ حضرت چوہدری صاحب کے کسی عزیز کی شادی تھی۔جس کیلئے دو بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔اس تقریب کا انتظام یا اس کی نگرانی حضرت چوہدری صاحب ہی فرما رہے تھے۔اتفاق سے جب میں لندن مشن کے ''محمود ہال'' میں پہنچا تو حضرت چوہدری صاحب ابھی وہاں موجود نہ تھے۔ادھر دو بج رہے تھے۔صرف ایک آدھ منٹ کی کمی ہوگی۔میرے دل میں خیال گزرا کہ حضرت چوہدری صاحب تو وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں خدا جانے ابھی آپ کیوں تشریف نہیں لائے۔مَیں دروازہ میں کھڑا ابھی یہ خیال کر ہی رہا تھا اور اپنی گھڑی سے وقت دیکھ رہا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب ادھر سے نمودار ہوئے۔ اور مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا ''گھڑی دیکھنے کیا ضرورت ہے مَیں جو آ گیا تھا''

حقیقت یہ ہے کہ ایسی نامور ہستیاں جن کو ایک طرف سے روحانی برکات اور دینی خدمات سے وافر حصہ ملا ہو اور دوسری طرف انہیں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور بے پناہ قابلیتوں کے باعث بین الاقوامی شہرت سے بھی نمایاں حصہ ملا ہو بہت کم ہی وجود میں آتی ہیں۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت میں ایسے ہزاروں لاکھوں ظفر اللہ خان پیدا کرے جو

اپنے اعلیٰ کردار سے جماعت کے نام کو بلند کرنے والے اور اس کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے والے اور احمدیت کی نیک شہرت کو چار چاند لگانے والے ہوں۔ (آمین)

(ماہنامہ خالد ربوہ ظفر اللہ خان نمبر دسمبر 85ء جنوری 86ء)

حضرت چوہدری صاحب کے نمونۂ دو خطوط

جہانتک حضرت چوہدری صاحب کے اس عاجز کے نام نوازش ناموں کا تعلق ہے وہ تو بہت ہیں۔ اور یہ تعلق کافی پرانا ہے۔ 40ء سے ہے۔ ان میں سے کچھ میرے پاس اتفاق سے محفوظ بھی ہیں مگر ان سب کا ذکر طوالت کا موجب ہوگا۔ تاہم قارئین اور اپنے اعزّہ کے لئے دو ایک کا ذکر دلچسپی کا موجب ہوگا۔ ان میں سے ایک خط آپ کا نئی دہلی سے 41-12-05 کا ہے جو میرے نام آپ نے قادیان سے تحریر فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں۔

''مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ آپ کا مورخہ 28/اگست شرف صدور لایا۔ جزاکم اللہ۔ مسز نسیم حسین کی بیعت کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور معرفت میں ترقی عطا فرمائے۔ اور خدمت دین کی توفیق دے۔ آمین۔ میاں بیوی بخیریت لاہور پہنچ گئے ہیں۔ 29 نومبر کی شام کو دہلی سے گزرے تھے۔ مَیں بھی اسٹیشن پر ملا تھا۔ کل مَیں بھی لاہور جا رہا ہوں۔ انشاء اللہ وہاں بھی ملوں گا۔ اور جلسہ پر آنے کی تحریک کروں گا۔

انور احمد کی شادی ہوگئی ہے۔ 9 نومبر کو مَیں نے یہاں نکاح پڑھا تھا۔ 20 کو رخصتانہ ہوا۔ 26 کو وہ لاہور سے واپس یہاں آئے اور 30 کو اپنے کام پر کلکتہ

واپس چلے گئے ہیں۔آپ کا خط ان کو دے دیا تھا۔آپ کو یاد تو بہت کرتے ہیں لیکن خط لکھنے میں ذرا سُست ہیں۔

مجھے اپنے موجودہ عہدہ میں بالمقابل سابق کام تو بہت کم ہے لیکن اب میری صحت کا بھی یہی تقاضہ ہو رہا تھا۔گو مَیں نے خود یہ انتخاب نہیں کیا۔وائسرائے صاحب کا اپنا انتخاب ہے۔مَیں نے تو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر قبول کر لیا ہے وہ جس رنگ میں خدمت لینا چاہے۔وہی انسان کیلئے بہتر ہے۔میری صحت کیلئے بھی دعا فرماتے رہیں۔اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے مجھے ہر حالت میں اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر بات میں حامی اور راہنما ہو۔

میں انشاء اللہ دو دن لاہور ٹھہر کر قادیان جاؤں گا۔اور پھر شروع جنوری میں یہاں واپس آؤں گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وحامی و ناصر ہو۔اور آپ کی کوششوں اور ارادوں میں برکت دے۔اور کامیاب اور بامراد اور بخیریت واپس لائے۔آمین۔

والسلام

خاکسار

ظفر اللہ خان "

نوٹ: خط میں جو ذکر ہے کہ انور احمد کی شادی ہوگئی ہے۔اس سے مراد چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں ہیں۔اور مسز نسیم حسین سر فضل حسین کی بہو مراد ہیں۔

اس طرح حضرت چوہدری صاحب کا ایک اور خط جو پہلے خط سے کوئی 30 سال بعد کا ہے۔وہ 11 جولائی 1973ء کا ہے۔جو آپ نے ہیگ (ہالینڈ) سے مجھے

انڈونیشیا تحریر فرمایا جب کہ آپ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے پریذیڈنٹ تھے۔ اور آپ کا وقت بہت مصروف تھا۔ تاہم آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے پھر بھی یاد فرمایا۔ یہ خط بھی باوجود مصروفیت کے آپ کے ہاتھ ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ورنہ بعض دفعہ آپ خط ڈکٹیٹ بھی کروا دیتے ہیں۔ تاہم آپ کے اکثر خط جو میرے نام ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) وہ سب آپ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہی ہیں۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء

بہر حال آپ ہیگ سے 11 جولائی 1973ء والے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مورخہ 14 مارچ اپنے وقت پر مل گیا تھا۔ جزاکم اللہ اس کے ملنے کے بعد خاکسار کو ایک بار تو امریکہ جانا پڑا اور متعدد بار یہاں آنا پڑا ہے۔ کہیں ایک مقام پر جم کر بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس عرصہ میں خط و کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکا۔ دیر سے لکھنے کی معافی چاہتا ہوں۔

عزیز انور احمد اس اثناء میں یورپ اپنے نئے کام کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے۔ بفضل اللہ بخیریت ہیں۔

عزیزم عزیز اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک بار لندن میں ملاقات کا موقع میسر آیا۔ عزیز کی والدہ محترمہ بھی اس کیساتھ لندن تشریف لائی تھیں۔ الحمد للہ۔ عزیز اور ان کی والدہ بفضل اللہ بخیریت ہیں۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ 14 جولائی ہفتہ کے روز لندن تشریف لائیں گے۔ خاکسار انشاء اللہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے لندن پہنچ جائے گا۔

3 تا 10 اگست خاکسار کی حاضری واشنگٹن میں ہے۔ 26 اگست تا 10 ستمبر آئیوری کوسٹ۔ غانا۔ سیرالیون اور گیمبیا کا دورہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

جملہ احباب کی خدمت میں خاکسار کا سلام پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

ظفر اللہ خان "

"جناب عطاء المجیب راشد صاحب۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے قیام انگلستان کے دوران ابھی لندن ہی ٹھہریں گے۔"

نوٹ: اس خط میں حضرت چوہدری صاحب عزیزم عزیز اللہ جو میرا لڑکا ہے اور انگلستان میں اپنی تعلیم کی آخری منزل طے کر رہا تھا اس سے ملنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ حضرت چوہدری صاحب کی نوازش ہے کہ وہ عزیز موصوف سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ اور میری غیر حاضری میں خاص طور پر اس کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

گزشتہ دنوں الفضل میں حضرت چوہدری صاحب کے بارے میں 91ء اور 92ء کے پرچوں میں خاکسار کے تاثرات یا زندگی کے بعض دیگر حالات برادرم مکرم نسیم سیفی صاحب کی نوازش سے شائع ہوئے۔ جو خاصے طویل بھی ہیں۔ اور بہت حد تک دلچسپ بھی۔ مگر طوالت ہی کے پیش یہاں ان کی گنجائش نہیں۔

بہر حال اختصار کے ساتھ پھر جب توفیق ملی ہے وہ یہاں بھی کچھ پیش کر دیئے ہیں۔ گو مجھے اس امر کا احساس ہے کہ واقعات کو بیان کرنے میں مضمون کی بعض دفعہ ترتیب کو خیال میں نہیں رکھا جا سکا۔ جس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہالینڈ کے قیام کے عرصہ میں حضرت چوہدری صاحب کی نوازشات اور شفقت سے اس عاجز کو مختلف رنگوں میں لطف اندوز ہونے کے مواقع ملے۔ دینی خدمات میں آپ کی فیاضی بھی شاہانہ رنگ کی تھی مگر اس کے باوجود اس عاجز سے آپ کی بے تکلفی اور آپ کی دیانتداری بھی اپنی مثال نہیں رکھتی۔ دیانتداری ہی نہیں آپ کی دیانتداری بھی آپ کی ہر حرکت سے عیاں تھی اپنے کاموں میں خواہ آپ کس قدر بھی مصروف ہوں مگر نماز سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ جو ہمارے لئے ایک اہم سبق تھی۔ نمازوں میں التزام اور اہتمام ہی نہیں۔ بلکہ اپنے پورے وقت پر پڑھنے کی کوشش فرماتے۔ اور تہجد کا اہتمام بھی فرماتے۔ بلکہ اشارۃً ہمیں بھی توجہ دلاتے۔ اور ہمیشہ ہی بڑی شفقت، اخوت اور فراخدلی سے پیش آتے۔

آپ کی متعدد اشیاء سے اس عاجز کو متمتع ہونے کا اور برکت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ کا ایک اپنا ذاتی جائے نماز ابھی تک میرے پاس ہے۔ جو آپ کا عطا کیا ہوا ہے۔ اس طرح آپ کا ایک بارشی کوٹ بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ جسے کبھی کبھی استعمال کرتا ہوں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب کو غریق رحمت فرمائے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی اور حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی رفاقت رہی جس کی حسین یاد آج بھی دل کو گرما جاتی ہے۔ ان دنوں جماعت کینیڈا نے ایک خاص تقریب کے موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب اور صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کو تقاریر کیلئے خاص طور پر مدعو کیا تھا اور حُسنِ اتفاق یہ ہے کہ یہ عاجز بھی اس موقع پر مدعو تھا چنانچہ اس عاجز کو بھی تقریر کا موقع ملا اور ان بزرگان کے فیض صحبت سے مستفیض اور لطف اندوز ہوا۔

اس موقعہ پر ہمارے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کی یہ خواہش تھی کہ اس کی بہن جمیلہ کا نکاح حضرت چوہدری صاحب پڑھائیں مگر حضرت چوہدری صاحب کا خیال تھا کہ بہتر ہے کہ یہ نکاح حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے ذریعہ عمل میں آئے۔ حضرت چوہدری صاحب کا کہنا تھا کہ اگر صاحبزادہ صاحب نے کسی رنگ میں معذرت کی تو پھر وہ خود پڑھا دیں گے۔ مگر یہ ہماری سعادت ہے کہ نکاح کا اعلان جو عزیز اسامہ سعید کے ساتھ ہونا قرار پایا تھا اس کا اعلان صاحبزادہ صاحب نے بطیّب خاطر خود ہی فرمایا اور خطبہ نکاح میں بڑے تعریفی رنگ میں ہمارے خاندان کا ذکر فرمایا۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء یہ سب حضور کی اور حضرت چوہدری صاحب کی ذرہ نوازیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں جن سے زندگی بھر لطف اندوز ہونے کے مواقع میسر آئے ورنہ مَیں اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب احمدیت کی برکت ہے اللہ تعالیٰ ہمارے جذباتِ تشکر کو قبول فرمائے۔ اور اپنا فضل ہمیشہ شامل حال اور انجام بخیر کرے۔

ایک اور یاد

اس موقعہ پر ایک اور واقعہ بھی یاد آ رہا ہے۔ جو حضرت چوہدری صاحب کے اوصاف حسنہ کو ایک اور رنگ میں واضح کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا ایک لمبا عرصہ حضرت چوہدری صاحب کی پاک صحبت میں گزرا۔ اور آپ کا قرب بڑی برکات کا حامل تھا۔ آپ کی طبیعت میں ایک صفتِ خاص یہ تھی کہ آپ میں کسی قسم کا تکلف اور تصنع نہ تھا۔ اور ظاہر و باطن ایک تھا اور یہ صفت بھی مومن کی ایک خاص شان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم باوجود خواہش اور کوشش کے بھی اس چیز کو نظر انداز کر

جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ہمارے ہالینڈ میں یورپ کے انچارج مبلغین کی کانفرنس تھی۔ یہ غالباً 68ء کا زمانہ تھا۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت چوہدری صاحب بھی ہالینڈ میں تھے یہ کانفرنس تین دن ہوئی تھی جس کا پہلا دن جمعہ تھا اس غرض کیلئے پریس میں کافی چرچا تھا۔ چنانچہ جمعہ کیلئے عاجز نے حضرت چوہدری صاحب سے عرض کیا تھا ازراہِ کرم آپ خطبہ ارشاد فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے اسے قبول فرمالیا اور جیسا کہ خیال تھا کہ اس موقعہ پر پریس والے بھی ہوں گے اور فوٹوز وغیرہ بھی لئے جائیں گے۔ ہم ذہنی طور پر اس کیلئے تیار بھی تھے اور پریس والوں کا قرار واقعی احترام اور استقبال بھی کیا۔ مگر مسجد کا کمرہ ہمارا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ جماعت کے دوستوں نے تو وہاں ہونا ہی تھا مگر پریس والوں کا اور فوٹو کیمرہ والوں کا ہجوم کچھ اس قدر ہوگیا کہ عام حالات میں اس کا اندازہ ہی نہ تھا۔ بہرحال جمعہ کا وقت ہورہا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب بھی تشریف لائے مگر جب فوٹو کیمرہ والوں کا بہت بڑا ہجوم آپ نے دیکھا تو یہ سارا منظر انہیں بہت غیر طبعی سا کچھ محسوس ہوا۔ کہ وہ ایسے حالات میں خطبہ ارشاد فرمادیں جو اپنے اندر ایک خاص تقدس اور روحانیت کا رنگ رکھتا ہے۔ جہاں اس امر کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضرت چوہدری صاحب کی طبیعت میں تکلف تصنع وغیرہ بالکل نہیں تھا اور نہ کسی رنگ کی ظاہرداری کا بھی کوئی پہلو تھا۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب نے جمعہ کے موقع پر مسجد میں جو اس قدر ہجوم دیکھا تو مسجد کے کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی اس عاجز سے فرمایا حافظ صاحب!''آپ آج خطبہ کا خود کوئی انتظام کرلیں مَیں ایکٹنگ نہیں کرسکتا۔'' یہ فقرہ آپ نے فرمایا اور آپ نے سنتیں شروع فرمادیں گو سنتوں کے بعد پھر مَیں نے ایک دفعہ عرض کی۔ کہ یہ پریس والے آپ ہی کے خیال سے زیادہ تر آئے ہیں۔ مگر آپ اپنے پہلے خیال پر ہی

قائم رہے۔ چنانچہ خطبہ کے لئے پھر میں نے محترم برادرم شیخ ناصر احمد صاحب سے کہہ دیا۔ جو اس وقت کام آ گئے۔ مگر اس سے یہ حقیقت واضح ہے کہ آپ کے اندر تصنع، تکلف یا ایکٹنگ نہیں تھی۔ آپ کے ساتھ گزرے ہوئے بے شمار واقعات یاد آتے ہیں۔ کاش وہ صفات کا رنگ ہم اپنے اندر بھی پیدا کر سکیں۔ بہرحال نماز جمعہ کے بعد حضرت چوہدری صاحب کی پریس والوں کے ساتھ بڑی پُر لطف مجلس رہی۔ جو جماعت اور مشن کیلئے بہرحال بڑی برکت کا اور فائدہ کا موجب بنی۔ فجزا هم الله احسن الجزاء۔

مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا چونکہ ہالینڈ میں بطور انٹرنیشنل جج ایک لمبا عرصہ قیام رہا ہے۔ اس لئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ آپ کا وجود ہمارے مشن کے لئے بہت سی برکات کا موجب تھا آپ اکثر مشن تشریف لاتے دوستوں سے ملتے اور اپنے زریں اور قابل قدر خیالات سے احباب کو اور ہم سب کو متمتع فرماتے۔ چنانچہ کتاب ''تحدیث نعمت'' کے صفحہ 626 پر آپ نے خاص طور پر ہالینڈ مشن کا ذکر فرمایا ہے اور مولانا ابوبکر ایوب صاحب اور خاکسار کا ذکر بھی کیا۔

55ء میں جب مسجد ہالینڈ جس کا مختلف رنگوں میں حضرت چوہدری صاحب سے ابتداء ہی سے تعلق رہا ہے۔ جب تیار ہو گئی تو اس کے بعد حضور اقدس کے ارشاد سے آپ نے چھ ماہ مسجد ہی میں قیام بھی فرمایا اور اسی دوران آپ کی شادی خانہ آبادی بھی عمل میں آئی۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں خاص طور پر اس عاجز کو آپ کی رفاقت اور خدمت کی خاص سعادت حاصل رہی جو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس دوران برادرم محترم مولانا ابوبکر ایوب صاحب بھی بطور نائب ہالینڈ مشن میں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب اور آپ کی بیگم محترمہ کے ساتھ گزرے ہوئے

دن خاص طور پر یاد آتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

مکرم جناب چوہدری صاحب کے دل میں مولانا ابوبکر ایوب صاحب آف انڈونیشیا کا ان کی پاکیزگی، دینداری اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے بہت احترام تھا اور مکرم مولانا صاحب بھی آپ پر جان فدا کرتے تھے مکرم مولانا ابوبکر ایوب صاحب کو خدا تعالیٰ نے پھر دوبارہ بھی ہالینڈ آنے کی توفیق دی اور پھر یہیں بحالت جہاد وفات پائی۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔ان کی نعش حضور اقدس کے ارشاد سے ربوہ لائی گئی اور وہ وہاں ہی مقبرہ بہشتی میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے شمار برکتوں سے نوازے۔ میرے ساتھ ان کے بڑے گہرے مراسم تھے مجھے ان کے ساتھ انڈونیشیا میں بھی کام کا موقعہ ملا۔ بہت ہی بلند کردار کے مالک تھے اور انڈونیشیا کے اولین اصحاب میں سے تھے۔ جنہوں نے قادیان میں تعلیم حاصل کی۔ یہ 24ء کا زمانہ تھا جب وہ قادیان میں تھے۔

میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ سلمہ کے ساتھ مکرم جناب چوہدری صاحب بڑی شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ جب انگلستان تشریف لے جاتے تو عزیز موصوف کو بھی یاد فرما لیتے اور کچھ وقت اس کے ساتھ گزارتے۔ آخر جب عزیز موصوف نے لندن یونیورسٹی میں تعلیم شروع کی اور اس کی رہائش کا سوال زیر غور تھا تو آپ نے بڑی توجہ کے ساتھ اس کی رہائش تلاش کرنے اور پھر عزیز موصوف کو خود وہاں پہنچانے میں قرار واقعی مدد فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

ایک دفعہ 68ء کے سالانہ جلسہ سالانہ پر جب مَیں پاکستان میں تھا اور اپنے لڑکے عزیزم عزیز اللہ سے ملے بھی کچھ وقت ہو گیا تھا۔ مکرم جناب چوہدری صاحب سے سٹیج پر ملاقات ہوئی تو آپ نے عمومی رنگ میں جیسا کہ آپ ہمیشہ پوچھا

کرتے تھے عزیزم عزیز اللہ سلمہ کے متعلق دریافت فرمایا کہ اس کا (انگلستان میں) کیا حال ہے ۔ تو مَیں نے عرض کی کہ وہ کچھ اداس سا معلوم ہوتا ہے ۔ تو حیرانی سے فرمانے لگے ۔ اچھا! مجھے تو اس نے کوئی ایسا تاثر نہیں دیا ۔ پھر فرمایا ۔ کہ اچھا واپس جا کر مَیں اس کا خیال رکھوں گا ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ پھر فرمایا ۔ کہ پہلا تعلق تو اس سے آپ کی وجہ سے ہوا تھا ۔ مگر اب آپ کا واسطہ درمیان میں ہونے کی حاجت نہیں ۔ یہ الفاظ اس عاجز کے لئے بڑی ڈھارس کا موجب تھے آپ کا سلوک اس عاجز سے بھی شفقت اور محبت کا تھا اور میرا خیال ہے آپ اکثر اپنی دعاؤں میں بھی اس عاجز کو یاد رکھا کرتے تھے ۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء ۔

اسی طرح آپ کی خدا یادی اور تشکر کا ایک اور چھوٹا سا واقعہ بھی اکثر یاد آتا ہے ۔ ایک دفعہ مشن کے کچن میں ہم تینوں ۔ مکرم جناب چوہدری صاحب ۔ مکرم مولانا ابوبکر صاحب اور یہ خاکسار میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے تو کھانا کھاتے کھاتے آپ پر کچھ رقت سی طاری ہوگئی ۔ اور ایسے معلوم پڑا جیسے آنکھیں ڈبڈبا آئی ہیں ۔ مکرم مولانا صاحب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہیں احساس سا ہوا کہ شائد سالن تیز نہ ہو ۔ جس کی وجہ سے آپ کی آنکھیں بھر آئی ہیں ۔ انہوں نے از راہِ ہمدردی پوچھا ۔ کہ محترم! سالن تیز تو نہیں ۔ فرمایا ۔ نہیں! اور پھر کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ یونہی خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی نعمتوں کو یاد کر کے آنکھیں کچھ ڈبڈبا سی آئیں اور کوئی خاص بات نہ تھی اس کے بعد کچھ دیر ہم بھی خاموش رہے ۔ اور مکرم جناب چوہدری صاحب بھی اس کے کچھ وقت بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں جن سے ہم شب و روز لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسی نعمتوں کے اہل نہیں یہ محض خدا کا احسان ہے ۔ بس ایسے ہی جذبات کے ساتھ پھر ہمارے

کچھ لمحات گزرے۔ بہر حال وہ وقت جو محترم موصوف کے قرب میں گزرا۔ اور آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ میری زندگی کی حسین ترین یادوں کا زمانہ تھا۔ جو میری یادوں کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔

آپ لین دین کے معاملہ میں از حد محتاط ہی نہیں حد درجہ دیانتدار اور انصاف پسند بھی تھے۔ کھانے پینے کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی جو کبھی لینے کی ضرورت پیش آئی تو اس کی قیمت ادا کرتے اور پائی پائی تک کا حساب رکھتے اور بھولتے نہ تھے آپ کی اس طرز میں ہمارے واسطے بھی ایک سبق تھا اور بہت بڑا سبق تھا۔ نمازوں کی ادائیگی میں بھی آپ بہت باقاعدہ تھے حتیٰ کہ صبح کی نماز یورپین ممالک میں بعض دفعہ تہجد کی نماز سے بھی زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ ہمیشہ وقت پر ادا فرماتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے بلکہ نہایت لطیف رنگ میں ہمیں بھی اس کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ خصوصاً گرمیوں کے موسم میں جب کبھی مسجد تشریف لاتے تو بسا اوقات ہم سے دریافت فرماتے حافظ صاحب! آج کل سورج کتنے بجے نکلتا ہے یہ دراصل اسی طرف اشارہ ہوتا کہ صبح کی نماز حتیٰ الامکان وقت پر ادا ہو سکے تو اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ مگر جب محبت اور لطف کے ساتھ آپ اس کی طرف توجہ دلاتے اس کا لطف ہمیشہ ہی یاد رہے گا۔ ایک اور صفت آپ کی یہ تھی کہ آپ اپنے کام میں بہت باقاعدہ تھے اور وقت کبھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ یادداشت آپ کی غضب کی تھی۔ اور یہ امور آپ کی زندگی کا حصہ تھے۔ جس کی داستان کافی وقت طلب ہے۔ جہاں تک آپ کی یادداشت کا تعلق ہے اس ضمن میں آپ کا صرف ایک کارنامہ قارئین کے سامنے رکھتا ہوں کہ آپ نے اپنی زندگی کے حالات پر جو ''تحدیث نعمت'' کتاب تحریر فرمائی وہ ساری کی ساری شروع سے لیکر آخر تک اپنی یادداشت ہی سے

تحریر فرمائی اس کے لئے آپ کے پاس کوئی نوٹ وغیرہ نہیں تھے نہ آپ نے کہیں اپنی ڈائری لکھی ہوئی تھی کہ وہاں سے واقعات کی تاریخیں یا وقت وغیرہ دیکھتے بلکہ سب کچھ زبانی ہی تھا اور اپنی یادداشت کی بنا پر تھا ایسا حافظہ بھی کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

یورپ کے مشنوں میں ہالینڈ کے علاوہ لندن مشن کو بھی یہ فخر حاصل ہے جہاں حضرت چوہدری صاحب نے اپنی زندگی کا ایک خاصہ حصہ گزارا۔لندن میں آپ کا خاص قرب مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب کو حاصل رہا۔ یا پھر مکرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب اور دوسرے احباب کو مگر مجھے خوشی ہے کہ ہالینڈ مشن کو یہ سعادت اور برکت حاصل ہوئی کہ اس مشن کو ایک عرصہ دراز مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی معیت حاصل رہی ہر چند کے محترم موصوف ڈچ زبان سے ناواقف تھے مگر اس کے باوجود آپ کا مقدس وجود جماعت کیلئے اور وہاں کے مشن کے لئے ایک خاص برکت کا موجب تھا اللہ تعالیٰ آپ کو اس فیض رسانی کی اور اس بابرکت تعلق کی بہتر رنگ میں جزا عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ نے اپنے اس تعلق کا اپنی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں خصوصیت کے ساتھ ایک جگہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ میں بھی ان کے اس اظہار کو ''تحدیث نعمت'' کے طور پر یہاں درج کرتا ہوں۔

تحدیث نعمت میں ذکر

آپ فرماتے ہیں ''ہیگ میں مسجد احمدیہ کا ہونا میرے لئے بڑی روحانی تسکین کا موجب تھا یہ مسجد بفضل اللہ لندن کی احمدیہ مسجد کی طرح جماعت احمدیہ کی خواتین کی مالی قربانیوں کی مثالی یادگار ہے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے اور عمارت کے مکمل

ہو جانے پر اس کے افتتاح کی سعادت بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی ذرہ نوازی سے مجھے نصیب ہوئی ۔ میرے قیام کے عرصہ میں حافظ قدرت اللہ صاحب امام اور مولوی محمد ایوب صاحب ساٹری نائب امام تھے ۔ ان دونوں مخلصین کا نیک نمونہ میرے لئے مشعل راہ تھا ۔ (تحدیث نعمت صفحہ 626 ایڈیشن اول)

میرے لئے یہ امر بھی مسرت اور فخر کا موجب ہے کہ حضرت محترم جناب چوہدری صاحب نے اپنی سوانح ''تحدیث نعمت'' کتاب کی جو کاپی اس عاجز اور ناچیز کی طرف منسوب کی ۔ اس پر تحریر فرمایا ''بخدمت محترم جناب حافظ قدرت اللہ صاحب بصد جذبات اخلاص و نیاز خاکسار ظفر اللہ خان 29-9-1979 (لندن)۔

بعض دیگر کرم فرما اور محبّین

محترم چوہدری عبداللہ خاں صاحب

جہانتک حضرت چوہدری صاحب کی شفقتوں کا اور نوازشات کا تعلق ہے۔ وہ تو اس عاجز پر بے حساب تھیں ۔ اور ہر قسم کی کمزوریوں کے باوجود مسلسل رہیں۔ ان کا ذکر اختصار کے ساتھ تو مَیں نے کچھ کردیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ عاجز کو جہاں بھی رہنے کا یا جانے کا موقع ملا۔ خواہ وہ ہالینڈ ہو۔ یا انڈونیشیا، افریقہ ہو یا امریکہ اور کینیڈا اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب جگہ ہی دوست احباب نے شفقتوں کا اور مہربانیوں کا اظہار فرمایا۔ اور یہ اللہ کا فضل قادیان میں بھی ربوہ میں بھی اور پھر لندن میں بھی جاری وساری ہے ۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ بہر حال دوست اکثر یاد آتے ہیں اور بہت یاد آتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کے ذکر کے ساتھ ان کے بھائی محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ کراچی کی دلنشیں اور میٹھی یاد بھی ہمیشہ ہی رہی ہے۔ حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کو بھی ان سے خاص محبت تھی ۔ چنانچہ جب چوہدری عبداللہ خان صاحب فوت ہوئے تو حضرت چوہدری صاحب نے اس کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ اور بہت ہی غمگین ہوئے اور بار بار مجھ سے ان کا ذکر فرماتے رہے۔ وہ بھی ایک بے نظیر وجود اور بزرگ ہستی تھے۔ اور میرے ساتھ تو ان کا تعلق بڑا ہی مشفقانہ تھا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ میرے ساتھ تو وہ ہمیشہ ہی

بڑی بے تکلفانہ شفقت سے پیش آتے تھے۔ان کے مخلصانہ تعلق کی صرف ایک مثال یہاں مَیں پیش کرتا ہوں۔

غالبًا 50ء کی بات ہے مَیں نے ایک دفعہ ایک مفلر تحفۃً اپنے دوست مکرم ثاقب صاحب زیروی کو ہالینڈ سے بھیجا۔محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب کے مکرم ثاقب صاحب کے ساتھ بھی بے تکلفانہ تعلقات تھے۔انہوں نے جب کچھ غیر معمولی سا یہ مفلر ثاقب صاحب کے گلے میں دیکھا۔تو دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لیا ہے۔ثاقب صاحب پہلے تو خاموش رہے۔ پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ یہ برادرم حافظ صاحب نے ہالینڈ سے بھیجا ہے محترم چوہدری صاحب نے جب یہ سنا تو سنتے ہی یہ مفلر ان کے گلے سے کھینچ لیا اور فرمایا کہ یہ پھر تمہارا نہیں میرا ہے۔اور پھر اسے وہ پہنتے ہی رہے۔کیونکہ اس کے بعد ایک دفعہ جب میں پاکستان آیا اور جمعہ کا وقت تھا لوگ انتظار میں بیٹھے تھے میں بھی ربوہ کی مسجد مبارک میں درمیان میں کسی جگہ بیٹھا تھا وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف تشریف لائے اور سب لوگوں کے درمیان مجھ سے ملے معانقہ کیا اس وقت وہ یہی مفلر خود پہنے ہوئے تھے۔ چنانچہ معانقہ کے دوران ہی مفلر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا کہ اس مفلر کو پہچانتے ہو؟..........کتنا عظیم شخص تھا۔وہ انسان اور کس قدر شفقت کا اظہار!اتنی معمولی سی چیز پران کا یہ انداز!اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور انہیں اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

مکرم جناب ثاقب زیروی صاحب

حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب کے ضمن میں میرے عزیز دوست

مکرم ثاقب صاحب زیروی کا ذکر بھی آ گیا اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً کچھ ان کا ذکر بھی ہو جائے کہ ان کے ذکر کے بغیر ان حالات میں بھی ایک کمی سی محسوس ہوگی کیونکہ ان کی محبت بھری شفقتوں کے اور ان کے حسن سلوک سے میں زندگی بھر محظوظ ہوتا رہا ہوں بلکہ ہو رہا ہوں۔ یہ محترم جناب ثاقب صاحب زیروی ہی ہیں۔ جن کے بے شمار محبت بھرے خطوط میرے پاس محفوظ بھی پڑے ہیں۔ ویسے ضمناً ذکر تو ایک آدھ جگہ آیا بھی ہے۔ مگر ان سے تعلق بہت گہرا ہے۔ اور ان تعلقات کی ابتداء بہت پرانی ہے۔ پچاس سال سے بھی زائد عرصہ سے مجھے تو یہ واقعہ بھول ہی چکا تھا مگر گزشتہ دنوں مکرم جناب ثاقب صاحب کے ایک مضمون ہی نے جو رسالہ خالد میں 83ء میں شائع ہوا تو اس کی یاد تازہ ہوگئی۔ یہ واقعہ خدام الاحمدیہ کی ابتداء کا ہے۔ جب کہ پہلی دفعہ قادیان کے ایک جلسہ میں محترم ثاقب صاحب کو نظم پڑھنے کا موقع ملا۔ اور آپ کی نظم اور آپ کی آواز بہت مقبول ہوئی۔ ان دنوں آپ مکرم مولانا محمد سلیم صاحب کے مہمان تھے جو محلّہ دارالبرکات قادیان میں رہتے تھے اور بالکل ہمارے پڑوس میں تھے اور ویسے بھی وہ ہمارے رشتہ دار تھے۔ اور میل جول بہت تھا پہلی دفعہ جب بڑی مشکل سے مکرم ثاقب صاحب کو جلسہ مسجد اقصیٰ میں نظم کی اجازت ملی اور بہت مقبول ہوئی۔ تو اسکے بعد کا حال میں محترم ثاقب صاحب کے الفاظ میں ہی درج کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں۔

''شام کے وقت مَیں اور مولوی محمد سلیم صاحب جب گھر کو لوٹ رہے تھے ہر گلی میں اس نظم کے آلاپے جانے کی صدائیں بلند تھیں۔ جنہیں سن کر بار بار میرے ہونٹوں پر الحمدللہ کے الفاظ جاری تھے۔ گھر پہنچے کھانا کھایا۔ نماز عشاء پڑھی اور لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی مولوی صاحب دروازہ تک گئے اور

واپس آ کر کہا خدام آپ کو لینے آئے ہیں۔ باہر گیا دونوں صاحبوں نے حافظ قدرت اللہ اور اغلباً چوہدری غلام یٰسین نام بتا کر اپنا تعارف کرایا ان کے ساتھ بارہ تیرہ سال کی عمر کا گورا چٹا ایک طفل بھی تھا حافظ صاحب نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ فوراً مسجد اقصیٰ میں پہنچ جائیں اور ساتھ ہی وفد کے تیسرے رکن نے کہا امی جان نے کہا ہے کہ آپ کل صبح ناشتہ ہمارے ہاں کریں مَیں نے کہا مَیں ضرور حاضر ہو جاؤں گا مگر آپ اپنا تعارف تو کرائیں کہ مجھے صبح کہاں پہنچنا ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے کہا یہ ارشاد حضرت ام طاہر (نور اللہ مرقدہا) کا ہے اور آپ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد ہیں۔

اور مَیں نے پہلے ارشاد کے جواب میں ازراہ تکلف شاعرانہ عرض کیا

اس وقت میرے سر میں قدرے درد ہے مَیں صبح میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب) کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

وہ فوراً بولے حضرت میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر شاعر کچھ نخرے وغیرہ کرے تو اسے اُٹھا کر لے آئیں۔

اللہ اللہ۔ چند ہی گھنٹوں میں زمین و آسمان تبدیل ہو گئے تھے۔ یہ سنتے ہی شکر کے جذبات سے لبریز دل تصور ہی تصور میں آستانہ الوہیت پر سجدہ ریز ہو گیا۔ فوراً اندر گیا شیروانی پہنی۔ بیاض ہاتھ میں لی اور ساتھ ہو لیا۔"

تو یہ تھا محترم ثاقب صاحب سے میرا پہلا تعارف۔ جس کے بعد ان کے حسن سلوک نے مجھے اور بھی زیادہ اور بہت زیادہ ان کے قریب کر دیا اور زندگی بھر اس کا لطف اٹھایا۔ اللہ ان کے ذوق میں ان کے قلم میں اور ان کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ آمین۔

محترم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب

محترم جناب چوہدری عبداللہ خان صاحب (کہ وہ بھی سابق امیر جماعت) کراچی تھے کا ذکر ہوا ہے تو ان کے ساتھ محترم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب کی یاد بھی آرہی ہے ۔جن کا مشفقانہ اور محبت بھرا سلوک اب تک جاری و ساری ہے ۔اور باوجود اپنی گونا گوں مصروفیات کے وہ اس عاجز کو بھولے نہیں وہ جب کبھی بھی لندن آئے ۔ان کیساتھ پُر لطف مجالس رہیں ۔ان کے ساتھ تعلق تو کافی پرانا ہے ۔کیونکہ جب کبھی آتے جاتے کراچی سے گزر ہوا تو ان کی شفقت سے اور انکی مہمان نوازی سے بھی حصہ لیا ۔اور ان کے محبت بھرے خطوط کا سلسلہ تو اب تک جاری ہے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کرمفرمائیوں کا بہتر اجر عطاء فرمائے ۔ان کی عمر اور صحت میں برکت دے ۔اور خوش رکھے ۔ان کی پُر لطف مجالس اب بھی یاد آتی ہیں تو ان جذبات کے ساتھ یاد آتی ہیں کہ ؎

تجھ کو اس لُطف کی اللہ جزا دے ساقی !

مخلص ڈچ بھائی ہبۃ النور

اس جگہ مَیں اپنے محترم اور نہایت مشفق اور مخلص ڈچ بھائی عزیز ہبۃ النور فرحاخن صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ جو میرے زمانہ سے ہی جماعت میں دلچسپی لے رہے تھے ۔طبیعت کے نہایت باوقار اور متحمل مزاج تھے ۔فطرت ان کی نیک تھی ۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور ایمان میں اور بھی ترقی دی ۔اب وہ سالہا سال سے جماعت احمدیہ ہالینڈ کے امیر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں ۔اور میرے ساتھ بھی باوجود دور ہونے کے باقاعدہ تعلق رکھتے ہیں اور ہمیشہ

جب بھی ملتے ہیں بڑے خلوص اور محبت سے ملتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے ۔ اب بھی 93ء میں جب وہ حضور اقدس کی صاحبزادی کی رخصتی پر انگلستان تشریف لائے تو بڑے اخلاص سے میرے لئے تحفہ بھی لائے ۔ان سے ملاقات کر کے ہمیشہ ایک لطف محسوس ہوتا ہے۔ مجھے ایک اور خاص ملاقات بھی ان سے یاد آرہی ہے ۔جو جماعت کی صد سالہ جوبلی کے موقع پر ہالینڈ میں ان سے ہوئی ۔ ان کی طرف سے جوبلی کی تقریب پر خطاب کیلئے مجھے بھی بلایا گیا۔(اس موقع پر حضور اقدس بھی وہاں تھے) گو تقریب کا پروگرام تو ذرا لمبا تھا۔مگر وقت کی تنگی کے پیش نظر حضور اقدس نے صرف محترم عزیز فرحاخن اور اس عاجز کو ہی خطاب کا ارشاد فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

یہ تقریب بھی ہمیشہ یادرہے گی ۔ہالینڈ مشن کے تعلق میں یہاں میں اپنے بعض احباء اور کرم فرماؤں کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس عاجز کیساتھ لمبا عرصہ کام کیا ۔ اور مشن کے ساتھ مخلصانہ تعاون فرمایا۔ اور بے لوث خدمت کی جن میں سے ایک میرے پرانے ساتھی مولانا غلام احمد صاحب بشیر تھے ۔ جواب فوت ہو چکے ہیں ۔اللہ انہیں غریق رحمت کرے ۔

ان کے علاوہ محترم برادرم مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل جو میرے خاص ساتھی رہے ہیں اور جنہوں نے سالہا سال اس عاجز کے ساتھ کام کیا۔ اور بہت اخلاص اور محبت اور قربانی سے کام کیا۔ بلکہ میرے بعد وہ اب بھی ہالینڈ مشن میں کام کر رہے ہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کی مخلصانہ جذبات کو قبول فرمائے ۔اور انجام بخیر کرے ۔ان کے علاوہ بعض اور دوست بھی وقتاً فوقتاً آئے جن میں سے محترم مولانا ابوبکر ایوب صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ جن کا ذکر اوپر حضرت چوہدری صاحب نے بھی

کیا ہے پھر برادرم اللہ بخش صادق صاحب اور برادرم ناصر احمد شمس صاحب نے بھی ایک عرصہ بطور مربی بڑے اخلاص اور محبت سے کام کیا ہے۔ پھر ہمارے ایک ڈچ پرانے دوست جو مبلغ تو نہیں ہیں مگر وہ نوجوانی کی عمر میں ہی احمدیت میں داخل ہوئے اور پھر وہ مشن کے ہی ہو کر رہ گئے۔ ان کا نام حمیدؔ (Van der Felden) (فان درفیلڈن) ہے۔ وہ بطور مشن کے سیکرٹری ہی سالہا سال سے کام کر رہے ہیں اللہ ان کے اخلاص و ایمان میں برکت دے۔ آمین

میرا شعری ذوق

اپنی قادیان کی زندگی کی دلچسپیات کا کچھ حصہ تو میں نے اختصار کیساتھ بیان کیا ہے مگر جو ان میں سے محض اشارۃً ہی بیان ہوئی ہیں اور بعض کچھ ایسی ہیں جو بالکل ہی بیان نہیں ہو سکیں نہ اختصار کے ساتھ اور نہ اشارۃً ہی۔ کیونکہ ایسے مختصر کتابچہ میں زندگی کی ساری مصروفیات کو تحریر میں لانا ممکن نہیں ہوتا۔ اور یہ چیز جس کا میں اب خیال کر رہا ہوں وہ میرا شعری ذوق ہے گو شعر کہنے کا ملکہ تو مجھ میں نہیں اور نہ کبھی کوئی شعر ہی کبھی کہا ہے۔ مگر شعری ادب کے ساتھ ایک ذوق اور دلچسپی مجھے ضرور ہے۔ چنانچہ شعروں کا انتخاب بھی میرے پاس خاصہ ہے۔ جن میں جذبات بھی ہیں۔ ادب بھی ہے۔ مزاح بھی ہے۔ اور ہر قسم کا مواد جمع ہے۔ چنانچہ میرے انتخاب میں سے ایک کا نام ''دیوان حافظ'' بھی ہے۔ ان میں سے اکثر اشعار زبانِ زد بھی ہیں۔ جو روزمرہ کے لکھنے پڑھنے میں بھی کام آتے رہتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ

جنہیں ہم یاد کرتے ہیں شب و روز
خدا جانے انہیں بھی یاد ہوں میں!

یا جب کبھی کسی سے ملنے گئے اور وہ نہ ملا تو یہ شعر کہہ کر آ گئے۔

ہم اس کی جستجو میں۔ وہ بزم ہاؤ و ہو میں
وہ میری بیقراری یہ تیری بے نیازی

یا کسی سے کوئی امید تھی وہ بَر نہ آئی ۔تو یہ لکھ دیا۔

ہم نے تمہارے بعد نہ رکھی کسی سے آس
اک تجربہ بہت ہے بڑے کام آئے گا

یا پھر ہلکے رنگ میں یہ بھی لکھا جا سکتا ہے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

یا کسی کی طرف سے خود ہی مجبوری کا اظہار کر دیا۔

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں تو کوئی بے وفا نہیں ہوتا

اگر شکوہ بھی کرنا ہو تو یوں لکھ دیا۔

ہم کو بُھلا کے آج وہ یوں مطمئن سے ہیں
جیسے ہماری ان سے کوئی آگہی نہ تھی

یا پھر اس طرح لکھ کر دل کو تسلی دے لی۔

ہم سے بدل گئی ہیں نگاہیں تو کیا ہوا
جیتے ہیں کتنے لوگ محبت کیے بغیر

ایک شاعر کہتا ہے۔

چاند کو تشبیہ دے دی ان سے وہ جل بُھن گئے
وصل کی شب ہم سے یہ کیسا بلنڈر ہو گیا

یا اگر محبت سے یاد کرنا ہو تو یوں لکھ دیا۔

کچھ لوگ کسی طور بھی آتے ہی نہیں یاد
کچھ لوگ کسی طور بُھلائے نہیں جاتے

؎ میرے اشکوں کو ان کی یاد سے کیا کیا تعلق ہے
آیا جو ان کا خیال تو آنکھیں بھگو گیا

اپنا اور محبوب کا فرق

؎ ہم نے پھولوں کو چھوا، کانٹا ہوئے، مرجھا گئے
اس نے کانٹوں پہ قدم رکھا گلستاں کر دیا

متفرقات ؎ گزر چکی ہے جو احسان انکی محفل میں
انہی قرار کی گھڑیوں نے بیقرار کیا

نازک خیالی کے ضمن میں بھی بے تکلفانہ رنگ کا ایک شعر ملاحظہ فرمالیں۔

؎ کیا نزاکت ہے کہ عارض ان کے نیلے پڑ گئے
ہم نے تو بوسہ لیا تھا خواب میں تصویر کا

میری روح کی حقیقت مرے آنسوؤں سے پوچھو
کہ یہ مجلسی تبسم مرا ترجماں نہیں ہے

عشق کی چوٹ تو پڑی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

مَیں نے بلبل سے جو پوچھا دردِ فرقت کا علاج
شاخ گل سے گر پڑی ۔تڑپی، تڑپ کر مرگئی

مَیں ہنستا ہوں مگر اے دوست ہنسنے والے
لئے پھرتے ہیں سجدوں کی تڑپ اپنی جیبوں میں

ایک پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

وہ تو دل لے کے بھول جاتے ہیں
ہم کو احساں کا پاس رہتا ہے

دنیا کی عام جہالت دیکھ کر

انساں کی دید کو مری آنکھیں ترس گئیں
چہروں پہ اک نقاب سی ڈالے ہوئے ہیں لوگ

دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اِک تیرے آنے سے پہلے اک تیرے جانے کے بعد

وہ اگر بھول بھی جائیں تو یہ ان کی مرضی
میری بات اَور ہے مَیں نے تو محبت کی ہے

مبالغہ آمیزی

آہ! دریا پہ کروں ۔ نالہ کروں صحرا میں
مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں
اس نے شانوں پہ زلف برہم کی
خیر یارب ! نظام عالم کی ؟

تمثیل

پوچھا جو ان سے چاند نکلتا ہے کس طرح؟
زلفوں کو رُخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں !

بعض دفعہ کوئی بے تکلف حال پوچھتا ہے تو یوں بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

جوش و خروش ۔تاب و تواں ۔ جا چکے ہیں ۔داغؔ
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا !

اورآخرایک دن

اک روز زمیں اوڑھ کے سو جائیں گے ہم بھی (حافظ)

آخر پر میں عربی کا شعر بھی ایک لکھ دیتا ہوں جو اپنے تعلیمی زمانے کا مجھے یاد ہے۔اوراپنے مضمون کے لحاظ سے یاد بھی آتا رہتا ہے۔

انّ الحیاۃ رِوایۃُ لمعصن مُشخّص
فَا اللّیلُ سِترُوَ النّھارُ المَلعَبُ

کہ یہ انسانی زندگی ایسی ہے جیسے انسان ڈرامہ کھیل رہا ہے۔جب رات ہوتی ہے تو سین (Scene) ڈراپ ہو جاتا ہے اور جب دن چڑھتا ہے تو ڈرامہ پھر شروع ہو جاتا ہے۔

حسن رہتاسی:

قادیان کے ایک شاعر جو مجھے خاص طور پر پسند تھے وہ یاد آ رہے ہیں اور وہ حسن رہتاسی تھے جو اصلی اور طبعی شاعر تھے اور فی البدیہ اشعار کہتے تھے اور بڑے مخلص احمدی تھے۔ہمارے گھر ان کا آنا جانا بھی کافی تھا۔برادرم محترم انور صاحب کے پاس تو ان کے نادر اشعار کا ذخیرہ بھی کافی تھا۔اور مجھے بھی ان کے اشعار کافی

زبانی یاد ہیں۔ ہماری نئی پود کیلئے تو ان کا منظوم کلام اور بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ چنانچہ مثال کے طور پر اپنی یاد سے کچھ لکھ بھی دیتا ہوں۔فرماتے ہیں۔

حصاروں ۔ریگزاروں ۔کوہساروں ۔ آبشاروں تک
پیاروں ۔جانثاروں ۔ خاکساروں ۔ تاجداروں تک
غرض پورب سے پچھّم تک اُدھر اُتر سے تا دکّن
تیری تبلیغ پہنچاؤں گا دنیا کے کناروں تک

پھر فرماتے ہیں

قادیاں۔ مانا تیری آب وہوا اچھی ہے
رات دن اچھے ۔تیری صبح و مسا اچھی ہے
لیکن اِک چیز جو نایاب ہے دنیا بھر میں
وہ تیرے ابنِ مسیحا کی دُعا اچھی ہے
قادیاں۔ تو درسگاہ علّمَ الالقرآن ہے
بحر ناپیدا کنارِ علم و العرفان ہے
تیرے اجزائے عناصر کہہ رہے ہیں صاف صاف
ق ہے قرآن کا ۔ باقی جو ہے اَدیان ہے

پھر فرماتے ہیں

ہم نے مانا کہ کوئی آبِ بقا تک پہنچا
کوئی ایپلین میں اُڑا۔ اُڑ کے سما تک پہنچا
یوں بھی پہنچے ہیں بہت دور پہنچنے والے
پہنچا اس شخص کو کہیئے جو خدا تک پہنچا

پھر حسؔن صاحب کی طبیعت میں مزاح بھی تھا چنانچہ جابجا ان کے کلام میں مزاح بھی نظر آتا ہے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب سے ملنے گئے تو اندر یہ شعر لکھ کر بھجوا دیا۔

آپ ہیں سر اور مَیں ہوں دردِ سر
دردِ سر۔ سر چھوڑ کر جائے کہاں ؟

اس شعر کو پڑھتے ہی حضرت چوہدری صاحب باہر تشریف لے آئے۔

حسؔن صاحب ایک دفعہ ایک محفل مشاعرہ میں گئے تو ناظمین نے ان کی ظاہری سادگی وغیرہ سے ان کا کچھ زیادہ خیال نہ کیا تاہم آخر پر انہیں کچھ وقت دے ہی دیا تو حسؔن صاحب نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھ دی۔ جس سے ساری مجلس زعفران ہوگئی۔ فرماتے ہیں۔

آخیر وقت مجھ کو ملا نظم کے لئے
شایاں ضرور تھا۔ نہ میں اِس بزم کے لئے
اس میں بھی ایک راز ہے وہ بھی بتائے دوں
ملّا سمجھ کے مجھ کو رکھا ختم کے لئے

ایک دفعہ دارالبرکات قادیان میں دوپہر کے وقت ہمارے گھر ہی آرہے تھے۔ حسؔن صاحب کے میرے ابا جان محترم کے ساتھ اچھے مراسم تھے اور میرے بھائی جان انور صاحب کے ساتھ بھی۔ ابا جان نے تو انہیں کہا ہوا تھا کہ حسؔن صاحب جب بھی آپ کا یہاں سے گزر ہو اور دوپہر کو آرام کرنے کی ضرورت ہو تو تشریف لے آیا کریں۔ چنانچہ وہ اکثر آجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آئے تو راستے میں کچھ مزدور سائے تلے بیٹھے تھے ایک آدھ کو کھانسی بھی کچھ آئی ہوگی۔ سامنے ملک غلام فرید

صاحب کا مکان تھا جس کی چھت پر ایریل کے دو بانس نظر آئے تو اسی وقت ایک رباعی زبانِ زد ہوگئی ۔ فرمایا

حلق میں مکھی چلی جائے تو فوراً کھانس دو
کوفتہ مزدور بیچارے کو لینے سانس دو
ریڈیو لینے کی گر خواہش ہو پیدا آپ میں
ریڈیو لینے سے پہلے لیجئے گا بانس دو

پھر ایک دفعہ حسؔن صاحب ایک دعوت پر گئے تو انہیں وہاں کھانا کچھ ایسا ویسا ہی ملا تو اسی پر بھی ایک رباعی ہوگئی ۔ جیسے

کھانے گئے تھے بیاہ کی روٹی
سر پہ ٹوپی تھی ہاتھ میں سوٹی
چند چاول تھے جن کی چوٹی پر
وحدہٗ لاشریک تھی بوٹی

پھر ان کے بڑھاپے کا ایک شعر ہے ۔

بن مانگے حسؔن کو جو دیا تُو نے بڑھاپا
اب اسے مانگنے پہ کچھ تو جوانی بھی عطا کر

آخر پر حسؔن صاحب کے بارے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ قادیان میں پہلے پہل جو شہرت انہیں حاصل ہوئی وہ ان کی دو تین خاص اُن نظموں کے ضمن میں ہوئی جو انہوں نے جلسہ سالانہ قادیان میں پڑھیں جو غالباً 35ء سے بھی پہلے کی بات ہے ۔ ایک نظم کا عنوان تھا ۔

فیضان خداوند بھی ہوتے ہیں کبھی بند

اس کے چند شعر عرض کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

جب آپ کو تسلیم ہے قرآن کی بدولت
صدیق ہیں ، شہداء ہیں نہ صالح نہ ولی بند
القصہ ہر اک قسم کی سب راہیں کھلی ہیں
اِک بند ہے ان پر تو فقط راہ نبی بند

اور پھر یہ کہ

مغضوب کی ضالین کی۔ آمد ہے مسلسل
انعمتَ علیہم کی ہوئی کب سے لڑی بند

اور آخر پر ان کا ایک اور شعر بھی سن لیں۔ اور یہ قادیان کے زمانے کا ہے۔

آج بھی پیدا کہیں ہو گر زلیخا کی مثیل
پھر مثیل یوسفِ پاکیزہ داماں اب بھی ہے

نوٹ: شعری ذوق تو جیسا کہ ظاہر ہے ایک کثیر طبقہ میں عام ہے اور اس کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ چنانچہ کسی کے پیش نظر یہاں ہمارے لندن مشن کے ماحول میں بھی بعض دفعہ ایسی محفلیں اور مجلسیں رونق کا موجب رہی ہیں۔ ایسی ہی محفلوں میں ایک دفعہ ایک پاکستانی شاعر نے یہاں کی تہذیب نو کا نقشہ اپنے ہی رنگ میں ایک لطیفے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جو ممکن ہے دلچسپی کا موجب ہو۔ فرماتے ہیں۔

یہ نئے فیشن کے نامعقول لڑکے لڑکیاں
کچھ نہیں معلوم ہوتا فرق اِن کے درمیاں!
میں نے اک بندے سے پوچھا دیکھئے وہ نوجواں

لڑکا ہے لڑکی ہے کچھ نہیں ہوتا عیاں
بولا یہ لڑکی ہے ۔ اور یہ میری لڑکی ہے
مگر تم نے کیا اس بات میں لینا دینا ہے۔ میاں!
سُن کے مَیں نادم ہوا ۔اُس سے معافی مانگ لی
آپ اس کے باپ ہیں ۔ مجھ سے ہوئی گستاخیاں!
وہ بڑے ناراض ہو کر مجھ سے فرمانے لگے
باپ اس کا مَیں نہیں ہوں مَیں ہوں اس لڑکی کی ماں!

نئے فیشن اور نئی تہذیب کا ذکر چل نکلا ہے تو اس ضمن میں حسنؔ صاحب کے موجودہ تمدن کے بارے میں بھی چند اشعار عرض کر دیتا ہوں جو مجھے یاد آ رہے ہیں۔ ممکن ہے دلچسپی کا باعث ہوں ۔ یہ اشعار مجھے ان کے کسی طبع شدہ کلام میں نہیں مل سکے ۔فرماتے ہیں۔

تمدن کے یہی معنے نہ سمجھو
کہ بی بی لندنی ہندی میاں ہو
ملے کھانے کو مکھن کیک بسکٹ
پہننے کو ویر و پرنیاں ہو
کلائی پر تو ہو اک گولڈن واچ
لب لعلیں پہ سگریٹ کا دھواں ہو
میاں بی بی جو بحرِ سیر نکلیں
تو اک کتے کا بچہ درمیاں ہو
نیاز و ناز کے درد و بدل سے

میاں بی بی ہو اور بی بی میاں ہو
بسر ہو رات ٹیبل ٹاک میں اور
چڑھے جب دن تو فکرِ ایں و آں ہو
حیات کامراں ہوٹل میں گزرے
شفا خانے میں مرگِ ناگہاں ہو
غرض فیشن زدہ ایسا تمدن
خدا وندا نصیب دشمناں ہو

ایک یاد

شعری ذوق کے ضمن میں اس وقت مجھے ایک بہت پرانا چھوٹا سا واقعہ بھی اتفاق سے یاد آرہا ہے جو دراصل میرے والد صاحب محترم حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی کے ایک رنگ کے شعری یا مذہبی ذوق سے ہی تعلق رکھتا ہے جو بچوں کی دینی تربیت کے ضمن میں ہے۔ میرے والد صاحب گو خود شعر کہتے تو نہیں تھے مگر فارسی شعر تو انہیں بہت از بر تھے جن سے ہمیں لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ ویسے ادب سے انہیں لگاؤ خوب تھا۔

ایک دفعہ مجھے یاد ہے میرا چھوٹا بھائی ملک عنایت اللہ جو چھوٹی عمر کا تھا اور سکول کی کسی چھوٹی کلاس کا طالب علم تھا اس نے اپنی کتاب میں ایک نظم پڑھی جس کا عنوان تھا۔

میں تو بنوں گا یارو لڑکا بہت ہی اچھا

اس نے سکول سے آکر اپنے ابا جان سے کہا کہ "ابا جان! یہ لڑکا تو اچھا نہیں

کیونکہ اس ساری نظم میں نماز روزے کا کہیں کوئی ذکر نہیں" چنانچہ ابا جان بھی اس کی اس بات سے بڑے متاثر ہوئے اور اس کے احساس کو طبعی خیال کر کے اس نظم میں مزید اس بات کا اضافہ فرما دیا۔ جس سے عزیز عنایت اللہ بہت خوش ہوا۔ وہ بند کچھ اس طرح تھا۔

اللہ کا نام لے کر وقت صبح اُٹھوں گا
منہ ہاتھ پاؤں دھو کر پورا وضو کروں گا
مولا کی بارگاہ میں سجدے میں سر دھروں گا
بعد اس کے پھر تلاوت قرآن کی کروں گا
مَیں تو بنوں گا یارو لڑکا بہت ہی اچھا

اس بند کو سن کر عزیز نے پھر اپنے ابا جان سے کہا کہ اب یہ لڑکا واقعی اچھا لگتا ہے۔

ایک واقف زندگی مبلغ کا دورحیات

ایک واقف زندگی کی مصروفیات بھی زندگی بھر کچھ ایسے رنگ کی ہوتی ہیں۔ اسے زندگی کے مختلف حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔آج یہاں کل وہاں اپنی ذاتی خواہش کو قربان کرنا تو اس کا اولین فرض ہوتا ہے۔اگر وہ اخلاص سے کام کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ خود اس کا مددگار رہتا ہے۔اور جو حالات بھی پھر اسے پیش آتے ہیں وہ ازدیاد ایمان ہی کا موجب ہوتے ہیں اس ضمن میں سب سے بڑا احسان تو اس کا یہ ہے۔کہ اس نے احمدیت کی نعمت سے ہمیں سرفراز کیا۔اور ہمدردی اور محبت کرنے والا ہمیں ایک نظام عطا کیا۔جس کے لئے ہم جس قدر بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔خصوصاً جب مَیں اپنے متعلق غور کرتا ہوں کہ اس ناچیز کو اس قدر نااہلی اور ناتجربہ کاری کے باوجود جس جس رنگ میں ہر موقعہ پر خدا تعالیٰ نے اس گنہگار کی مدد فرمائی اور ہر مشکل کو آسان کر دیا۔اور نامساعد اور بے سروسامانی کے حالات میں بھی اس کے فضل شامل حال رہے۔اور ارادے بلند رہے۔یہ محض اس کے فضل سے تھا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ بہر حال ہالینڈ مشن کی ابتداء اور پھر کچھ فروغ جن حالات میں ہوا۔یہ تمام کیفیات دراصل ازدیاد ایمان ہی کا موجب ہیں۔اس ملک میں جب پہلی بار اسلامی مشن کے قیام کی خبر شائع ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے عام طور پر اسے ایک دلچسپی کے ساتھ ہی پڑھا۔مگر اس دلچسپی میں دراصل تعجب اور تعصب کے کچھ ملے جلے جذبات پنہاں تھے۔جہاں تک کیتھولک پبلک کا تعلق ہے اس نے تو

اسلامی مشن کا استقبال اور بھی انقباض کے ساتھ کیا۔

اس بارے میں صرف اتنا عرض ہے۔ کہ تبلیغ اسلام کا یہ اہم کام اور پروگرام جس کی بنیاد احمدیت کے ذریعہ رکھی جارہی ہے۔ یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک الٰہی مشیت کارفرما ہے اور تقدیر کے نوشتے کبھی ٹلتے نہیں۔ بلکہ ہمیشہ پورے ہوکر رہتے ہیں۔ چنانچہ مشن کو قائم ہوئے ابھی تین ہی سال کا عرصہ ہوا تھا۔ مشن کا وجود جو پہلے ایک جز کی حد تک ہی تھا اب ایک حقیقت بن کر سامنے آنے لگا۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس قلیل عرصہ میں اس ملک میں ایک خانہ خدا کی تعمیر کے تصور کا وجود عمل میں آنا شروع ہو گیا۔ اور اس غرض کے لئے 50ء میں ہیگ شہر کے ایک خوبصورت اور موزوں حصہ میں مسجد کی جگہ بھی خرید کر لی گئی۔ جو براعظم یورپ میں (انگلستان کے بعد) جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے جماعت کی خدمات اسلامیہ کے ضمن میں ایک معجزانہ قدم تھا۔ فالحمدللہ ۔ چنانچہ اس معجزانہ قدم کے متعلق ہیگ کا ایک لیڈنگ روزنامہ N.H.Courant اسی مسجد میں نماز کی حالت کا ایک بڑا سا فوٹو دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

> ”یہ فوٹو کراچی، قاہرہ یا بغداد کی نہیں بلکہ یہ مسجد خود
> ہیگ میں ہے۔ جس میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔“

اس ضمن میں ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے۔ ایک عید ہی کا واقعہ ہے کہ سعودی عرب کے ایک دوست عید کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی آنکھیں دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ یورپین لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور اسلام کی اشاعت کیلئے ہر دم کمر بستہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بھر مجلس میں وہ بے اختیار پکار اُٹھے۔ کہ خدا کی قسم میں اپنی آنکھوں سے

آج ایک دفعہ پھر اسلام کا سورج مغرب کی وادیوں سے طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

فالحمدلله علیٰ ذالک

بہرحال مختصراً یہ سب کچھ اوپر مَیں نے عرض کیا ہے یہ محض اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید ہی سے ہے۔اور ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہے۔اللہ تعالیٰ احمدیت کے ذریعہ اسلام کی فتح کو قریب سے قریب تر لائے۔آمین

ایک مبلغ کی زندگی

ایک مبلغ کیلئے اور پھر میرے جیسے احساسات رکھنے والے شخص کے لئے یہ منزل بھی ایک کٹھن منزل ہوتی ہے اور ایک شخص نے جہاں کچھ عرصہ کام کیا ہو وہاں کے لوگوں میں محبت کرنے والی ایک برادری سے لطف اُٹھایا ہو اور اخوت بھری فضا میں روحانی مسرتوں سے ایک وافر حصہ لیا ہو تو پھر یک بیک اسے ایسے ماحول کو خیر باد کہنا پڑ جائے اور ایک نئی دنیا آباد کرنی پڑے تو یہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ بالکل ابتداء میں جب 45ء میں حضور اقدس کے ارشاد سے مجھے انگلستان روانہ ہونا تھا تو بالکل یہی کیفیت تھی مگر طبیعت میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک خاص جوش تھا اور حضور اقدس کی اور حضور کے واسطہ سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر تھی۔اس لئے یہ مشکل جس طرح بھی خدا کے فضل سے سہل ہوگئی پھر کچھ عرصہ انگلستان میں گزرا اور اپنا ایک ماحول سا پیدا ہونے لگا۔تو ہالینڈ جانے کیلئے ارشاد ہوا۔وہاں مشن کی بالکل ابتداء تھی چنانچہ آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک مانوس ماحول قائم ہوگیا۔ مشن کی اور جماعت کی ابتداء ہوئی۔مسجد کیلئے زمین خریدی گئی۔اس کے بعد پھر ارشاد ہوا کہ واپس پاکستان آؤ۔یہ حالات پاکستان کی ابتداء کے ان حالات سے

بالکل مختلف تھے جن میں 5-6 سال قبل ہندوستان کو چھوڑا تھا۔ مگر باوجود مشکلات کے ان حالات میں بھی ایسی جاذبیت تھی کہ ابھی پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ پھر انڈونیشیا جانے کا ارشاد موصول ہوا اور اس کے لئے کمر بستہ ہوگیا۔ انڈونیشیا کی جماعت ہماری بہت محبت کرنے والی جماعت ہے چنانچہ چند دن کے اندر ہی احباب کے محبت بھرے سلوک نے اپنے دور افتادہ رشتہ داروں کی جگہ لے لی۔ اور ایسے دن گزرنے لگے کہ دراصل یہی ہمارے بہن بھائی ہیں۔ اور یہی ہمارے اعزّہ اور اقارب ہیں۔ انڈونیشیا میں ہمارے مبلغین کی ضرورت اور وہاں کے حالات اس رنگ کے تھے کہ خیال تھا کہ اب یہی ملک ہماری رہتی دنیا ہے اور آخر دم تک یہی ہمارا اوڑھنا اور بچھونا ہوگا۔ مگر یکا یک ہالینڈ کے حالات نے کچھ اس طرح رنگ بدلا کہ حضور اقدس نے ضروری خیال فرمایا کہ مَیں فوراً ہالینڈ پہنچوں۔ چنانچہ ابھی بمشکل چار سال ہی گزرے تھے کہ 56ء میں ہالینڈ کے لئے کمر بستہ ہوگیا۔ اور حضور کے ارشاد کی تعمیل میں وہاں پہنچ گیا۔ طبعاً خواہش تو تھی کہ ہالینڈ میں جو چند سال قبل باغ لگایا تھا اور ایک عرصہ تک ان ننھے ننھے پودوں کی آبیار بھی کی تھی۔ اب پھر دوبارہ جا کر اور اسے بڑھتا ہوا دیکھ کر مسرت حاصل کروں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ موقع عطا فرما دیا۔ اور ازسرِ نو پھر ایک نئی زندگی شروع ہوگئی۔ پھر انڈونیشن ماحول بھی جو محبت بھرے ایام گزرے تھے ان کی یاد برسوں قائم رہی۔ تاہم آہستہ آہستہ اس مشرقی ماحول کی یاد یہاں کی تبلیغی مساعی اور مصروفیات نے لے لی۔ اور ایسے زندگی شروع کر دی کہ بس اب شائد یہیں رہنا ہے۔ اور باقی دنیا ایک ثانوی امر ہے۔ لیکن یہاں پر جب مسلسل 10-12 سال کا عرصہ گزرنے لگا تو پھر مرکز سے دوری کا احساس بھی کچھ نمایاں ہونے لگا۔ عبادات اور نمازوں میں وہ لذت جو پہلے تھی اس میں کچھ کمی کے آثار سے

نظر آنے لگے۔ ہر چند کے مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا ہالینڈ میں ہونا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا مگر ہر وقت تو آپ کی صحبت میسر نہ ہو سکتی تھی۔ گو قریباً روزانہ آپ کی زیارت تو کچھ ہو ہی جاتی تھی۔ مگر پھر بھی کہاں مرکز کا رات دن کا بابرکت ماحول اور کہاں مکرم چوہدری صاحب ایسے بابرکت وجود کی کبھی کبھی کی زیارت۔ چنانچہ مجھے خیال آیا کہ بزرگوں کی مصاحبت کی کمی کو ان کے سوانح حیات کے مطالعہ سے کسی حد تک دور کیا جا سکے تو شائد کچھ کام بن جائے۔ چنانچہ اتفاق سے مجھے ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولانا نورالدین ؓ صاحب کی کتاب مرقاۃ الیقین ہاتھ لگ گئی۔ چنانچہ مَیں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا اور چند ہی روز میں دو تین مرتبہ پڑھ ڈالی۔ الحمدللہ کہ اس کتاب کی وجہ سے میری طبیعت میں ایک شگفتگی سی آگئی اور عبادات میں جو لذت کی کمی محسوس ہوتی تھی وہ بھی دور ہونے لگی جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ مَیں نے ایک روز مکرم جناب چوہدری صاحب سے اپنی اس کیفیت کا ذکر کیا تو انہوںؓ نے فرمایا کہ مرقاۃ الیقین مجھے بھی دیں۔ ایک عرصہ ہوا پڑھی تھی اب پھر تازہ کرنا چاہتا ہوں بہر حال اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے اس پردیس میں میرے جیسے خطا کار کو مکرم جناب چوہدری صاحب ایسے بابرکت وجود کی صحبت کچھ حاصل تھی ورنہ یہ ایام شائد اور بھی کچھ مشکل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر اور صحت والی عمر عطا فرمائے اور ہمیں آپ کی برکات سے وافر حصہ عطا کرے۔ آمین

ہالینڈ میں پہلے بھی ایک عرصہ بسر ہوا تھا اور اب دوسری دفعہ پھر مسلسل بارہ سال وہیں گزر گئے اور یوں اپنا گھر سا معلوم ہونے لگا تھا بلکہ اپنا ملک جہاں مَیں صرف کوئی ایک سال ہی رہا تھا بیگانہ لگ رہا تھا اور یہ ملک اپنی جماعت کے ماحول

میں اب ایک گھر کی طرح لگنے لگا۔ کہ پھر حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثالث کا ارشاد واپسی کیلئے موصول ہو۔ دراصل یہ اپنی غلطی تھی کہ خیال کر لیا کہ اب شائد یہیں رہنا ہوگا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے۔ اس لئے کسی کیلئے یہ روا نہیں اور ایک مبلغ کیلئے تو بہر حال نہیں۔ کہ کوئی جگہ اس کیلئے مستقل رہائش گاہ ہے۔ مومن کی صفت تو ایک مسافر کی طرح ہونی چاہیئے۔ کہ جو دم کسی جگہ کام کیلئے یا آرام کیلئے مل گیا وہ اس پر شکر کرے اور اگلی منزل کو طے کرنے کیلئے کمر بستہ رہے۔ بہر حال ایک عرصہ کے بعد ربوہ کی زیارت نہات مسرت اور لذت کا باعث تھی۔ اتفاق سے عید کے موقع پر ربوہ آنے پر خاکسار نے جب حضور اقدس سے مصافحہ کیا تو حضور اقدس نے مسکراتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کتنا عرصہ کے بعد ربوہ میں عید کر رہے ہو۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضور کوئی سترہ سال بعد! بہر حال حضور اقدس کی توجہ خاص اس خادم کے لئے تقدیس اور مسرت کا موجب تھی یہ غالباً 68ء کا سال تھا۔

اس جگہ اس امر کا بیان بہت ممکن ہے کہ ایک حد تک دلچسپی کا باعث ہو کہ ہمارے خاندان کے تعلق میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس خاکسار کے علاوہ میرے بڑے بھائی جان مکرم عبدالرحمٰن صاحب انور کو حضور اقدس سے وابستگی میں سلسلہ کی خدمت کا ایک لمبے عرصہ تک موقعہ ملا۔ پھر میرے والد صاحب محترم محمد عبداللہ صاحب بوتالوی (سابق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ سرگودھا) کو بھی اپنی ملازمت کے ایام میں اور پھر ملازمت سے فراغت کے بعد بھی وقف کر کے سلسلہ کی خدمت کا طویل موقعہ ملا۔ مکرم برادرم انور صاحب تحریک جدید کے انچارج بھی سالہا سال رہے۔ اور پھر سالہا سال بطور پرائیویٹ سیکرٹری بھی کام کیا۔ دارالواقفین کے قیام

کے لمبے عرصہ میں جملہ واقفین کے ساتھ مجھے بھی براہ راست مکرم انور صاحب کی زیر نگرانی رہنا پڑا پھر محترم والد صاحب مرحوم کو وقف کرنے کے بعد جب دارالصناعت یا دوسری جگہ کام کا موقع ملا تو انہیں بھی انور صاحب کی نگرانی میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ پھر جب کچھ عرصہ حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثالث نے مجھے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمایا تو محترم برادرم انور صاحب بھی حضور کے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں میرے ساتھ ہی میرے معاون تھے۔ان تمام مواقع پر خدا شاہد ہے اور میرا احساس یہی ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میرا بھائی یا میرا باپ میرے ساتھ کسی درجہ یا کس حیثیت میں کام کرتا ہے۔نہ کسی نے اپنی پوزیشن کی وجہ سے عجب یا غرور سے کام لیا اور نہ ماتحت ہونے کی وجہ سے اپنی کسرِ شان سمجھی۔ یہ کیفیت اور ایسے محبت بھرے احساسات محض نظام کی برکت سے ہیں۔ اور ایسے احساسات سراسر برکت کا ہی موجب ہیں۔اور یہ ایک لطف کا سماں پیدا کرتے ہیں اب مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب کا درجہ اور مقام کس سے مخفی ہے۔اور مجھ جیسے ناچیز کی ان کے سامنے حقیقت ہی کیا۔مگر ایک موقع پر (غالباً 68ء یا 69ء کی بات ہے۔) حضور اقدس نے ایک تربیتی مشن سرگودھا بھجوایا تو اس مشن میں مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب اور مکرم شیخ مبارک احمد صاحب ایسے وجود بھی تھے۔مگر حضور نے اس وفد کا امیر اس عاجز کو مقرر فرمایا۔اس تعیناتی سے میرے لئے تشکر اور فروتنی کے ہی جذبات پیدا ہوئے اور مکرم مولانا صاحب نے بھی اس واقعہ کو کسی اور غلط رنگ میں نہ لیا۔ یہ تمام اعزاز اور کام کی سعادت محض سلسلہ کی برکت سے ہے۔اور ناداں ہے جو ایسے امور کے کوئی اور مطلب لے کر اپنے لئے گڑھا کھودنے کا احساس کرے۔ان جگہ اس امر کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا۔کہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب بہنوئی تھے اور میرے لئے

حد درجہ قابل احترام اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب کو اس عاجز کے ساتھ پرسلوک تعاون کی بہترین جزاء عطا کرے۔ ورنہ مَیں کیا اور میری بساط کیا۔ من آنم کے من دانم

محترم امام راشد صاحب کی معیت میں برمنگھم کا ایک خاص سفر

عزیزم مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب (امام لندن مسجد) کیساتھ متعدد بار سفر کرنے یا دوروں پر ان کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا۔ جو مختلف رنگوں میں مفید ثابت ہوئے مگر ایک خاص سفر جو غالباً 87ء میں برمنگھم کا تھا۔ جس کی گزشتہ دنوں ایک وڈیو فلم کے ذریعہ یاد تازہ ہوگئی۔ اس کا ذکر دلچسپی کا موجب ہوگا۔ یہ سفر بھی محترم امام صاحب کی سرکردگی میں تھا۔ اس موقعہ پر محترم جناب مولانا ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ کا ایک خاص لیکچر جو سوال و جواب کے رنگ میں تھا اور اس روزمرہ کے فقہی مسائل کے متعلق تھا۔ از حد دلچسپ اور مفید رہا۔ اور سوال و جواب کی یہ مجلس تین ساڑھے تین گھنٹے تک جاری رہی۔ جسے احباب جماعت نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔ اس مجلس کی صدارت کے جملہ فرائض مکرم امام صاحب نے ہی انجام دیئے۔ معلوم ہوتا ہے مکرم ملک صاحب نے بھی عام پبلک میں سوال و جواب کے رنگ میں اتنا وقت شائد کم ہی کبھی دیا ہو۔ اور یہ بھی ان کی زندگی کے اہم ترین آخری لیکچروں میں سے ہی ایک ہو۔ مکرم ملک صاحب میرے دیرینہ کرمفرماؤں میں سے ایک ہیں۔ شائد ان کا ذکر کسی اور جگہ بھی ان حالات میں آئے مگر تاہم میرے لئے یہ ایک نادر موقع علمی معلومات کے حصول کا تھا۔ جس سے مَیں برمنگھم میں لطف اندوز ہوا۔ دل چاہتا تھا ان فقہی مسائل اور جوابات کو اگر پمفلٹ کی صورت میں محفوظ کر لیا جاتا تو بہت فائدہ کا موجب ہوتا۔

لیکچر کے آخر پر برادرم چوہدری عبدالحفیظ صاحب صدر جماعت نے نہایت اچھے طور پر مکرم ملک صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ برادرم چوہدری عبدالحفیظ صاحب میرے قریبی عزیزوں میں سے ہیں اور میرے ماموں زاد ہیں اور میرے ساتھ گہرے جذبات اور خلوص کا تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے جب بھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ ہمیشہ ہی بڑی محبت سے ملتے ہیں۔ وہ کافی عرصہ برمنگھم جماعت کے صدرر ہے ہیں اور جماعتی خدمات کے لئے ہمیشہ ہی کمر بستہ ہیں۔ اللہ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین۔

انڈونیشیا میں پہلی دفعہ آمد کے نظاروں کا ذکر تو مختصر آچکا ہے۔ کہ مکرم سید محمد شاہ صاحب کی قیادت میں بیسیوں انصاروں اور خداموں نے جاکرتا کی بحری بندرگاہ کانجنگ پریوک پر میرا استقبال کیا۔ دوسری دفعہ جاکرتا کے کبایوران کے ایئرپورٹ پر مکرم برادرم مولانا ابوبکر ایوب صاحب کی قیادت میں سینکڑوں انصار خدام اور ممبر لجنہ نے ایسے رنگ میں استقبال کیا کہ سارا ائیر پورٹ اللہ اکبر اسلام زندہ باد احمدیت زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا کہ جاکرتا ائیر پورٹ پر احمدیوں کا راج ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے کہ ایمان افروز نظارہ میرے لئے غیر معمولی کیفیت کا حامل تھا۔ جس کو دیکھ کر میرے اوپر ایک وجد اور رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور رہ رہ کے یہ خواہش دل میں اُٹھ رہی تھی کہ یہ ساری برکت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہے۔ کاش یہ نظارہ ان کے جانشین خلیفہ کے علم میں ہی آسکے۔ کہ خدا نے اس مقدس مشن کو اپنے فضل سے کس قدر برکت دی ہے اور آپ کی برکات والہانہ خلوص اور عقیدت کے رنگ میں کس طرح اکناف عالم میں جلوہ گر ہیں آج سے سولہ سترہ سال

قبل جب مَیں پہلی دفعہ یہاں آیا تھا اس سے یہ نظارہ کس قدر مختلف ہے۔ جماعت کی آسودہ حالی کو دیکھ کر بھی دل جذبات سے بھر آیا۔ اپنے احباب کی اس قدر کاریں تھیں کہ ہمارا قافلہ کاروں کی ایک لمبی قطار پر مشتمل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت کے لوگوں میں محبت، اخوت اور اخلاص کا جو جذبہ تھا شائد ہی اس کی نظیر پاکستان میں کہیں خال خال ہی مل سکے اور یہ کیفیت حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا عظیم ثبوت ہے پھر اسی طرح جب چھ سال کے عرصہ کے بعد یہاں سے میری واپسی کا وقت آیا اور مَیں ہالینڈ کیلئے روانہ ہو رہا تھا تو اس وقت بھی احباب کا اخلاص اور محبت کا تعلق بے نظیر تھا۔ مَیں اپنے اندر نظر ڈال کر دیکھتا تو مجھے شرم سی آتی تھی کہ تیری ہستی ہی کیا ہے۔ اور تیری بساط ہی کیا ہے۔ اور تیرے ساتھ یہ سلوک ہو یہ محض اور محض احمدیت کے طفیل ہے اور اسی کی برکت سے ہے۔ جوگجا کرتا کے احباب نے۔ سمارنگ کی جماعت اور پھر بانڈونگ اور جاکرتا والوں نے جس محبت سے مجھے الوداع کہا اس کا تصور کر کے آج بھی آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس محبت کی بہترین جزاء عطاء فرمائے۔

آمد و رفت پر ایمان افروز نظاروں کا ذکر ہے تو اس موقع پر ہالینڈ میں آمد اور الوداع کا ذکر پھر ایک دفعہ بے جا نہ ہو گا۔ کہ یہ سارے نظارے بھی روح کو تازگی اور ایک زندگی بخشنے والے تھے۔ جب اول اول ہالینڈ میں 47ء میں میرا دورہ ہوا۔ اس وقت استقبال کے لئے اسٹیشن پر صرف ایک شخص تھا جس سے مجھے پہلے کی کوئی واقفیت ہی نہ تھی۔ بہر حال یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے ایسی ابتداء کے موقع پر بھی اکیلا نہ رہنے دیا۔ یہ ایک آسرا اپنے فضل سے مہیا فرما دیا۔ اس کے بعد اور جب الوداع کا وقت آیا تو اس وقت بیسیوں احباب کے جذبات میرے

ہمراہ تھے۔ اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ الوداعی پریس کانفرنس کے نتیجہ میں ہزاروں افراد تک میرے جانے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ جن کے ساتھ اس دوران تعلق قائم ہو چکا تھا۔ الوداعی خبر کے بارہ میں اخبارات کے جو کٹنگز مجھ تک پہنچ سکے ان کی تعداد ہی کوئی پچیس کے قریب تھی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ اس نے محض اپنے کرم سے مجھ ایسے کمزور اور نالائق سے خدمت کا یہ کام لے لیا۔ جس پر خدا تعالیٰ کا مئیں جسقدر بھی شکر کروں کم ہے۔ آخر سالوں میں تو اکثر یہ کیفیت تھی جب کبھی باہر کسی جگہ لیکچر کا موقع ہوتا تو متعدد دوست ایسے مل جاتے اور اظہار کرتے کہ ہاں ہم نے آپ کو T.V پر بھی دیکھا تھا۔ ہالینڈ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اور اس کی اپنی مخصوص روایات ہیں۔ بیک گراؤنڈ مذہبی ہے۔ چنانچہ اس کے کونے کونے تک اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا۔ ہالینڈ کے بالکل جنوب میں ایک صوبہ ہے جس میں اکثریت کیتھولکس کی ہے۔ یہ صوبہ جرمنی۔ بیلجیئم اور ہالینڈ کے سنگم پر واقعہ ہے۔ چند لیکچر وہاں بھی ہوئے جو بہت لطف کا باعث تھے وہاں کے صوبہ کے بڑے شہر ماسٹرخت میں ایک لیکچر میں تین صد سے زیادہ پادریوں اور ننز کا ہی اجتماع تھا۔ جس کے ساتھ تبادلہ خیالات کا سلسلہ بھی رہا۔ لیکچروں کا ذکر آنکلا ہے تو مختلف ممالک یاد آ رہے ہیں جہاں خدا نے محض اپنے فضل سے تبلیغی اور تربیتی لیکچروں کی اور حکایات کی توفیق بخشی۔ ابھی گزشتہ سال جماعت کینیڈا نے اپنے سالانہ جلسہ پر تقریر کے لئے بلایا تھا اس سے قبل بھی مانٹریال میں احباب جماعت سے خطاب کا موقع ملا۔ گزشتہ سال بھی جب امریکہ جانے کا اتفاق ہوا تو مکرم جناب مولوی عطاء اللہ کلیم صاحب نے واشنگٹن میں خطبہ جمعہ کے لئے ارشاد فرمایا۔ جس میں جناب صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم ایم احمد) ایسے احباب

بھی موجود تھے۔ بلکہ آپ نے بعد میں خطبہ کے بارہ میں اظہار خوشنودی بھی فرمایا۔ جس سے طبعاً مسرت اور تشکر کے جذبات پیدا ہوئے۔ خود لندن میں کئی تقاریب میں اور جلسوں میں اظہار خیالات کا موقعہ ملا۔ مسجد لندن میں بھی مکرم جناب امام صاحب کی زیر ہدایت بعض دفعہ خطبات جمعہ دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں سے 78ء کا جمعہ جو اتفاق سے Good Friday تھا۔ جس میں کثرت کے ساتھ لوگ شامل ہوتے ہیں۔ وہ بھی دینے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت خطبہ جمعہ میں محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام ایسے بزرگان اور کرم فرما بھی موجود تھے۔ اس موقع پر تو مَیں نے ایک روز قبل مکرم جناب چوہدری صاحب سے باادب درخواست کی تھی۔ کہ یہ جمعہ ''گڈ فرائی ڈے'' ہے اگر آپ کے ایمان افروز خیالات سے احباب جماعت متمتع ہوسکیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ مگر آپ کی صحت ان دنوں بہت کمزور تھی۔ اس لئے آپ نے معذرت فرمادی۔ اور خطبہ مجبوراً مجھے ہی دینا پڑا۔ مکرم جناب امام صاحب لندن بھی ان دنوں باہر جماعت کے ایک اجتماع میں شامل ہونے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور مسجد کا چارج مجھے دے گئے تھے۔ اسی طرح اس عاجز کو کولمبو، کوالالمپور۔ سنگاپور اور لیگوس وغیرہ مقامات پر بھی احباب سے خطاب کا موقع ملا۔ اور دو مرتبہ اس عاجز کو قادیان کے جلسہ ہائے سالانہ پر بھی تقاریر کی سعادت حاصل ہوئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

انڈونیشیا سے واپسی

خاکسار 1975ء میں جب انڈونیشیا سے روانہ ہوا تو میری طبیعت ایک عرصہ سے وہاں ذہنی ڈیپریشن کی وجہ سے خاصی گری ہوئی تھی۔ چونکہ روانگی کے وقت

مکرم برادرم مولانا امام الدین صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے ازراہ ہمدردی مجھے تاکیدی مشورہ دیا۔ کہ اب جبکہ حُسن اتفاق سے حضور اقدس نے مجھے یورپ جانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ تو مَیں وہاں جا کر اپنی صحت کے بارہ میں خصوصی توجہ دوں اور اپنا علاج کرواؤں۔ چنانچہ حضور اقدس نے بھی ازراہ نوازش علاج کے لئے مجھے رخصت عنایت فرمائی اور ایک سال تک انگلستان میں عام ڈاکٹروں کے اور سپیشلسٹوں کے زیر علاج رہا۔ مگر ڈیپریشن کی کیفیت میں کوئی زیادہ تبدیلی نہ آسکی۔ اس کے بعد 76ء میں جب حضور ہالینڈ تشریف لائے تو حضور اقدس کی پیشوائی کے لئے مَیں انگلستان سے پھر ہالینڈ گیا اور اسی نیت سے گیا کہ اگر صحت نے اجازت دی تو مَیں ہالینڈ مشن کا چارج لے کر وہاں مستقل طور پر کام کو شروع کر سکوں گا۔ مگر افسوس کہ طبیعت اب بھی اس اہم ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہ ہو سکی۔ چنانچہ حضور اقدس نے ازراہ شفقت مجھے مزید علاج کرنے اور آرام کرنے کی اجازت فرما دی۔ اور یہ عاجز پھر انگلستان آ گیا۔ مجھے اس امر کا سخت افسوس ہے کہ حضور اقدس کی محبت بھری شفقت اور توجہ کے باوجود مَیں ہالینڈ مشن کے کام کی ذمہ داری کو پھر پوری طرح اور باقاعدہ طور پر بطور انچارج مشن اُٹھانے کے قابل نہ ہو سکا۔ تاہم حضور اقدس کا شفقت بھرا سلوک اور حضور اقدس کی دعاؤں کے طفیل آہستہ آہستہ ڈیپریشن کی کیفیت میں کچھ کمی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ سپیشلسٹ کا مشورہ بھی یہ تھا کہ دماغ پر ابھی زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اور ذہن کو آزاد رکھ کر اگر کوئی کام کیا جا سکے تو بہتر ہوگا۔ چونکہ خاکسار نے مقامی طور پر لیسٹر میں جماعت کے احباب سے تعلق رکھنا شروع کیا۔ اور اس کے بعد 78ء کے شروع میں لندن مسجد کے قرب میں رہائش اختیار کر لی اور جس حد تک ممکن ہو سکا۔ مکرم امام صاحب کی توجہ خاص سے

مشن کے کاموں میں لیکچروں اور خطبات جمعہ وغیرہ میں ان کا ہاتھ بٹانے کی توفیق میسر آتی رہی۔ جس سے طبیعت پر بفضلہٖ بہت اچھا ہوا۔ فالحمدللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت اور مشن کا جو مذہبی اور تبلیغی ماحول ہے اس میں سانس لینا چونکہ عمر بھر معمول رہا ہے اس کے لئے اب بھی ایسا ماحول بطور ٹانک اور غذاؤں کا کام دیتا ہے۔ اور اس ماحول سے علیحدگی ایسے ہی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے باہر کر دیا جائے۔ حضور اقدس نے بھی جب ازراہ شفقت اپنے پاس بلا کر ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ طبیعت کیسی ہے تو مَیں نے یہی مختصر جواب عرض کیا کہ ویسے تو طبیعت کچھ افاقہ کے ساتھ ہے مگر اپنی کیفیت کچھ یوں محسوس ہوتی ہے جیسے اس ماحول سے علیحدگی کا اثر بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک مچھلی پانی سے باہر آجائے تو اسے قرار نہ رہے۔ اس لئے حضور کی دعاؤں کا محتاج ہوں بہرحال اب بھی ایک قسم کے علاج ہی کے میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ جس حد تک بھی ممکن ہو سکے اس ماحول سے وابستہ رہوں اور خدمت کا جو موقعہ بھی ملے اسے انجام دینے کی کوشش کروں اور اسی میں میرے لئے مسرت ہے اور یہی امر میرے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے۔ وباللہ التوفیق۔ آمین

جماعت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی اور کینیڈا و امریکہ کا سفر

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں جہاں ایک طرف مَیں اپنی نااہلی کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کے احسانات پر غور کرتا ہوں تو دل تشکر کے جذبات سے بھر جاتا ہے اور ایک نا قابل بیان وجد کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اپنی تبلیغ ہی کے زمانہ میں دو دفعہ ہالینڈ سے چند ہفتوں کے لئے یہ عاجز جب پاکستان آیا اور جلسہ سالانہ کے ایام میں قادیان جانے کا بھی موقع ملا تو ان دنوں مواقعہ پر اس عاجز کو قادیان کے دونوں جلسہ سالانہ میں تقریر کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جو میرے لئے بڑی خوشی کا موجب تھی۔ اور پھر جب ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ وقت کے لئے مَیں پاکستان آیا۔ تو پاکستان کے جلسہ سالانہ ربوہ کے پروگرام میں بھی اس عاجز کا نام رکھا گیا اور چھوٹے اور بڑے اشتہاروں تک میں یہ پروگرام مشتہر کرا دیا گیا۔ مگر آخر وقت میں مجھے اپنا وقت جماعت کی اہم شخصیت کے لئے قربان کرنا پڑا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جس سے اس نے اس عاجز کو نوازا۔ ربوہ کے جلسہ سالانہ میں میرا مضمون دراصل ہالینڈ مشن کے حالات کو بیان کرنا تھا۔ چنانچہ پھر میرا یہ مضمون کسی قدر اختصار کے ساتھ جماعت کے اخبار بدر کی پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

بہرحال اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایک گمنام سی زندگی بسر کرنے والا انسان جسے اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے طفیل مخلص اور نیک والدین عطا کئے ۔جن کیلئے ''دلّی کا تصوّر'' بھی اس وقت ایک دور کا تصور تھا۔مگر احمدیت کی وجہ سے ان کی اولاد کو یورپ تک میں خدا تعالیٰ کا نام بلند کرنے کی توفیق عطا کی ۔ بلکہ ساری دنیا بھی دکھا دی۔ چنانچہ مشرق بعید میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔اور مغرب میں بھی ۔اور رُوس سے بھی گزر رہوا۔اور افریقہ سے بھی ۔اور آخری سالوں میں تو کینیڈا اور امریکہ جانے کا بھی متعدد بار اتفاق ہوا۔ پھر کینیڈا، امریکہ کا ایک اہم سفر جماعت کی جوبلی کے موقع پر 89ء میں کرنے کا موقع ملا۔ جہاں جوبلی کی تقاریب میں شرکت کی جہاں اکثر وقت اپنے رفیق اور کرمفرما مکرم مولانا ملک سیف الرحمان صاحب (سابق مفتی سلسلہ) کی رفاقت رہی ۔پھر جماعت ہالینڈ نے بھی اس تقریب کے موقع پر بعد میں عاجز کو ہالینڈ آنے کی دعوت دی۔خاکسار کی رہائش ان دنوں ایک عرصہ سے لندن ہی میں تھی ۔ چنانچہ خاکسار باوجود علالت کے ان کی دعوت پر وہاں حاضر ہوا۔ حضور اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع بھی وہاں موجود تھے ۔ چنانچہ آپ ہی کے ایماء پر عاجز کو وہاں تقریر کا موقع بھی ملا جو میرے لئے خوشی اور سعادت کا موجب تھا۔

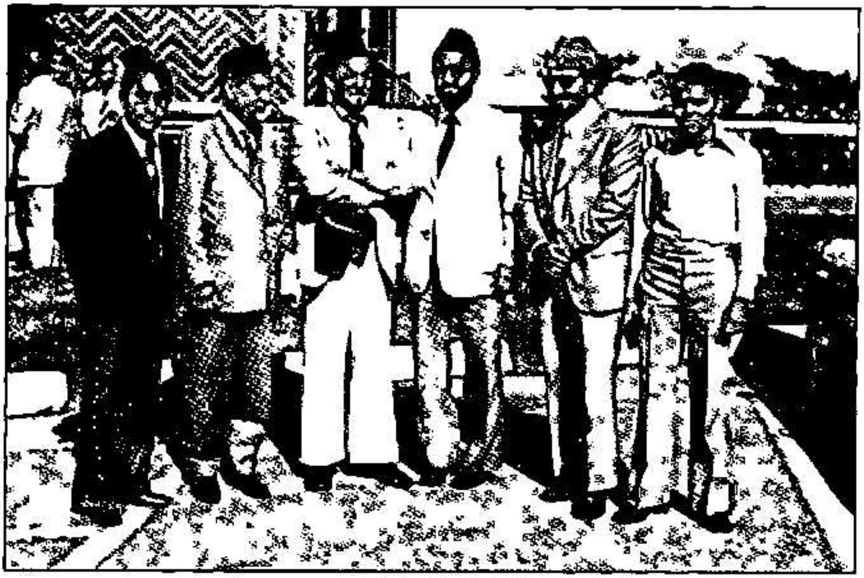
جوبلی کے سال کے بعد اپنی علالت کی وجہ سے پھر کسی خاص بیرونی سفر پر نہیں گیا ۔اور جماعت کے کاموں میں بھی کوئی ایکٹو حصہ نہیں لے سکا۔ بلکہ زیادہ مصروفیت ہسپتال یا ڈاکٹروں کے پاس جانے کی ہی رہی ۔ یا بستر علالت کا ساتھ رہا 93ء میں چوتھی بار جب ہارٹ اٹیک ہوا تو میرا لڑکا عزیزم عزیز اللہ اور میری بیٹی عزیزہ نجمہ کینیڈا سے میری تیمارداری کیلئے ہفتہ عشرہ کیلئے آئے ۔ بلکہ ان بچوں کی طرف سے ایک عرصہ سے اصرار رہا ہے کہ جب طبیعت ذرا سنبھل جائے تو ایک چکر

کینیڈا کا ضرور لگالوں ۔مگر اس کیلئے ہمت نہیں پڑتی تھی ۔اور جرأت نہیں ہوتی تھی ۔مگر بیماری سے طبیعت جب ذرا ہلکی ہوئی تو اس کے بعد پھر ڈاکٹروں سے مشورہ کیا اور ساتھ دعائیں بھی کیں اور پھر اللہ کا نام لے کر چند روز کے لئے اپنی اہلیہ کے ساتھ کینیڈا اور امریکہ کا پروگرام بنالیا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق آخر مئی میں ہم عازم کینیڈا ہو گئے ۔اور کینیڈا پہنچ گئے اور سفر بفضلہ آرام سے گزر گیا۔ کینیڈا پہنچنے پر ٹورنٹو کے ایئر پورٹ پر میرے داماد عزیزم طارق شکیل بمعہ نجمہ شکیل اور برادرم محترم کرنل سعید صاحب وغیرہ ہمارے استقبال کیلئے موجود تھے ۔انہیں دنوں میں عید کی تقریب بھی تھی چنانچہ احباب کے اصرار پر وہاں عید کی نماز بھی اس عاجز نے ہی پڑھائی ۔ اور احباب جماعت کی اچھی محفل رہی ۔ اس کے بعد پھر ہم اپنے لڑکے عزیزم عزیز اللہ اور اپنے دوسرے داماد عزیز اسامہ اور عزیزہ جمیلہ کے پاس مانٹریال چلے آئے ۔ جو کوئی چار پانچ گھنٹے ڈرائیونگ کے فاصلہ پر تھا۔

مجھے اپنی صحت کے پیش نظر خیال نہیں تھا کہ مَیں اپنے عزیزوں سے ملنے کے علاوہ یہاں کوئی اور پروگرام بھی بنا سکوں گا۔ مگر اتفاق ہے کہ اپنے عزیزوں کی تقاریب اور ان کے ملنے ملانے کے بعد جلد ہی نیویارک میں امریکہ کے سالانہ جلسہ کا پروگرام تھا۔ اور پھر اس کے بعد دوسرے ہفتے ہی کینیڈا کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا۔ حُسن اتفاق سے ان ایام کیلئے عاجز کا یہاں ٹھہرنا بھی ممکن تھا۔ ادھر عزیزوں نے بھی اصرار کیا کہ وہ ان جلسوں میں شمولیت کے لئے ہر سہولت مہیا کریں گے ۔ اس ضمن میں اپنی ذاتی خواہش تو ایک طبعی امر تھا۔ روک اگر تھی تو صحت کی حالت تھی بہر حال اللہ کا نام لے کر نیویارک کے جلسہ میں شمولیت کا پروگرام بنالیا اور تین روز وہاں گزار لئے ۔ اور کینیڈا کا سالانہ جلسہ ٹورنٹو میں تھا۔ وہاں بھی شامل ہونے کی

توفیق مل گئی ۔کار کے سفر گو کافی لمبے تھے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب ممکن ہو گئے ۔ اور ان جلسوں میں شامل ہو کر خدا تعالیٰ کے جلووں کا مشاہدہ کیا جو ایمان کی تقویت کا موجب ہوئے ۔ فالحمدللہ ۔

یہ امر کسی عظیم معجزہ سے کم نہیں ۔ کہ قادیان کی گمنام بستی سے بلند ہونے والی آواز جس شان وشوکت سے اور جس عظمت سے اور ایمان وخلوص کے جذبہ سے ان مغربی ممالک میں پھیل رہی ہے ۔اور احمدیت کے شیدائی اور پروانے کس خلوص سے احمدیت کی شمع کے گرد ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں ۔ یہ کوئی انسانی کام نہیں بلکہ اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کا ہاتھ کارفرما ہے ۔ چنانچہ بہت ہی روح پرور اور ایمان افروز نظارے دیکھنے میں آئے اور دل خدا تعالیٰ کے احسانات کے آگے تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ سیٹلائیٹ کے ذریعہ دونوں جلسوں میں حضور اقدس کے ایمان افروز پیغامات سنائے گئے جو دراصل ان جلسوں کی روح رواں تھے ۔حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور کینیڈا جیسے ممالک میں اسلام اور احمدیت کے شیدائی جس رنگ میں پیدا ہو رہے ہیں اور ہزاروں ہزار کی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں مجھے خوشی ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بار پھر ایسے نظاروں سے مستفیض ہونے کا موقعہ ملا ۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک ۔ میری طبیعت ان جلسوں کے موقعوں پر جبکہ کار کے ذریعہ سفر بھی کافی کرنے پڑے ۔ امریکہ بھی گئے ۔اور کینیڈا میں بھی ۔ ہارٹ اور گردوں وغیرہ کی تکلیف تو تھی ہی ۔اب سانس کی تکلیف بھی شروع ہو گئی ۔ چنانچہ کافی خرچ کر کے ڈاکٹری مشورے بھی لیے گئے بہر حال ان تمام سفر وحضر کے حالات میں ہمارے لڑکے عزیزم عزیز اللہ اور ہماری عزیزہ صبیحہ نے ہر قسم کا خیال رکھا اور ہر ممکن آرام دینے کی کوشش کی ۔ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سہولت کا سامان تھا جو میسر آ گیا ۔



کینیڈا میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی معیت میں ایک اور پُر لطف یاد
اس موقع پر آپ نے خاکسار کی لڑکی عزیزہ جمیلہ کے نکاح کا اعلان عزیز اُسامہ کے ساتھ آپ نے فرمایا۔ (1978ء)



ربوہ میں برادرم محترم بشارت احمد بشیر سندھی صاحب (نائب وکیل التبشیر) نے عاجز کے اعزاز میں ایک دعوت کی۔
جس میں بعض اور دوست بھی مدعو تھے۔ جیسے مسعود جہلمی۔ مولوی عطاء اللہ کلیم۔
حسن محمد خاں عارف اور مولانا عطاء المجیب راشد صاحب (فوٹو 1979ء)



ریٹائرمنٹ کے بعد جب یہ عاجز ربوہ گیا تو صاحبزادہ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب (سابق وکیل التبشیر) نے اس عاجز کو اپنے ہاں دعوت کا اعزاز بخشا۔ اس موقع پر عزیزم محترم عطاء المجیب راشد صاحب بھی شامل تھے۔ (1979ء)



لاہور میں محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب کی رہائش گاہ پر حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ایک مُلاقات (1979ء)
محترم راشد صاحب اُن دنوں پھر جاپان جا رہے تھے۔ اور یہ عاجز انڈونیشیا روانہ ہو رہا تھا۔



سالانہ اجتماع انگلستان (غالباً 1984ء)

یہ عاجز تلاوت کر رہا ہے۔ حضور کے ساتھ محترم چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں (امیر یو۔ کے۔) بیٹھے ہیں۔



پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے ساتھ لندن مسجد کے صحن میں۔ (فوٹو 1980ء)



حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی صدارت میں ایک موقعہ پر اس عاجز کی تلاوت۔ یہ مجلس انصار اللہ یو کے کے ایک جلسہ تھی جو اسلام آباد لندن میں ہوئی۔ (فوٹو 1987ء)

(اسکے علاوہ بھی متعدد مواقع پر حضور اقدس کی موجودگی میں اس عاجز کو تلاوت کی سعادت حاصل ہوئی۔)

یہ انصار اللہ یو۔کے۔ کے جلسہ سالانہ کی تقریب تھی۔



جلسہ سالانہ یو۔کے کے موقع پر خاکسار کے چھوٹے بھائی عزیزم مکرم ملک عنایت اللہ صاحب آف لاہور کے ساتھ فوٹو (1986ء) تقاریر کے کسی درمیانی وقفہ میں یہ فوٹو لی گئی۔

جس کے لئے اپنے مولا کا جس قدر بھی شکر ادا ہو سکے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بچوں کو بھی بہتر جزا دے۔ جنہوں نے قدم قدم پر ہمارا خیال رکھا۔ فجزھم اللہ احسن الجزاء۔ ان جلسوں کے بعد اب لندن واپسی کا پروگرام ہے جہاں عنقریب یو۔ کے کا 93ء کا جلسہ سالانہ منعقد ہو رہا ہے جہاں امید ہے۔ حضور اقدس بنفس نفیس تشریف فرما اور رونق افروز ہوں گے۔ انشاء اللہ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ امریکہ اور کینیڈا کے جلسوں کے بعد اسی سال لندن کے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کی توفیق بھی میسر آ رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دفعہ 93ء کا لندن کا سالانہ جلسہ ایک خاص شان رکھتا تھا۔ اور ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ اس موقعہ پر عالمی بیعت کا نظارہ تو بس اپنی مثال آپ تھا۔ اور حضور اقدس کے خطبات تو سارے ہی بہت بہت ایمان افروز تھے۔ حاضری بھی اس جلسہ کی غیر معمولی تھی۔ یعنی 14-15 ہزار کے قریب۔ اور قادیان یا ربوہ کے جلسوں کا ایک منظر تھا۔ اور ایک خاص بات اس جلسہ کی یہ ہے۔ کہ یہ ساری دنیا میں سنا گیا اور تمام دنیا کے احمدیوں کو ایک رنگ میں متحد کرنے والا تھا۔...... طبیعت تو میری اس موقعہ پر بھی کمزور رہی تھی۔ مگر عزیز محترم اُسامہ کی رفاقت میرے لئے میرے سہارے کا موجب رہی۔ فالحمد للہ۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تینوں جلسوں کے موقع پر اپنے بہت سے اعزّہ اور اقارب کے علاوہ اپنے بہت سے بچھڑے ہوئے دوستوں اور کرمفرماؤں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ یہ محض احمدیت ہی کی برکت ہے۔ کہ ایسے لطف کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں اور تمام دوست محبت کے جذبات سے ملتے ہیں۔ ورنہ اپنی بساط ہی کیا یہی حال لندن کے جلسہ کا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر محترم جناب چوہدری انور احمد

صاحب کاہلوں اور کراچی والے مکرم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب اور مکرم ومحترم جناب ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب جس شفقت اور اپنائیت سے ملے۔ان کے یہ محبت بھرے جذبات پہلے بھی کہیں کم نہیں تھے اور آئندہ بھی کبھی دل سے محو نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس خلوص کی بہتر جزا عطا فرمادے۔ پھر کراچی کے ہمارے چوہدری احمد مختار صاحب بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ بلکہ ان سے تو اب ایک عرصہ سے ایک رشتہ داری کا تعلق بھی قائم ہو چکا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے اور خدمات دینیہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔آمین

زندگی پر ایک عمرانی نظر

جیسا کہ خاکسار عرض کر چکا ہے کہ خاکسار کی پہلی تقرری حضرت المصلح موعودؓ نے 45ء میں انگلستان کے لئے فرمائی۔ جب کہ مکرم چوہدری مشتاق احمد باجوہ بطور انچارج مشن لندن اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ اور یہ عاجز آپ کے ساتھی تھے۔ چنانچہ ابھی مکرم جناب مولانا شمس صاحب لندن میں تھے ان کے ساتھ ہمیں چھ ماہ کام کا موقع ملا۔ جن کے بعد چارج مکرم باجوہ صاحب نے لیا اور انگلستان میں کام نئے طور پر شروع کیا۔ 47ء میں فیصلہ ہوا کہ خاکسار ہالینڈ جا کر نئے مشن کی ابتداء کرے۔ چنانچہ پھر خاکسار ہالینڈ کے لئے روانہ ہو گیا۔ 50ء کے آخر تک خاکسار نے وہاں کام کیا اسی سال مسجد کے لئے ہیگ میں زمین خریدی گئی۔ جس کے بعد خاکسار کو واپسی کا ارشاد ہوا۔ ربوہ میں کوئی ایک سال قیام کے بعد خاکسار کو پہلی بار انڈونیشیا جانے کا ارشاد ہوا۔ سفر کے حالات اس زمانہ میں ابھی قدرے آسان نہ تھے۔ 52ء کا شروع تھا اہلیہ اور دو بچے ہمراہ تھے۔ خاکسار کے والد محترم حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی بقید حیات تھے۔ اور والدہ محترمہ بھی صحت کے ساتھ تھیں۔ مَیں جب پانچ سال کے لئے اس سے قبل یورپ گیا تھا تو خاکسار کے اہل وعیال خاکسار کے والدین ہی کی نگرانی میں مقیم رہے۔ جو اس عاجز کے لئے بہت تسلی کا موجب تھا۔ اس دوران جس رنگ میں انہوں نے میرے اہل وعیال کے

ساتھ نیک سلوک کیا اوران کا خیال رکھا۔اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ان کی اس عمر میں ضرورت تھی اور میرا بھی حقیقی فرض تھا کہ مَیں ان کی کوئی خدمت کرسکتا۔مگر حالات کی وجہ سے مَیں مجبور تھا۔دارالواقفین ٹریننگ کے زمانہ میں جب کہ شادی کے بعد بھی میری رہائش پانچ سال قادیان دارالواقفین میں ہی شب وروز رہی۔ان ایام میں بھی خاکسار کے اہل وعیال کے وہی نگران اور عملاً کفیل رہے۔اوراس کے بعد جب مَیں پانچ سال کے لئے بالکل ہی غیر ملک کو چلا گیا تو بچوں کی سو فیصد نگرانی ان کے سپرد ہوگئی۔اللہ تعالیٰ اس کارخیر کی انہیں بہتر رنگ میں جزاء دے۔بہت ہی قابل قدر اور میرے لئے نہایت ہی بابرکت وجود تھے۔یہ ساری نیکی اور دوسری بہت سی نیکیاں انہوں نے خوشی اور مسرت سے اپنے اوپر لیے رکھیں۔کہ مَیں نے اپنی زندگی کو وقف کیا تھا اور وطن سے بے وطن ہوکر اور بچوں سے جدا ہوکر تبلیغ اسلام کے عملی جہاد کے لئے حضور اقدس کے ارشاد کے مطابق روانہ ہوا تھا۔اس سارے کام میں میرا اپنا تو کوئی دخل نہ تھا یہ صرف خدا تعالیٰ کا فضل تھا اور نیک والدین کی دعاؤں کا اوران کی نیکی کا اثر تھا۔کہ ایسے اہم کام کیلئے جرأت کرلی۔ورنہ مَیں تو اس کی اہمیت سے ان ایام میں آگاہ بھی نہ تھا یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اوراس کی ذرہ نوازی ہے کہ حضور نے اس عاجز گنہگار کو قبول فرمایا

ورنہ درگاہ میں تیرے کچھ کم نہ تھے خدمتگزار

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایک لمبا عرصہ پہلے ہالینڈ میں اور پھر انڈونیشیا میں خدمت کا موقع عطا کیا اور ساری عمر ہی انہیں مشاغل میں بسر ہوئی مگر جو پُر لطف اور حسین بچپن کا زمانہ قادیان کی مقدس بستی میں گزرا۔اور بزرگوں اور صحابہ کرام کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔اس کی یاد کبھی نہیں بھولتی۔اور

بعض بچپن کے ایمان افروز نظارے تو اب بھی نظروں کے سامنے ہیں۔ مَیں بچہ ہی تھا جب حضور ویمبلے کانفرنس میں حصہ لینے اور لندن مسجد کی بنیاد رکھنے کے بعد واپس قادیان پہنچے تو یہ نظارہ دیکھنے کے لائق تھا یہ غالباً 24ء کا زمانہ تھا۔ قادیان میں پھر حضور اقدس کا جس رنگ میں استقبال ہوا۔ وہ سب نظارہ نظر کے سامنے ہے۔ قادیان کو ایک دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور ایک بڑی ہی رونق کا سماں تھا۔ اسی زمانہ کی بات ہے جب ہمارا مکان بھی دارالبرکات قادیان میں تعمیر ہوا۔ یہ محلہ ابھی قریباً غیر آباد تھا۔ آبادی خال خال تھی اور اس حد تک زمین خالی تھی کہ کچھ عرصہ بعد بھی وہ جگہ ہوائی جہاز کے اترنے کے لئے ابھی بہت خالی تھی۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ وہاں ہوائی جہاز بھی لینڈ کر سکا۔ جس میں حضور المصلح موعودؓ نے پہلی دفعہ ہوائی جہاز سے پرواز کی۔ سارے قادیان کے لوگ وہاں جمع تھے۔ قادیان کے پرانے شہر کے حصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اور آپ کے خاندان کے متبرک مقامات تو دل کشی اور رونق کا طبعی مقام تو جماعت کے لئے تھے ہی ان کے علاوہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا مکان بھی یاد آتا ہے جہاں مستورات کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا۔ مردوں کا جلسہ سالانہ ابھی ٹی آئی ہائی سکول کے گراؤنڈ میں شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ غالباً ابھی مسجد نور میں ہی منعقد ہوتا تھا۔ اور عام جلسے اجلاس وغیرہ اگر بڑے رنگ کے ہوں تو وہ ریتی چھلہ میں ہوا کرتے تھے۔ یہ اُن ابتدائی دنوں کی بات ہے جس کا تصوّر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ لڑکیوں کا سکول جو بعد میں دارالعلوم میں آ گیا پہلے قادیان کے مدرسہ احمدیہ کے عقب میں محترم خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحب کے مکان میں ہوا کرتا تھا۔ اور جلسہ بھی پہلی جگہ سے منتقل ہو کر حضرت مولانا سید سرور شاہؓ صاحب کے مکان کے سامنے پھر ہونے لگ گیا۔ حضرت

شیخ یعقوب علی صاحب کے ذکر کے ساتھ مجھے اپنا 37ء اور 38ء کا وہ زمانہ بھی اب یاد آ رہا ہے۔ جبکہ ان کے پوتے حافظ سلیمان جو میرے حافظِ قرآن کلاس کے کچھ عرصہ رفیق بھی رہے ہیں۔ ان سے تعلقات کافی گہرے تھے۔ اور ہمارا آنا جانا بھی ان کے ہاں کافی تھا۔ انہی دنوں انہوں نے المبشر رسالہ بھی جاری کیا۔ جس میں شبلی۔ بی۔ کام اور قمر اجنالوی ایسے دوستوں نے بھی مدد کی۔ اسماعیل، احسن صدیقی گوجرہ والوں کی نظمیں بھی اس میں شائع ہوتی تھیں۔ بعد میں پھر یہ رسالہ محمود احمد عرفانی صاحب نے خود اپنی تحویل میں لیا اور کچھ عرصہ اس کو چلایا۔ محترم جناب عرفانی صاحب کافی عرصہ احمدی نوجوانوں کی مساعی کی آماجگاہ رہے۔ پھر نیشنل لیگ کا زمانہ آیا تو وہ اس کی بھی روح رواں رہے۔ بلکہ کمانڈر ہونے کے لحاظ سے انہوں نے خاص یونیفارم کو بھی زیب تن کیا۔ تاریخ احمدیت جلد ہفتم میں ایک جلوس کے آگے وہ بمع یونیفارم کے نظر آ رہے ہیں اور ان کے ایک طرف یہ خاکسار بھی نائب کمپنی کمانڈر کی حیثیت سے یونیفارم میں ہی کھڑا ہے۔ بہرحال وہ بھی ایک پُر رونق زمانہ گزرا جس کی یاد آج بھی آتی ہے۔ تو ایک وجد کی سی کیفیت پیدا کر جاتی ہے۔

ع   وہ کیا دن تھے طرب انگیز جب ہر ایک ساعت تھی

حقیقت یہی ہے۔ کہ قادیان کا وہ گزرا ہوا زمانہ جب یاد آتا ہے تو اس وقت کو یاد کر کے طبیعت بھر آتی ہے۔ وہ تصورات اور وہ دن رات جس ماحول میں گزرتے تھے۔ جن لوگوں کی پاک صحبت مین لطف لیا جاتا رہا۔ وہ اب نہیں رہے وہ کیا لوگ تھے کہ صفحہ ہستی پر نمودار ہوئے۔ اور اپنے جلوے دکھا کر چل دیئے۔ ان میں سے حضرت ماسٹر عبدالرحمٰنؓ صاحب سابق مہر سنگھ۔ ماسٹر محمد طفیل صاحب۔ حافظ مبارک احمد صاحب۔ ماسٹر مولا بخش صاحب۔ حضرت مولانا محمد اسماعیلؓ صاحب

ہلال پوری اور حضرت مولانا سید سرور شاہؓ صاحب ۔اور ان کے رفقاء کار۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی ۔ عبدالطیف صاحب بہاولپوری اور بہت سے بابرکت وجود جو اپنی چمک دکھا کر اوجھل ہو گئے ۔اے خدا تو ان سب پر رحم فرما۔ آمین۔

قادیان کی مزید یاد

میں تو قادیان میں آخر 45ء تک ہی رہا ہوں۔ دسمبر 45ء میں ہماری روانگی یورپ کی طرف ہوگئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ربع صدی میں سلسلہ کے بہت سے بزرگوں سے محبت حاصل رہی ۔ان کے ایمان افروز کلمات کو سنا۔ اور ان کے نیک اور پاک نمونہ کو دیکھا۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب کا وجود اب تک نظر کے سامنے ہے۔ آخری زمانہ میں ان کی رہائش ہمارے ہی مکان کے چوبارہ پر تھی ۔ غالباً 24ء کا زمانہ تھا۔ رمضان المبارک میں درس کے لئے تشریف لے جاتے ۔ تو گھر میں اپنی اہلیہ محترمہ کو ایک دفعہ پہلے سارا سپارہ سنا کر تشریف لے جاتے ۔ آپ کی آواز میں ایک مٹھاس تھی ۔ اسی طرح حافظ جمال احمد صاحب کا مسجد اقصیٰ میں قرآن مجید پڑھنا یاد ہے۔ ہمارے استاد حضرت حافظ سلطان حامد صاحب جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے بھی حافظ کلاس میں استاد رہے ہیں ۔ اور مسجد اقصیٰ کے امام الصلوۃ ہوا کرتے تھے۔ ان کے پڑھنے کا رنگ بھی گو تحت اللفظ کے طرز کا تھا۔ مگر بہت پُر لطف تھا۔ یہی کیفیت حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کی تھی ۔ انہیں قرآن پر بڑا عبور تھا اور قرآن پاک کے لفظ موتیوں کی طرح ان کے منہ سے نکلتے تھے۔ ان کی فیض محبت سے بارہا لطف اندوز ہونے کا موقعہ ملا۔ حافظ محمد رمضان صاحب حافظ کلاس میں مجھ سے سینئر تھے۔ انکی تلاوت بھی بہت عمدہ تھی اور صحیح تھی ۔ یادداشت غضب کی

تھی ۔مَیں ایک دفعہ بارہ سال کے بعد ان سے ملا۔تو مصافحہ سے ہی یکدم پہچان گئے ۔ بڑے بامذاق تھے ۔ان کا ایک لطیفہ یاد ہے کہ ایک دفعہ مسجد میں رات زیادہ ہوگئی تو کسی نے ان سے کہا۔ کہ حافظ صاحب سو جائیں ۔ کہنے لگے ہمارا سونا کیا ہے چُپ ہی کر رہنا ہے۔آنکھیں تو پہلے ہی بند ہیں ۔ بہر حال بہت پُر مزاح طبیعت کے مالک تھے ۔ان کی شادی اپنے استاد صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ایک دفعہ حافظ محمد رمضان صاحب نے حضرت مولانا اسماعیل صاحب ہلال پوری کے ہاں ایک ضرورت کے پیشِ نظر صرف تین رات تراویح میں سارا قرآن کریم ختم کیا۔ ہماری حافظ کلاس میں حافظ مسعود احمد صاحب میرے بعد آئے ۔مگر ان کی بڑی ہمت ہے کہ باوجود دوسری تعلیمی مصروفیات کے انہوں نے قرآن کریم کا دَور ہمیشہ جاری رکھا اس میں بہت حد تک ان کے والد صاحب حضرت بھائی محمود احمد صاحب کا بھی بڑا دخل ہے۔

قادیان کی یادوں میں سے اس وقت کی وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی وجہ سے اس فضا کی مہک اور ہی رنگ کی تھی ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وجود تو خیر ایک مرکزی وجود تھا اور تمام خیالات کا محور تھا مگر آپ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی شخصیت بھی ایک خاص کیفیت کی حامل تھی ۔آپ سے مل کر اور آپ سے بات کر کے جو سرور حاصل ہوتا تھا وہ لذت اب تک دل کو گرما رہی ہے پھر حضرت میر محمد اسحٰقؓ صاحب کا حدیث کا درس تھا۔ جو آپ مسجد اقصیٰ میں دیا کرتے تھے ۔ایسے عاشق صادق رسولِ پاکؐ اب کہاں ملتے ہیں۔پھر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیلؓ صاحب کا عاشقانہ اور صوفیانہ رنگ اپنی نظیر آپ تھا ۔ حضرت مولوی سید سرور شاہؓ صاحب ،حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کی شان کچھ اور ہی نرالی تھی ۔ پھر جماعت کی انتظامیہ میں جناب دردؓ صاحب کا وجود۔ حضرت سید ولی اللہ شاہؓ صاحب کا وجود یہ

سارے رنگا رنگ پھول تھے ۔ جناب درد صاحب کے بعض خطوط اب بھی میرے پاس موجود ہیں ۔ بہت ہی خیال رکھنے والے وجود تھے ۔ حضرت مولانا عبدالمغنی صاحب کا خلوص کچھ اپنے ہی رنگ کا تھا مجھے انہوں نے جو نصائح کبھی فرمائیں وہ اب تک میرے دماغ میں تازہ موجود ہیں ۔ ایک دفعہ ہالینڈ سے واپسی پر جب بہت سی دعوتیں میرے اعزاز میں ہوئیں ۔ تو انہوں نے مجھے الگ لے جا کر فرمایا ۔ کہ ان دعوتوں کا سوائے جذبات تشکر کے اور کوئی اثر نہ لینا ۔ ورنہ بعض دفعہ یہ چیزیں ابتلاء کا موجب بھی بن جاتی ہیں ۔ علماء میں سے حضرت مولانا راجیکیؒ صاحب، حضرت مولانا ابوالعطاءؓ صاحب اور جناب شمس ؓ صاحب ۔ پھر جناب قاضی محمد نذیر صاحب ۔ اور اسی طرح اور بہت سے علماء قادیان کی رونق تھے ۔ جناب خادم صاحب کی پُر لطف مجالس اب بھی نظر کے سامنے ہیں ۔ بہت حاضر دماغ، قابل اور مخلص وجود تھے ۔ پھر باہر کی جماعتوں مین جناب چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب کا وجود ایک نہایت ہی قابل قدر وجود تھا ۔ اور میرے ساتھ تو انہیں خاص تعلق تھا ۔ مشفقانہ اور مخلصانہ تعلق ۔ انہوں نے اس ناچیز کے ساتھ جو سلوک فرمایا ۔ اس کی یاد کبھی دل سے محو نہیں ہوسکتی ۔ اسی طرح جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب اور پھر مکرم جناب چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے ساتھ اور آپ کی صحبت میں تو ہالینڈ میں مجھے سالہا سال کا لمبا عرصہ گزارنے کا موقعہ ملا اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بلکہ اس سے بہت بڑھ کر پایا ۔ باوجود انتہائی مصروفیات کے ہمیشہ شفقت اور محبت سے پیش آئے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ مقام جنت میں نصیب کرے ۔ یہ سارے ہی بہت قابل قدر وجود تھے وہ اس شعر کے حقیقی مصداق تھے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زمانہ گزر گیا لوگ گزر گئے مگر وہ پرانے نظارے اب تک نظروں کے سامنے ہیں۔ قادیان سے گرمی کی چھٹیوں پر جانے کا منظر بھی نہیں بھولتا۔ حضور اقدس کی 24ء میں لندن سے آمد کا نظارہ۔ مسجد مبارک میں نمازوں کا سماں اور صبح کے وقت تراویح میں قرآن سنانا۔ جامعہ احمدیہ کی فضا۔ نیشنل لیگ کور کا زمانہ۔ لاہور میں مختلف لیڈروں کے استقبال کے نظارے۔ جلسہ سالانہ کا منظر۔ قادیان میں ریل کی آمد۔ بہشتی مقبرہ کی دعائیں۔ دارالفضل مسجد کی ابتداء۔ ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان کے ہال میں مشاورت کا اجلاس۔ ریلوے روڈ قادیان کی جانب حضرت ام المومنینؓ کا گزرنا اور ہمارے گھر آنا۔ دارالبرکات قادیان کی رہائش اور خدام کی زعامت۔ چاندنی راتوں میں ریلوے اسٹیشن کی طرف سیر و تفریح دارالبرکات قادیان میں 25ء میں ہمارے مکان کی تعمیر اور نقل مکانی۔ ہائی سکول اور جامعہ کی گراؤنڈ میں عصر کے بعد کھیلوں کا سماں۔ پھر قادیان کی رہائش کے آخری سالوں میں دارالواقفین کے لیل و نہار وہاں کی مصروفیات، حضور سے تعلق، وقف کی ٹریننگ، پھر تمام واقفین کا پیدل کشمیر کا سفر، پھر ایک خاص سکیم کے ماتحت واقفین کا حصول معلومات کیلئے ایک ماہ کا دورہ اور پیدل سفر، اور اس کی مشکلات اور تجربات، پھر خدام لاحمدیہ مرکزیہ کے مرکزی اجلاس جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں ان کی قیام گاہ ''النصرت'' میں منعقد ہوتے رہے۔ احرار اور مصری کا فتنہ اور اس میں مصروفیات اور خدمات۔ خدام الاحمدیہ کی ابتداء۔ اور اس کے مرکزی دفتر کی تعمیر۔ خدام اور جماعت کے جھنڈے کی نگہبانی اور حفاظت۔ یہ سارے ہی ایسے

امور تھے جن کیساتھ ذاتی طور پر اس عاجز کو قریب کا تعلق رہا ہے۔اور اس کے ساتھ وابستگی رہی ہے۔اور خدمت کی توفیق بھی میسر آئی ہے۔اخبار میں ان امور کو پڑھ لینا بالکل اور بات ہے۔مگر ان حالات میں سے خود گزرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونا اور اس ضمن میں خدمات کی توفیق اور سعادت پانا۔یہ ایسے لطف نہیں جو ہمیشہ میسر آسکیں ان تمام امور کی یاد ایک ایک کر کے اب بھی ذہن میں تازہ ہے اور ازدیاد ایمان کا موجب ہے۔نیشنل لیگ کور کا زمانہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے ایک نہایت ہی خاص اور بارونق زمانہ تھا۔پھر اس زمانہ کے سیرۃ النبیؐ کے جلسے بھی اپنی خاص شان رکھتے تھے۔جلوس نکلتے تھے۔سکولوں اور دفاتر میں چھٹیاں ہوجاتی تھیں۔پھر خاص ایام میں سحری کے وقت محلوں میں صلِّ علیٰ نبیّنا صلِّ علیٰ محمدٍ کے وِرد اور نعتیہ اشعار ایک عجب سماں پیدا کرتے تھے۔پھر قادیان میں صبح کے وقت تمام گھروں سے تلاوتِ قرآن کی گونج کچھ عجب کیف کی حامل ہوا کرتی تھی۔آج ان تمام امور کی ایک حسین یاد سی دل میں موجزن ہو کر ایک لطف پیدا کر جاتی ہے۔یہ سب نظارے ایک ایک کر کے قادیان کی پُر لطف زندگی کا ایک لازمی حصہ تھے۔

وہ کیا دن تھے طرب انگیز جب ہر ایک ساعت تھی
ہمارے واسطے دنیا محبت سے عبارت تھی
تڑپتا ہوں کبھی جب وہ زمانہ یاد کرتا ہوں

بعض دیگر مشفقین کا ذکر

اپنے حالات کے ضمن میں مَیں نے اپنے بعض دوستوں کا، تعلق داروں کا اور محبت رکھنے والوں کا ذکر تو پہلے اختصار کے ساتھ کہیں کہیں کر ہی دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض مشفق احباء کا ذکر بالکل ہی نہیں ہو سکا یا ہوا ہے تو بالکل اشارۃً ہی ہوا ہے۔ جس کی کمی طبیعت کو محسوس ہو رہی ہے۔ اس لئے ان میں سے بعض کا ذکر اب اختصار کیساتھ کر دیتا ہوں۔ گو ایسے تمام دوستوں کا ذکر تو پھر بھی ممکن نہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کا ذکر جن کے تعلقات میرے ساتھ اگر زندگی بھر نہیں تو زندگی کا ایک لمبا عرصہ میرے لئے ان کا قرب اور ان کی شفقتیں لطف اور تسکین کا موجب رہی ہیں۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

تبلیغ کے زمانہ میں محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ساتھ میرا تعلق ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور بڑی میٹھی یاد ہے میرا تعلق تو وقف یا تبلیغی زمانہ سے پہلے بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم اکٹھے بعض دفعہ ہاکی بھی کھیلا کرتے تھے مگر تبلیغی میدان میں تو اکثر حصہ زندگی ان کے زیر نگرانی گزرا۔ کیونکہ وہ ہمارے افسر رہے ہیں اور خاصہ عرصہ وکیل التبشیر رہے ہیں۔ افسر نگران تو وہ تھے ہی مگر بہت شفقت کرنے والے تھے۔ اس عاجز سے تو وہ ہمیشہ بڑی محبت سے ملتے۔ اور ہر قسم کی ضرورت کا خیال رکھتے۔ بلکہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ایک دفعہ جب مَیں ربوہ گیا تو

باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے انہوں نے اس عاجز کو ازراہ نوازش خاص طور پر اپنے ہاں کھانے کا اعزاز بخشا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء ہالینڈ کے زمانہ میں آپ کے ساتھ آپ کی یاد کے متعدد فوٹو زاب بھی میرے پاس ہیں اور پھر آخری دنوں میں تو ایک دفعہ لندن ایئرپورٹ پر بھی ایک فوٹو ہوا۔ جبکہ میرے بھائی ملک عنایت اللہ صاحب بھی ساتھ ہیں۔

محترم چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب

پھر دارالواقفین قادیان کے زمانہ کے بعض دوست اور خاص ساتھی ہیں جن کے ساتھ اس عاجز کو قریب کا رابطہ رہا اور زندگی بھر لطف لیا۔ ان میں سے ایک محترم برادرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ہیں جن کے ساتھ اس وقت بھی قریب کا تعلق تھا۔ دارالواقفین کی رفاقت تو تھی ہی مگر اس کے ساتھ مجلس مرکزیہ خدام الاحمدیہ میں بھی ان کیساتھ کام کا موقعہ ملا اور پھر اس کے بعد انگلستان میں جب ہم دونوں 46-47ء میں اکٹھے ہوئے جب کہ وہ مشن کے انچارج اور امام تھے۔ اس عاجز کو انکے ساتھ پھر کام کا موقع ملا۔ ہمیشہ ہی بڑی شفقت اور محبت سے ملتے ہیں۔ اور جب کبھی خط لکھتے ہیں تو وہ بڑے پیار سے لکھتے ہیں۔ ان کی نوازشات بھی یاد آتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت سے رکھے۔ آمین

محترم چوہدری خلیل احمد ناصر صاحب

پھر اسی زمانہ کے میرے ایک خاص دوست اور ساتھی محترم برادرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر تھے جن کو بعد میں امریکہ میں خدمات سلسلہ کا موقع ملا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ جب مَیں ریٹائر ہو چکا تھا۔ انہوں نے اصرار کے ساتھ مجھے اپنے

ہاں نیو یارک میں آنے کے لئے کہا مگر اتفاق ایسا تھا کہ انہیں ایام میں صاجزادہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس عاجز کو پھر برادرم مولانا عطاءاللہ کلیم صاحب اپنے ساتھ واشنگٹن لے گئے اور میرا کچھ وقت وہاں گزر گیا۔ بہر حال محترم حضرت صاحبزادہ صاحب کی ان دنوں کی وہاں کی علمی اور تربیتی مجالس بھی بہت یاد آتی ہیں برادرم چوہدری خلیل احمد ناصر صاحب نے ابتدأ خدام الاحمدیہ مرکزیہ (قادیان) میں بہت کام کیا ہے۔ وہاں بھی خاکسار کو ایک عرصہ ان کے ساتھ کام کا موقع ملا وہ بڑے اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے۔ جس جگہ وہ ہوتے رونق محفل ہی ہوتے۔ مَیں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بہت اچھی طبیعت کے ملنسار دوست تھے۔ افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ آمین۔ دار الواقفین میں تو وہ تین سال میرے روم میٹ بھی رہے ہیں۔

محترم شیخ ناصر احمد صاحب

پھر اسی زمانہ کے میرے ایک دوست اور ساتھی محترم برادرم شیخ ناصر احمد صاحب سابق مبلغ سوئٹزرلینڈ بھی ہیں آج کل انکی صحت کچھ کمزور جارہی ہے اللہ انہیں صحت سے رکھے۔ انہی کے محبت بھرے اصرار پر ایک دفعہ ہم (خاکسار اور خاکسار کی اہلیہ) خاص طور پر سوئٹزرلینڈ ان کے پاس گئے اور کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے بہت محبت کرنے والے وجود ہیں بلکہ اب بھی جب کبھی وہ ملتے ہیں یا ان کا کوئی خط آتا ہے تو ان کا اصرار یہی ہوتا کہ ہم پھر کبھی ان کے پاس سوئٹزرلینڈ آئیں۔ مگر اب بڑھاپا اور صحت کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہمت نہیں پڑتی۔ بہر حال ان کی محبت ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے اور صحت سے رکھے۔ آمین۔ جب بھی

وہ کسی کام سے لندن آتے ہیں تو ضرور گھر ملنے کیلئے تشریف لاتے ہیں۔

محترم ملک مولا بخش صاحب آف ادرحمہ

پھر عاجز کے پرانے دوستوں میں سے ایک ملک مولا بخش صاحب ادرحمہ کے ہوا کرتے تھے جن کی محبت ابھی تک یاد آتی رہتی ہے۔ وہ میرے کلاس فیلو تھے اور بڑے مخلص فدائی احمدی تھے۔ تعلیمی زمانہ میں ایک دفعہ وہ مجھے اپنے گاؤں ادرحمہ بھی لے گئے۔ گو راستہ میں بعض نالوں کو عبور کرنا مشکل تھا مگر وہ مجھے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیتے۔ ادرحمہ گاؤں کو دیکھنے کی میری خواہش کچھ اس وجہ سے بھی تھی کہ یہ حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کا گاؤں تھا۔ طبیعت کے بہت سادہ تھے۔ مگر بڑی وسعت قلبی کے مالک تھے۔ بڑے کھلے دل سے نوازشات فرمایا کرتے تھے۔ مکرم اللہ بخش صادق صاحب ان کے داماد ہیں جو انچارج وقف جدید ناظر خدمت درویشاں بھی ہیں ان کے سپرد قادیان کے درویشان کی نگرانی کا کچھ کام بھی ہے۔ ان سے مل کر بھی طبیعت ہمیشہ خوش ہوتی ہے (ہمارے مکرم عطاء المجیب راشد صاحب کے بھی ان کے ساتھ دوستانہ مراسم ہیں) بہر حال ملک مولا بخش صاحب کے ساتھ جو زمانہ گزرا وہ بہت ہی لطف کا موجب تھا اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کی اولاد کو خوش رکھے۔ آمین

محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ

اپنے پرانے اساتذہ ویسے تو قریباً سارے ہی محبت اور شفقت کرنے والے مخلص وجود تھے مگر جو تعلق اور جو رنگ محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ کا تھا وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ قادیان کے پرانے زمانہ میں جس کی یاد 30 تک جاتی ہے وہ مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ کے سپریٹنڈنٹ ہوا کرتے تھے اور تمام طلباء کا ایک محور

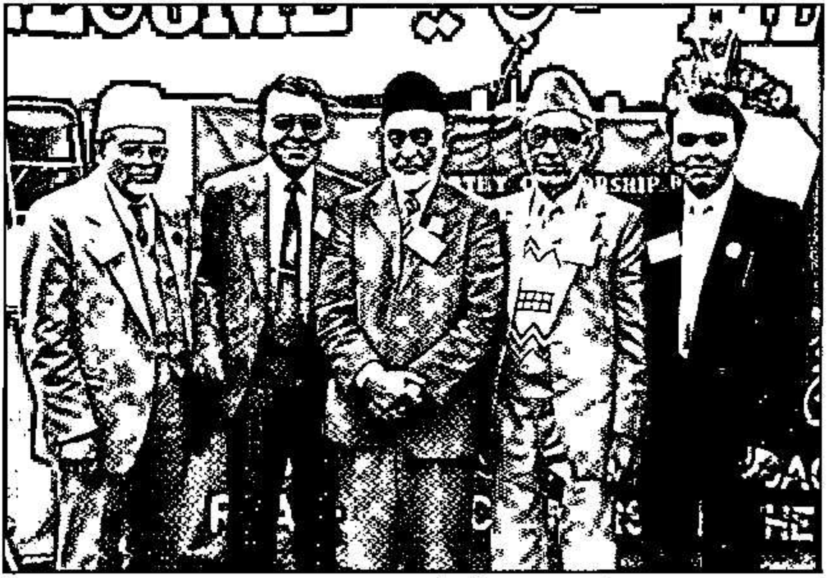
تھے۔طلباء کے ساتھ ان کا رابطہ ایک باپ کی طرح تھا۔ان کی ہر قسم کی ضروریات کا وہ خیال رکھا کرتے تھے۔کھیلوں کے میدان میں بھی وہ ایکٹو(Active) تھے اور پھر جب کوئی مبلغ باہر جاتا تو اس کے اہل وعیال کا خیال بھی اکثر وہی رکھا کرتے تھے۔اس عاجز کے ساتھ تو ان کا سلوک بہت ہی مشفقانہ تھا۔خاکسار کے مدرسہ احمدیہ میں سالہا سال وہ ہمارے استاد رہے۔پھر پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہ قادیان ہی کے ہو گئے اور پھر زندگی بھر وہاں کے امیر رہے۔اس کے علاوہ وہاں کی میونسپل کمیٹی میں دراصل وہی قادیان کے احمدیوں کی روح رواں تھے مجھے تو ان کے خط بھی بڑی محبت کے آتے رہے بلکہ ایک دفعہ مجھ سے ذرا غفلت ہوئی تو شکوہ کیا کہ تم سے یہ امید نہ تھی۔پھر ایک دفعہ جب مَیں قادیان گیا تو ہم ایک ہی چارپائی پر آپ کے ساتھ ہی گو بیٹھے ہوئے تھے مگر انہوں نے مجھے اور بھی خاص طور پر اپنے قریب کر لیا۔یہ کہتے ہوئے کہ آپ تو مجھے اپنے بچوں کی طرح ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔آمین۔حضرت مولوی صاحب کی محبت تو مجھے اکثر اور بہت یاد آتی ہے ایک دفعہ مجھ سے خط لکھنے میں دیر ہوگئی تو ان کا شکوہ بھرا خط آ گیا اس میں پہلا فقرہ ہی یہ تھا۔کہ ''آپ کا خط بہت دنوں کے بعد آیا اور حالات سے آگاہی ہوئی پتہ نہیں ہم لوگ آپ کے دل سے کیوں نکل گئے اور کس وجہ سے آپ نے ہم کو بھلا دیا۔مجھے تو آپ کا ایڈریس معلوم نہ تھا اور نہ مَیں انگریزی جانتا ہوں۔ورنہ خود خط لکھ کر خیریت معلوم کر لیتا.............'' یہ خط ان کا 10-02-65 کا لکھا ہوا ہے۔جو قادیان سے انہوں نے مجھے ہالینڈ لکھا۔



محترم برادرم ملک سیف الرحمان صاحب کی ایک دلکش یاد۔ فوٹو مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب نے لی تھی۔ قیام بھی انہی کے ہاں تھا جو امام راشد صاحب کی راہنمائی میں عمل میں آیا۔



اس تصویر میں عزیز میرے پاس کھڑے ہیں۔ (جو محترم شاہد صاحب کے صاحبزادے اور مکرم قاضی اسلم صاحب کے پوتے ہیں) انکو خاکسار نے قرآن پڑھایا تھا۔ یہ علی کی آمین کی تقریب تھی جسمیں محترم شاہد صاحب کے بہنوئی مکرم محترم آفتاب خان صاحب (امیر یو۔ کے) بھی موجود ہیں۔



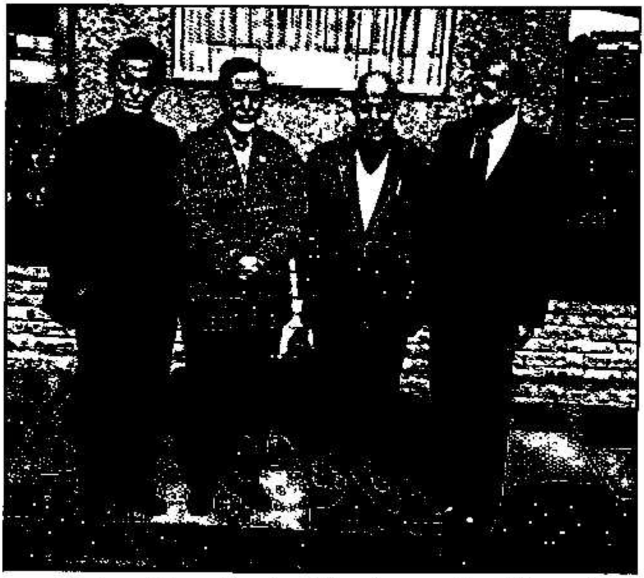
کینیڈا میں جماعت احمدیہ کی جوبلی کے موقعہ پر ایک یادگار فوٹو (1989ء)

بائیں سے دائیں۔

لیفٹیننٹ کرنل محمد سعید (مربی کینیڈا) جو خاکسار کے ہم زلف ہیں۔ ان کے صاحبزادے زبیر، خاکسار، محترم ندیم صاحب اور کرنل صاحب موصوف کے صاحبزادے عزیزم سعد جو خاکسار کے داماد ہیں۔

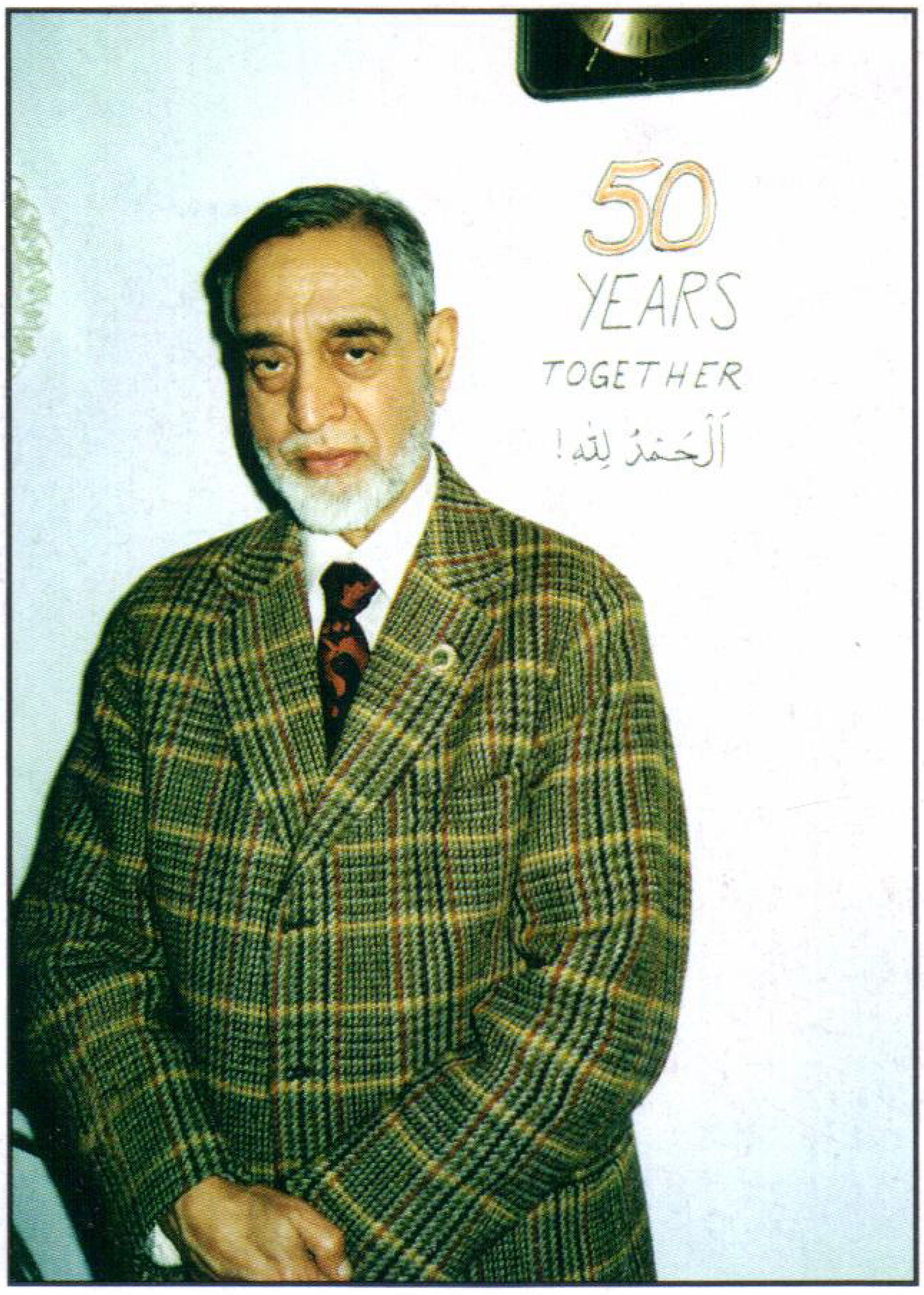


لندن میں محترم برادرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب کی معیت میں ایک یادگار فوٹو۔ جبکہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائے تھے اور کافی دیر مجلس رہی۔ ان دنوں ہمارا لڑکا عزیزم عزیز اللہ بھی لندن آیا ہوا تھا۔



دارالواقفین قادیان کے میرے مشفق اور مخلص دوست تیس پینتیس سال بعد ایک دفعہ پھر لندن میں اکٹھے ہوئے۔محترم برادرم خلیل احمد صاحب ناصر کے ساتھ تو یہ عاجز لمبا عرصہ دارالواقفین اکٹھے ایک کمرے میں رہا۔شیخ ناصر احمد صاحب کی شفقت ابھی تک جاری ہے۔باقی دونوں بھائی اللہ کو پیارے ہوگئے۔(فوٹو لندن 1985ء)





شادی کی 50 سالہ تقریب پر ایک یادگار فوٹو۔



شادی کی 50 سالہ شکرانے کی تقریب پر عزیزم عطاء المجیب راشد کی معیت میں ایک فوٹو۔ (1990ء) لندن

محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ

پرانے دوستوں میں سے ایک میرے تعلق دار اور کرمفرما محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب سابق مفتی سلسلہ بھی تھے مجھے ان سے اس وقت سے تعلق ہے جب کہ ابھی وہ جماعت میں بھی شامل نہیں ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جماعت میں انہیں وہ مقام دیا جس کی مثال جماعت میں بہت کم ملتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ عالم باعمل تھے اور فدائی احمدی تھے۔ قادیان کے زمانہ میں جب ان کی شادی ہوئی تو مجھے یاد ہے کہ انکی شادی کا کمرہ تیار کرنے کے ضمن میں مکرم مولانا محمد احمد جلیل صاحب کے ساتھ مَیں بھی تھا۔ شادی کی پہلی رات کے لئے ان کے لئے بستر وغیرہ تیار کیا کمرے میں بس ایک پلنگ ہی تھا جس کے علاوہ تو کوئی اور چیز مجھے یاد نہیں پڑتی۔ بڑی سادگی کے ساتھ ان کی شادی انجام پائی دارالواقفین نے پہلے صرف ونحو کے ضمن میں ان سے بہت کچھ علم بھی حاصل کیا۔ بڑی اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ ہمیشہ اخلاص سے ملتے۔ جوبلی کے موقع پر کینیڈا اور امریکہ میں بھی بہت سا وقت خاکسار نے ان کی صحبت میں گزارا۔ جس کی یاد اب بھی دل کو گرما جاتی ہے۔ بہت نادر وجود تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین

مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب

اسی طرح ہمارے ایک دوست مکرم جناب بشیر احمد رفیق خان صاحب ہیں جن سے مل کر ہمیشہ ہی طبیعت خوش ہوتی ہے۔ وہ اپنی شفقت اور محبت بھرے انداز میں اپنی نظیر آپ ہیں ان سے ملنے ملانے میں کوئی تکلف نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ایک کھلی ہوئی کتاب ہیں۔ ایک دفعہ ان کے پاس بیٹھ جائیں تو اٹھنے کو جی نہیں

چاہتا ویسے تو ربوہ میں ان کے تعلیمی زمانہ میں بھی ان سے تعارف ہوا۔مگر اب ایک عرصہ ان کی صحبت میں لندن میں گزرا۔ پہلے وہ چند سال مشن انچارج رہے اور اب دوسرے اہم تصنیف کے کام ان کے سپرد ہیں۔ بہت مصروف رہتے ہیں گزشتہ عرصہ میں ایک دفعہ جب وہ پاکستان گئے اور کچھ وقت انہیں وہاں رہنا پڑا تو اس وقت بھی ان کے محبت بھرے خطوط اس عاجز کو لندن میں آتے رہے۔ یہ باتیں تو خیر انکی طبیعت کی بہترین افتاد سے تعلق رکھتی ہی ہیں۔مگر میرے ساتھ میری غیر حاضری میں بھی انہوں نے ایک سلوک جو انہوں نے میرے ساتھ فرمایا اور جو خیر خواہی فرمائی (جس کا علم بھی مجھے بعد میں ہوا) اور جس رنگ میں اخوت کا ثبوت انہوں نے دیا وہ انکا جذبہ خلوص میرے لئے بہت ہی قابل قدر ہے۔اور ہمیشہ ہی ان کی محبت بھری یاد میرے دل میں قائم رہے گی۔اور دل سے دعائیں بھی نکلتی رہیں گی۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ہمیشہ ہی انکے شامل حال رکھے اور زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق دے۔آمین

مکرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب

محترم ومکرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب کا ذکر تو ہالینڈ کے حالات کے ضمن میں کسی جگہ آتو چکا ہے مگر بہت اختصار کے ساتھ آیا ہے۔جس سے کوئی زیادہ تسلی نہیں ہوئی کیونکہ ان کی نوازشات اور ان کی شفقتوں سے جس رنگ میں یہ عاجز لطف اندوز ہو رہا ہے اس کے شکریہ کے لئے بھی میرے پاس الفاظ نہیں۔ان سے تو ہالینڈ میں بھی جب کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بھی وہاں ہوا کرتے تھے۔ اور متعدد مرتبہ ہالینڈ تشریف لاتے رہے اور اپنی محبت بھری صحبت سے اور اپنی مخلصانہ

دعاؤں سے ہمیں نوازا۔ بلکہ اب بھی مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں ہمیشہ اس عاجز کو یاد رکھتے ہیں۔ کچھ سال پہلے جب وہ انگلستان کے امیر تھے اس وقت بھی ان کی رفاقت اور صحبت بھی شامل رہی۔ اس کے بعد پھر اپنی بعض مجبوریوں کی بناء پر لندن سے وہ ذرا دور چلے گئے مگر تعلق پھر بھی قائم رہا۔ متعدد مرتبہ وہ ازراہِ شفقت اس عاجز کے گھر بھی تشریف لائے۔ ایک دفعہ ہمارا لڑکا عزیزم عزیز اللہ بھی یہاں تھا چنانچہ یہ مجلس اور صحبت بڑے ہی لطف کا باعث رہی۔ اب بھی جب ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل سے ان کیلئے دعا نکلتی ہے کہ اللہ ان کی زندگی میں برکت دے۔ انکی اہلیہ کو بھی صحت دے اور ان کی زندگی ہر رنگ میں ایک پرسکون اور کامیاب زندگی ہو۔ آمین۔

نوٹ: زندگی میں کرمفرما دوستوں اور احباب کی دنیا تو بہت وسیع ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ کس کس کا ذکر کیا جائے بعض کا ذکر تو خاص طور پر اختصار کے ساتھ کیا بھی جا چکا ہے۔ اور بعض کا ضمناً ہی آ گیا ہے۔ مگر بعض جن کی محبت بھری یاد سے دل کبھی بھی خالی نہیں ہوا ان کا شائد بالکل ہی ذکر نہیں آسکا۔ اگر تو ''کاغذی پیرہن'' کے انداز میں ان سب کا ذکر آئے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی ورنہ اس مختصر کتابچہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ ان احباب میں سے بعض تو اللہ کو پیارے ہو گئے اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ آمین۔

محترم اسماعیل احسن صدیقی صاحب آف گوجرہ

اسی طرح بعد اور دوست بھی یاد آتے ہیں۔ جیسے محترم اسماعیل صاحب۔ احسن صدیقی گوجرہ جن کے ساتھ تو رشتہ داری بھی ہے ان کی محبت یاد آتی ہے۔ گو

اب مجھے دیر ہوگئی ہے مگران کے جذبات محبت سے ضرور محظوظ ہوا ہوں۔ پھر ہمارے انڈونیشیا کے امیر مکرم جناب شریف لُوبیس صاحب ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں بڑی محبت سے ملتے ہیں پھر برادرم مکرم شریف اشرف صاحب سے بھی پرانا دوستانہ تعلق ہے۔اسی طرح عزیزم عطاء الکریم صاحب ابن مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب اور قریشی منان صاحب آف مانٹریال کینیڈا بھی ہمیشہ ہی بڑی محبت سے ملتے ہیں۔ پھر سید مبارک احمد شاہ ابن حضرت مولوی سید سرور شاہؓ صاحب جن سے گوایک لمبا عرصہ تعلق نہیں رہا مگر جب بھی وہ ملتے ہیں تو سب پرانی کمیاں نکال دیتے ہیں۔ پھر خاندان کے افراد میں سے نواب عباس احمد خاں صاحب ہیں جن سے زیادہ تعلق 46ء میں قائم ہوا مگراب بھی جب ملتے ہیں تو لطف آجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کوخوش رکھے۔ اور انکی عمر میں برکت دے۔ آمین گواس عاجز کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک کرنے والے تو خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت سے ہیں مگر یہاں اپنے ایک پرانے اور نئے کرم فرما شفیق دوست اور بھائی کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس کے بغیر یہ باب نامکمل رہے گا۔ اور وہ میرے عزیز بھائی حمید لائلپوری صاحب آف سلاؤ ہیں۔ جن کیساتھ متعدد بار سفر کا موقع ملا وہ یہ سفر عزیز محترم امام راشد کی معیت اور سرکردگی میں اکثر ہوا کرتے تھے۔مگر برادرم حمید صاحب کی رفاقت اور شفقت جس رنگ میں ساتھ رہی وہ کبھی نہیں بھولتی۔ وہ سلسلہ کے ایسے مخلص رنگ کے خادم ہیں کہ بس اپنی مثال آپ ہیں۔ بہت ہی بے لوث خدمت کرنے والے ہیں اللہ ان کی صحت ان کے اخلاص اوران کی عمر میں برکت دے۔آمین

عزیز مکرم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد
امام مسجد فضل لندن

مشفق عزیزان اور احباب کے ضمن میں اپنے عزیز مکرم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد کا مخلصانہ اور محبانہ تعلق بھی بہت یاد آ رہا ہے جو میری اس بے سہارا سی عمر کے آخری حصہ میں میرے ہر آرام کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ گو میرا گھر مسجد سے زیادہ دور نہیں مگر تاہم میں کوشش کر کے بھی پہلے جیسے بھی ہر جمعہ کے روز مسجد چلا جایا کرتا تھا اور حضور اقدس کے خطبات سے اور حضور کی زیارت سے فیضیاب ہو کر اپنے لئے ایک تسکین کا سامان پیدا کر لیتا تھا۔ حضور اقدس نے بھی اس عاجز سے یہی فرمایا تھا کہ ہو سکے کہ آہستہ آہستہ ہی اگر مسجد پیدل آ سکو تو اچھا ہے۔ مگر اب ایک عرصہ سے اتنا پیدل چلنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔ اس لئے جمعہ کیلئے اپنے قدیمی دوست مولانا عبدالکریم صاحب کی طرف سے لفٹ مل جائے تو ان کے ساتھ چلا جاتا ہوں۔ مگر واپسی کیلئے ان کی ضروریات کچھ اور قسم کی ہوتی ہیں اور میری کچھ اور اس لیے اکثر و بیشتر مکرم عزیزم مولانا راشد صاحب شام کو باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے اپنی کار سے گھر چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہتر جزا دے۔ آمین

مجھے تو اپنی شادی کے پچاس سال پورے ہونے پر دسمبر 40 کا وقت بھی یاد آ رہا ہے اس موقع پر کوئی خاص تقریب تو نہ تھی اور نہ کوئی اور دوست ہی مدعو تھے مگر اس موقع پر مکرم مولانا راشد صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ شام کو پہنچ گئے اور انکے آنے سے ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا۔ حضور اقدس کی خدمت میں تو دعا کے لئے لکھا ہی تھا اور حسب توفیق کچھ خدا کے راستہ میں بھی دیا۔ بہرحال اس موقع پر مکرم امام صاحب

نے دعا بھی کروائی ۔ اور کچھ یادگار فوٹوز بھی لئے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس نوازش کی بہتر جزا اپنے فضل سے عطا فرمائے ۔ فجزھم اللہ احسن الجزاء

محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نوبل لاریٹ

جہاں تک خطوط کا تعلق ہے زندگی بھر مشفقین اور کرم فرماؤں کی ذرہ نوازیاں اس قدر زر ہیں کہ ان سب کا بیان طاقت سے باہر ہے اور ان خطوں میں دوستوں نے اور احباب نے ایسے ایسے جذبات بیان کئے ہیں ۔ جو اپنی نظیر آپ ہیں ۔ مثلاً مکرم برادرم ثاقب زیروی صاحب کے خطوط جواب بھی کثیر تعداد میں میرے پاس محفوظ ہیں ان میں سے قریباً ہر خط وجد آفریں ہے اور پڑھ کر ایسا لطف آتا ہے کہ انسان بس اسی میں کھو جاتا ہے ۔ پھر مکرم نسیم سیفی صاحب کے ساتھ بھی کچھ خط و کتابت رہی ہے ۔ جس کا علم الفضل کے ذریعہ بھی ہو گیا ہوگا ۔ پھر اپنے بزرگوں میں سے مکرم مولانا درد صاحب ، مولانا شمس صاحب یادگار بزرگان ہیں جن کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں ۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر پروفیسر صاحب سے بھی ایک تعلق دیر سے ہے ۔ جس سے لطف اندوز ہونے کے مواقع ملتے رہے ۔ ان کا تعلق اختصار کے ساتھ شائد پہلے کسی جگہ آ بھی چکا ہے ۔ مگر انکے ایک خط سے ایک دو فقرے دلچسپی کیلئے یہاں درج بھی کرتا ہوں ۔ یہ خط انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے جب اپنی تعلیم کیلئے وہ وہاں تشریف لے گئے تھے 7 / جنوری 47ء کو مجھے تحریر فرمایا ۔ فرماتے ہیں

”برادرم گرامی قبلہ حافظ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں کل بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت تمام یہاں پہنچ گیا ہوں برف پڑ رہی ہے کل سے

شروع ہوئی تھی شائد لندن میں بھی یہی عالم ہو۔سردی بہت زیادہ ہے۔

کالج ویران ہے۔شام غم ہے کنار راوی ہے

اگرچہ راوی کا کنارا سات ہزار میل دور ہے لیکن یاد آرہا ہے۔آپ کے پاس چند دن رہا ہوں۔طبیعت میں آبادیاں سی پیدا ہوئیں بہت خوش رہا ہوں اور اسکے لئے خصوصیت سے آپ کے پیار کا ممنون ہوں۔اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔اور ہزار ہا خوشیوں سے ہمکنار کرے"

(خاکسار عبدالسلام)

بہرحال محترم برادرم سلام صاحب کا مشفقانہ سلوک اب تک بھی جاری وساری ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں اور اقبال میں بہت بہت برکت دے۔آمین

استاذی المکرّم شیخ عبدالخالق صاحب نومسلم فاضل بائیبل

پھر ایک خط مجھے یاد آرہا ہے۔جو ہمارے ایک استاد شیخ عبدالخالق صاحب کا ہے جو عیسائیت کے بہت بڑے عالم تھے بائبل گویا انہیں زبانی یاد تھی۔وہ حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ میں احمدی ہو گئے حضور اقدس نے انہیں واقفین کو بائبل پڑھانے پر مقرر فرمادیا۔چنانچہ وہ دارالواقفین آیا کرتے تھے۔اورہمیں وہ قادیان میں پڑھایا کرتے تھے۔پھر حضور اقدس نے 45ء کے آخر میں جب ہم واقفین کو تبلیغ کے سلسلہ میں یورپ بھجوادیا۔تو پھر اسباق کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔چنانچہ ہمارے جانے کے چند ماہ بعد 28-04-1946 کو انہوں نے پھر قادیان سے مجھے لندن خط لکھا۔

فرماتے ہیں:۔

''عزیزم مکرم جناب حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''آج بہت سی نقول کرنے کے بعد تیسری کاپی انچارج صاحب تحریک جدید کو (مجھے بھجوانے کیلئے) دے دی گئی ہے۔ علاوہ دیگر خواہش منداحباب کے صرف ایک صاحب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب آف موگا مجھے ان کاپیوں کی نقد قیمت بڑی رقم دیتے تھے۔ اور ساتھ شکریہ بھی ادا کرتے تھے۔ میرے جیسے غریب آدمی نے گرانقدر رقم کو قبول نہیں کیا۔ اور کاپیاں آپ کو بھجواتا ہوں۔

یہ کاپیاں الماری میں بند نہ رہیں......بس اشارہ کافی ہے پردیس میں اللہ آپ کا حامی ہو۔ آمین۔ اور دیس میں آپ کے بچوں پر رحمت کرے۔ ثم آمین۔

دعا گو بندہ عبدالخالق نومسلم ''

نوٹ: خط میں کاپیوں سے مراد ان کے وہ بائبل کے نوٹ ہیں۔ جو ہمیں بائبل پڑھانے کیلئے تیار کر کے وہ لایا کرتے تھے۔ بہر حال یہ انکی ذرہ نوازی اور محبت ہے جس کی بناء پر انہوں نے گرانقدر رقم کو بھی ٹھکرا دیا۔ اور اپنے نوٹ اس عاجز کو بھجوانے کیلئے دے دیئے۔ اللہ انہیں اس کی بہتر جزا دے۔

بہت درویشانہ رنگ کی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور احمدی ہونے کے بعد احمدیت سے بڑے اخلاص کا تعلق تھا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین

مکرم جناب آفتاب احمد خان صاحب

امیر جماعت احمدیہ یو۔کے (U.K)

جیسا کہ خاکسار نے عرض کیا ہے کہ عاجز کو یہاں لندن میں یا جہاں بھی عاجز

کو رہنے کا موقع ملا ہے محبت اور شفقت کے جذبات سے ملنے ملانے والے احباب بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے ہیں ان سب کا ذکر تو یہاں ممکن نہیں مگر مَیں اس موقع پر خاص طور پر یو۔ کے کے امیر مکرم جناب آفتاب احمد خان صاحب کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں جن سے ملنا میرے لئے ہمیشہ ہی خوشی کا موجب ہوتا ہے گو ان سے پہلے جو امیر یو۔ کے مکرم چوہدری انور احمد کاہلوں تھے ان کا بھی محبت بھرا جو سلوک تھا بلکہ سالہا سال سے تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اور وہی ان کا سلوک بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اب تک جاری ہے۔ مگر حالیہ امیر جو مکرم آفتاب صاحب ہیں وہ بھی ہمیشہ بڑی محبت اور خلوص سے ملتے ہیں جن کی محبت بھری ملاقات یاد رہتی ہے۔ مصروف بھی وہ از حد ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ملاقات کا جب بھی موقع ملتا ہے تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے پہلے تو ان کی زندگی ملکی خدمات اور ڈپلومیٹک سرکل میں گزری کیونکہ وہ ایمبیسیڈر بھی رہے ہیں مگر اب حضور اقدس کی سرکردگی اور راہنمائی میں خدا تعالیٰ انہیں جس رنگ میں خدماتِ دینیہ کی توفیق دے رہا ہے وہ یقیناً قابل رشک ہے۔ خاکسار کی واقفیت ان سے ایک عرصہ سے ہے۔ انکا رشتہ داری کا تعلق جماعت کی مخلص ''قاضی فیملی'' سے ہے یہ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب کے داماد ہیں اتفاق ہے کہ قاضی فیملی سے کچھ رشتہ داری کا تعلق مجھے بھی ہے اس موقع پر مجھے یاد آ رہا ہے کہ چند سال ہوئے جبکہ ان کے ایک عزیز علی کو مَیں نے قرآن کریم ختم کرایا گو اس موقع پر کوئی خاص تقریب تو نہ تھی۔ مگر علی کے والدین کے علاوہ مکرم آفتاب احمد خان صاحب بھی موجود تھے چنانچہ دعا کے لئے ایک اچھا ماحول پیدا ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے امیر صاحب کی صحت اور عمر میں برکت دے اور خدمات سلسلہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

بعض متفرقات

جہانتک عام جلسوں وغیرہ کا تعلق ہے بیسیوں اہم اور خاص مواقع پر تلاوت یا تقاریر کرنے کی اس عاجز کو جس میں خاکسار نے تلاوت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں سے خاص طور پر قابل ذکر قادیان کا جلسہ سالانہ (پارٹیشن سے پہلے کا) بھی ہے۔ اس کے علاوہ پھر 42ء میں جب لاہور میں حضور المصلح موعود کا لیکچر اسلام کا اقتصادی نظام ہوا۔ اس وقت اس خاص مجلس کے صدر رام چند مچند الا ہور کے ایک مشہور وکیل تھے اس وقت بھی خاکسار کو تلاوت کا موقعہ ملا۔ نیز 46ء میں جناب جناح صاحب نے جب پاکستان کے ضمن میں ایک اہم لیکچر لندن کے Caxtonhall میں دیا۔ اس وقت بھی تلاوت خاکسار نے کی۔ پھر یورپ میں جماعت احمدیہ کی جو 4 مساجد تعمیر ہوئیں۔ یعنی سوئٹزرلینڈ میں۔ ڈنمارک۔ فرینکفرٹ اور ہیمبرگ۔ وہاں انکے افتتاح سے بھی پہلے ان مشنوں میں متعدد بار جانے کا اتفاق ہوتا رہا اور پھر ان مساجد کی افتتاحیہ تقاریب میں ہی شرکت نہیں کی۔ بلکہ ان تمام مواقع پر ان تقاریب میں تلاوت قرآن کریم کی توفیق بھی ملی۔ فالحمد للہ پھر لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی موجودگی میں بھی متعدد مرتبہ تلاوت کا موقعہ ملا۔ لیکن ایک موقعہ خاص تھا جس کا ذکر کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا کہ حضور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی دفعہ جب انگلستان تشریف لائے اور حضور کی یہ آمد 82ء میں سپین کی مسجد کے افتتاح کے موقع پر تھی تو حضور کا ایک استقبالی جلسہ بڑی شان کے ساتھ ساؤتھ ہال میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس استقبالیہ کے موقع پر جس دوست نے تلاوت کی بظاہر تو اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ آیات اس موقع پر پڑھی گئی

ہوں وہ مناسب حال نہ ہوں یا ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو۔ مگر ہوا یہ کہ اس تلاوت کے بعد بغیر کسی پروگرام کے بالکل غیر متوقع طور پر عام مجمع میں سے اس عاجز کو سٹیج سے ہی حضور نے خود آواز دی کہ مَیں آ کر تلاوت کروں مجھے تو حضور سے ملے بھی ایک عرصہ ہو چکا ہوا تھا۔ خیال نہیں تھا کہ حضور اس عاجز کو یاد بھی رکھتے ہوں گے بہر حال تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اس عاجز نے اس موقع پر یہ سعادت حاصل کی اور تلاوت کردی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

جہاں تک لندن مسجد میں رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے کا اور تراویح کا سوال ہے۔ ریٹائرمنٹ کے عرصہ میں بیماری سے کچھ افاقہ کے بعد 79 سے 85ء تک متواتر سات سال اس عاجز ہی کو تراویح پڑھانے کی سعادت حاصل رہی لیکن اس کے بعد جب عاجز کو فالج کا حملہ ہوا اور یادداشت پر بھی اثر پڑا تو پھر یہ عاجز اس خدمت کو جاری نہ رکھ سکا۔ اسی طرح ایک خاص لیکچر میرا جو ایک مقالہ کے رنگ میں ہے۔ وہ بھی قابل ذکر ہے کہ ربوہ میں حضرت خلیفہ الثالثؒ کی صدارت میں محترم مولانا ابوالعطاء صاحب کے زیر اہتمام اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا آیتین یعنی امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے ضمن میں چاند سورج گرہن کے متعلق یہ پیشگوئی ہے۔ اس موضوع پر خاکسار کو ایک تفصیلی مقالہ پڑھنے کی توفیق ملی۔ یہ مقالہ الفرقان میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اور اچھا تفصیلی ہے۔

پھر ایک اہم مضمون خاکسار کا جو مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کے متعلق ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کی تین اقساط تو فرنٹ پیج پر ہی تھیں۔ جو 69ء کے بدر میں متواتر 5 قسطوں میں (بلا وقفہ) شائع ہوتا رہا۔ میرے یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس مضمون کو اتنی اہمیت کے ساتھ جماعت کے اخبار بدر میں اہم جگہ دے کر تواتر سے شائع

کرتے رہیں گے۔فالحمد للہ علیٰ ذالک تبلیغی میدان میں ویسے تو لیکچر سینکڑوں کی تعداد میں ہوئے مگر ہالینڈ کی لائیڈن یونیورسٹی میں جواورینٹل مضامین کی وجہ سے مشہور ہے اور انڈونیشیا کی جوگجا یونیورسٹی جوغالباً وہاں کی پرانی ترین ہے۔وہاں کے لیکچرز خاص تھے جہاں دونوں جگہ خاص اعزازی نشان کے جھنڈے خاکسار کو پیش کئے گئے۔

روزنامہ الفضل میں میرے بعض خطوط

برادرم مکرم نسیم سیفی صاحب کا ذکر تو پہلے بھی ضمناً بعض جگہ آچکا ہے مگر ان کے ساتھ تعلق بہت پرانا ہے۔ بلکہ طالب علمی کے زمانہ سے ہے جبکہ ہم اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔ محلّہ دارالفضل اور دارالبرکات میں ہمارے مکان بھی ایک دوسرے سے دور نہ تھے۔ مگر طالب علمی کے زمانہ کے بعد پہلے تو وہ دھلی کی طرف اور پھر خدماتِ سلسلہ کیلئے دور افریقہ کی طرف نکل گئے۔ اور دوسری طرف ہمارا آنا یورپ کی طرف ہوگیا۔ اس کے بعد گو ظاہری لحاظ سے ہم ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ مگر تعلق پھر بھی قائم رہا۔ چنانچہ اس کا ثبوت آجکل کے الفضل کے پرچوں سے بھی کسی حد تک مل سکتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ گورنمنٹ نائیجیریا کی دعوت پر جب کہ 60ء میں وہ ملک آزاد ہوا۔ مجھے نائیجیریا جانے کا اور جناب نسیم سیفی صاحب سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا۔ مَیں ان دنوں ہالینڈ سے اپنی اہلیہ کے ساتھ نائیجیریا حکومت کی دعوت پر گیا تھا۔ بہرحال محترم جناب سیفی صاحب جس رنگ میں خدماتِ سلسلہ انجام دے رہے ہیں وہ بفضلہٖ تعالیٰ بہت قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ کو اور بھی ترقی دے اور بہر رنگ انجام بخیر کرے۔ اس عاجز کیساتھ انکا تعلق بہت اخلاص کا اور محبت کا رہا ہے۔ اور بہت پرانا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہتر جزا دے۔ آمین
ستمبر 91ء میں میرا ایک خط اخبار الفضل میں چھپا تھا۔ جس میں برادرم سیفی صاحب کے چند اشعار جو 47ء میں بے تکلفانہ طور پر انہوں نے مجھے افریقہ سے لکھے تھے۔

وہ خط سارا ہی مَیں قارئین کی دلچسپی کے خیال سے یہاں لکھ رہا ہوں جو خیال ہے بے جانہ ہوگا۔

آپ کا خط ملا

محترم حافظ قدرت اللہ صاحب لندن سے لکھتے ہیں:۔

میرے محترم برادرم جناب نسیم سیفی صاحب خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ اب دن بدن نظر بھی کمزور ہورہی ہے اور صحت بھی۔ مگر شکر ہے کہ جلسہ میں اپنے ایک کرمفرما دوست کی مہربانی سے تینوں دن شامل ہونے کا موقع مل جاتا رہا۔ گو کثرت پیشاب کی اور کچھ دل کی تکلیف تو رہی مگر شکر ہے کہ وقت اچھا ہی گزر گیا اور حضور سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ ہاں آپ کی کمی ضرور محسوس ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

مجھے تو ایک عرصہ سے بچے مجبور کررہے ہیں کہ مَیں زندگی کا آخری وقت کینیڈا میں گزاروں۔ مگر کچھ تو بیماری کی وجہ سے ہمت ہی نہیں پڑتی۔ اور کچھ اور مجبوریاں بھی کہ لندن چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے اور اپنا فضل شامل حال رکھے۔ حضور کی شفقت بھی بڑی کشش کا ہی موجب ہے۔ اللہ اس میں برکت دے۔ عزیز عطاء المجیب راشد صاحب بھی بڑا خیال رکھتے ہیں اور مجھ گنہگار کی خدمت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اللہ انہیں جزا دے۔

زندگی کے اس دور میں کبھی کبھی اپنے پرانے کاغذات کی چھانٹی بھی ہوتی رہتی ہے چنانچہ پچھلے دنوں آپ کے چند ایک محبت بھرے خطوط بھی ملے اور کچھ نظمیں بھی۔ پھر ایک میرے نام شکوہ کے رنگ کی ایک نظم بھی تھی۔ جسے پڑھ کر لطف آیا اور پرانی یادیں تازہ ہوگئیں کہاں آپ کا وجود باجود اور کہاں ہم جیسوں کی یاد!

اللہ ہی آپ کو جزا دے۔اس کی نقل مَیں نے ابھی ابھی آپ کے خط سے کی ہے وہ ارسال بھی کرر ہا ہوں۔تا کہ ثبوت رہے۔باقی دعاؤں میں یاد رکھیں۔آپ کیلئے تو ہم سب دعائیں کرتے ہیں۔اللہ آپ کے ارادوں کو بلند رکھے اور آپ کو اپنے فضلوں سے نواز تا رہے۔(جلسہ اس دفعہ بفضلہٖ بہت اچھا رہا۔فقط والسلام

(حافظ) قدرت اللہ لندن

برادرم حافظ صاحب

خط میں تاخیر اس قدر تاخیر
دوستی کا تو یہ نہیں ہے شعار
جس کی تھی آپ سے نہ کچھ اُمید
آپ اس سے بڑھے قدم دو چار
جب سے احباب نے بتایا ہے
جب سے مَیں نے سنی ہے یہ گفتار
کہہ کے لندن کو خیر باد اب آپ
ہیں ہولنڈا کے واسطے تیار
سوچتا ہوں کہ یہ خبر سچ ہے ؟
سوچتا ہوں کہ یہ ہیں کیا اسرار؟
اس قدر ہو اہم خبر اور پھر
مجھ کو لکھی نہ جائے وہ اک بار
خط کی قیمت ہی کیا ہے بندہ نواز!
ایک چھ پنس بھی ہے کوئی یار

دوستی ہے تو ہے نبھانا فرض
ورنہ کہہ دیجئے آج ہی یکبار
''شاعر بے نوا کا دوست ہو کون''
اب ہمیں اس سے کچھ نہیں سروکار''

آپکا

نسیم سیفی 04-06-47

روزنامہ الفضل ربوہ 18/دسمبر 91ء

اب چونکہ نسیم سیفی صاحب کا ذکر شروع ہے ان کا ایک خط جو اکتوبر 91ء کے اخبار الفضل ''کاغذ پیرہن'' کے عنوان کے نیچے شائع ہوا۔جس میں اس عاجز کا بھی ذکر ہے وہ بھی درج کر دیتا ہوں۔ جہاں عمر رفتہ کے تعلق میں 60ء کے زمانہ کو یاد کیا گیا ہے۔جبکہ مَیں ہالینڈ میں تھا چنانچہ وہ اپنے کالم میں اپنے نائیجیریا کے ایک وزیر (الحاج آڈگ بینرو) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اس وزیر کے متعلق یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ یہ ایک دفعہ ہالینڈ گئے۔اور ہمارے مربی انچارج حافظ قدرت اللہ صاحب سے ملے۔تو انہیں اس بات کی دعوت دے آئے کہ جب ہمیں آزادی ملے گی۔اور وہ دن یکم اکتوبر 60ء کا مقرر ہو چکا تھا۔آپ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ نائیجیریا کی آزادی کے موقعہ پر باہر کے جو دوست مدعو تھے ان میں ہمارے دوست حافظ قدرت اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ نائیجیریا کو مکمل آزادی یکم اکتوبر 60ء کو ملی اس سے چند روز پہلے الحاج صاحب یورپ کے دورہ پر گئے تو ہالینڈ میں انہوں نے احمدیہ مشن دیکھنے کے شوق کا اظہار کیا۔ چنانچہ انہیں احمدیہ مشن پہنچایا گیا۔وہاں ان دنوں محترم حافظ قدرت اللہ

صاحب مربی انچارج تھے۔ الحاج موصوف نے محترم حافظ صاحب کو یوم آزادی پر نائیجیریا تشریف لانے کی دعوت دے دی۔ اس وقت جو تصویر زیر نظر ہے اس میں حافظ قدرت اللہ صاحب سب سے نمایاں ہیں۔ اور یہ تصویر انکی نائیجیریا آمد پر لیگوس کی ایئر پورٹ پر لی گئی تھی۔"

اس کے بعد محترم برادرم سیفی صاحب اپنی ایک کتاب جو الیاس برنی صاحب کی ایک کتاب کے جواب میں انہوں نے لکھی تھی۔ اس کی طباعت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ کسی اور جگہ چھپنے کیلئے دی تھی۔ مگر جب انہیں میرے ساتھ خط و کتابت کے نتیجہ میں معلوم ہوا۔ کہ یہ کتاب ہالینڈ میں اس سے نصف قیمت پر چھپ سکتی ہے۔ تو انہوں نے محترم شیخ مبارک احمد صاحب کو افریقہ لکھ دیا۔ "کہ وہ اس کتاب کی کمپوزنگ بند کرا دیں اور اب تک جو خرچ ہو چکا ہے اسکی رقم سے مطلع کریں۔ تا کہ وہ انہیں بھجوا دی جائے۔"

"محترم حافظ قدرت اللہ صاحب نے اس کتاب کے علاوہ ایک اور چھوٹی سی کتاب بھی ہالینڈ سے ہمارے لئے چھپوائی۔ گویا طباعت کے سلسلہ میں وہ ہمارے بہت کام آئے۔ کمپوزنگ اچھی۔ کاغذ اچھا۔ گٹ اپ اچھی اور طباعت کی لاگت کم۔"

"محترم حافظ صاحب جب تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں۔ یہ تھیں ناصرہ زرمین صاحبہ۔ انہوں نے احمدیہ جماعت کیلئے ڈچ زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے احمدیہ جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی۔ اور سلسلہ کے کاموں میں آگے آگے رہتی تھیں۔ ڈچ زبان کی خاص ماہر تھیں۔ اور اس طرح ان کے وجود سے ڈچ احمدیہ مشن کو خاصی سہولت تھی۔"

پھر مزید کچھ تذکرہ کے بعد مکرم سیفی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''بہر حال اس وقت جو تصویر پیش نظر ہے۔ اس مَیں حافظ صاحب جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے سب سے نمایاں ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے چہرہ بھی خوبصورت اور صحت بھی قابل رشک۔ اب ان کے خطوط ملتے ہیں تو ان میں سب سے زیادہ صحت کی خرابی کا ذکر ہوتا ہے۔ حافظ صاحب سے اس وقت سے شناسائی ہے جب ہم دونوں نے ہوش سنبھالنے کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ میرا مکان محلہ دارالفضل میں تھا اور آپ کا محلّہ دارالبرکات میں۔ ادھر محلہ دارالفضل میں آخری مکان میرا تھا۔ اور دوسری طرف محلّہ دارالبرکات میں آخری مکان ان کا تھا۔ درمیان میں صرف ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ اس وقت کی شناسائی آہستہ آہستہ دوستی اور ایک دوسرے کیلئے احترام میں بدل گئی۔ حتیٰ کہ اب یہ کیفیت ہے کہ پرانے دوستوں میں سے اگر کوئی شخص باقاعدگی سے یاد رکھتا ہے اور خط لکھتا ہے اور خط میں اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ کچھ لوگ تو یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتے اور کچھ لوگ کسی طرح بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ اور اشارہ میری ہی طرف ہوتا ہے۔ کہ مَیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ تو وہ صرف محترم حافظ صاحب ہیں۔''

''ابھی چند روز ہوئے ان کا ایک خط ملا 1947ء میں محترم حافظ صاحب انگلستان سے ہالینڈ جارہے تھے۔ مجھے یہ خبر کسی اور ذریعہ سے ملی۔ تو میں نے انہیں ایک خط لکھا۔ یہ خط نظم کی صورت میں تھا اور اس بات کا شکوہ تھا کہ اتنی اہم خبر۔ اور مجھے کسی اور ذریعہ سے ملی۔ یہ خط اب اخبار الفضل میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس کیساتھ وہ نظم بھی جو مَیں نے انہیں لکھی تھی۔ اور انہوں نے 1947ء کی لکھی ہوئی نظم اب تک سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔'' (روزنامہ الفضل اکتوبر 91ء)

برادرم مکرم نسیم سیفی صاحب کی نوازش اور ذرہ نوازی کا ازحد ممنون ہوں کہ

اب 93ء میں بھی میرے دو خطوط جو مَیں نے کینیڈا سے انکی خدمت میں تحریر کئے تھے۔ وہ اخبار الفضل کی زینت ہو گئے۔ فجزھم اللہ احسن الجزاء۔ وہ خط اپنے احباب کی آگاہی یا دلچسپی کیلئے یہاں بھی درج کر دیتا ہوں۔

محترم حافظ قدرت اللہ صاحب مانٹریال لکھتے ہیں:۔

محترم برادرم جناب نسیم سیفی صاحب (ایڈیٹر الفضل) ربوہ پاکستان

کچھ لوگ کسی طور بھی آتے ہی نہیں یاد
کچھ لوگ کسی طور بھلائے نہیں جاتے

میرے محترم و مکرّم ! معذرت خواہ ہوں کہ ایک لمبا عرصہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا۔ مگر الفضل کے ذریعہ آپ تو اپنا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ گو الفضل مختلف دوستوں کیلئے مختلف رنگوں میں دلچسپی کا باعث ہے۔ مگر ہمارے جیسوں کیلئے جن کو آپ سے دیرینہ آشنائی یا ایک خاص تعلق ہے۔ ایک رنگ میں الفضل کی آمد نصف ملاقات کا رنگ بھی رکھتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ جو خدمات آپ انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں اور بھی برکت دے اور زیادہ سے زیادہ اپنے فضلوں کا وارث کرے۔

برادرم محترم! مَیں یہ خط آپ کو مانٹریال۔ کینیڈا سے لکھ رہا ہوں۔ خیال نہیں تھا کہ مَیں اپنی موجودہ حالت میں یہ لمبا سفر اختیار کر سکتا۔ لندن میں زندگی اپنے رنگ میں مناسب ہی چل رہی تھی اور حضور اقدس کے وہاں ہونے سے کسی اور جگہ جانے کو دل بھی نہیں چاہتا بلکہ گراں گزرتا ہے کہ انسان اس محبت کرنے والے مقدس وجود کی زیارت سے چند ہفتوں کیلئے ہی دوری اختیار کرے۔ مگر حالات کا تقاضہ بعض دفعہ مجبور کر دیتا ہے تو کرنا ہی پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے ڈاکٹروں کے مشورہ

کے بعد اللہ کا نام لے کر یہ قدم اٹھالیا۔ اور چند ہفتوں کیلئے یہاں اپنے بچوں کے پاس آگیا ان ایام میں یہاں علاوہ بعض گھریلو تقریبات کے جماعت کینیڈا اور جماعت امریکہ کا جلسہ بھی ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ چند روز ان تقریبات میں اچھے رنگ میں گزر جائیں۔ ویسے اس سے قبل قادیان کے جلسہ کی تقریب بھی ہوئی جہاں حضور اقدس بھی تشریف فرما تھے۔ پھر اس کے بعد کینیڈا کی (مسجد) کے افتتاح کی ایک خاص تقریب بھی ہوئی اور اس کیلئے حضور اقدس بھی تشریف فرما تھے۔ مگر ان دنوں اپنی بیماری کے باعث عاجز کو جرأت اور ہمت نہ ہوسکی کہ ان تقاریب میں شامل ہوسکوں۔ جس کا بہرحال افسوس ہے۔ بہرحال اب طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی نظر آئی تو اللہ کا نام لے کر یہ قدم اٹھالیا۔ خدا کرے یہ سفر بہر رنگ بابرکت ہو اور صحت پر بھی اچھا ہی اثر ہو۔

مَیں یہاں کینیڈا میں عید سے ایک روز ہی پہلے پہنچا۔ ٹورونٹو ایئر پورٹ پر اپنے عزیز پیش قدمی کیلئے پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں کے قیام کا پہلا ہفتہ اپنے داماد عزیز طارق شکیل کے پاس کنگسٹن کے حلقہ میں گزارا۔ اور عید بھی اس جگہ منائی۔ دوستوں کی خواہش تھی کہ عید مَیں پڑھاؤں گو ایک عرصہ سے اپنی صحت کی وجہ سے مَیں نے تقریروں وغیرہ کا یا خطابات کا کام بند ہی کیا ہوا تھا اس لئے ابتداً تو مَیں نے معذرت ہی کی مگر پھر دوستوں کے اصرار خواہش پر مَیں نے عید پڑھا دی۔ جس کے بعد پھر دن بھر احباب کے ساتھ محفل جاری و ساری رہی۔ اگلے ہفتے پھر مَیں اپنے بیٹے عزیزم عزیز اللہ کے پاس مانٹریال آگیا۔ جہاں سے آپ کو یاد کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ احمدیت کے طفیل مخلصین اور محبت کرنے والے احباب دنیا کے دور دراز حصوں میں ہر جگہ میسر ہیں جو راحت و آرام اور تسکین کا باعث ہیں جس

کیلئے اپنے مولا کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا انجام بخیر کرے اور ہماری زندگی اس کی رضا کے موافق بسر ہو۔

لندن کا جلسہ سالانہ بھی عنقریب ہونے والا ہے۔ خیال ہے اس جلسہ پر حاضر ہوسکوں گا۔ آپ سے ملے بھی اب ایک عرصہ ہوگیا ہے۔ امید ہے آپ بھی اس جلسہ پر تشریف لاسکیں گے۔ خدا کرے آپ اپنی مصروفیات سے وقت نکال سکیں۔ یہاں لندن میں بہت سے دوستوں کو آپ سے ملنے کی خواہش ہے۔ خدا کرے ہمارا یہ جلسہ بھی ہر رنگ میں خیر و برکات کو موجب ہو۔ اصل رونق تو حضور اقدس ہی کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت و عافیت سے رکھے۔ آمین

پھر ایک ماہ کے اندر میرا دوسرا خط بھی مکرم برادرم سیفی صاحب نے شائع فرمادیا جو درج ہے۔

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب مانٹریال کینیڈا سے لکھتے ہیں:۔

؎ وہ پاس رہیں یا دور رہیں　　　بس دل میں سمائے رہتے ہیں

ایک عریضہ تو خاکسار نے کینیڈا پہنچنے پر آپ کی خدمت میں لکھ دیا تھا مگر اس کے بعد امریکہ اور کینیڈا کے سالانہ اجتماعات میں اور الفضل کے ذریعہ آپ کی محبت بھری یاد نے جس رنگ میں بے قرار کئے رکھا اس کی وجہ سے اب پھر مجبوراً اس بے قراری کو کم کرنے کے خیال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ گو میری طبیعت اب بہت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ لکھنا تو الگ رہا کسی سے آسانی کے ساتھ بات کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے مگر امریکہ اور کینیڈا کے جلسہ ہائے سالانہ کے روح پرور اور ایمان افروز نظاروں نے جو لطف دیا ہے اس کو بیان کرنا بھی میرے بس میں نہیں۔ نیویارک کا یہ جلسہ ہزاروں ہزار مخلصین کی آماجگاہ تھا تقاریر احباب کی اخوت ان کی عبادات

اوران کا میل جول کچھ اپنا ہی رنگ لئے ہوئے تھا جو احمدیت کے رنگ میں رنگین تھا اس نظارہ کو دیکھ کر میرے ایمان کو تو بہت ہی تقویت حاصل ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ زندگی میں ان ایمان افروز نظاروں کو آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق ملی اور پھر دنیا کے مغربی کونے میں جہاں مادیت پرستی کا زور ہے اللہ تعالیٰ ان ایمان افروز نظاروں میں اور بھی ترقی دے اس جلسہ میں صاحبزادہ میاں ایم ایم احمد صاحب بھی شریک تھے ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ بڑی محبت سے ملے اور بڑے تعجب کا اظہار فرمایا۔ کہ یہ عاجز اس کمزوری کی حالت میں اس جلسہ میں شریک ہوسکا۔ آپ سے مل کر مجھے تو آپ کے والد صاحب محترم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب کی یاد تازہ ہوگئی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ کینیڈا جلسہ جو ٹورنٹو میں ہوا۔ وہ بھی اپنی نظیر آپ تھا۔ ہزاروں ہزار کا اجتماع تھا اور مخلصین سارے ملک سے آئے ہوئے تھے۔ تقاریر بھی بہت اچھی تھیں۔ وسیع پیمانہ پر انتظامات نہایت عمدہ رنگ کے تھے اور امریکہ کی طرح بڑے آرام دہ تھے۔ ہزاروں ہزار مہمانوں کی رہائش اور مہمان نوازی وغیرہ کا کام کوئی اتنا آسان بھی نہیں مگر سب کچھ ہی اپنی مثال آپ تھا۔ سب جگہ والنٹیئرز نے بڑی جانفشانی سے دن رات کام کیا اور جلسہ کو کامیاب بنایا۔ کینیڈا کے جلسہ کے منتظم جناب نسیم مہدی صاحب تھے ان سے بھی ملاقات ہوئی بہت محبت اور خلوص سے ملے۔ (.................) بہت مصروف تھے ان جلسوں کے روح رواں دراصل حضور اقدس امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے روح پرور اور ایمان افروز پیغامات ہی تھے حضور خود تو ان جلسوں میں شریک نہ ہوسکے مگر حضور اقدس کے پیغامات اس کا کچھ بدل ہوگئے۔ ان پیغامات کو جماعت کے مخلصین نے توجہ کے ساتھ اور محبت بھرے جذبات کے ساتھ سنا۔ اوران کی طرف

توجہ دی۔ اگر جماعت کی خواہش کے مطابق حضور خود ان جلسوں میں شامل ہو سکتے تو ان جلسوں کا رنگ ہی اور ہو جاتا۔ اور جلسوں کی حاضری بھی دو چند، سہ چند بلکہ اس بھی زیادہ ہو جاتی۔ مگر حضور اقدس کی اپنی مصروفیات کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ حضور کے لئے ہر جگہ پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ حضور ان ایام میں ناروے تشریف فرما تھے اور اس سے قبل جرمنی کے خدام کے اجتماع میں تشریف فرما تھے بہر حال سیٹلائیٹ کے ذریعہ حضور کے پیغامات ہمارے ان جلسوں میں پہنچتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو جماعت کیلئے ایک حد تک تسکین کا موجب تھے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت سے رکھے اور حضور کی عمر میں برکت دے۔

میرے لئے ان جلسوں میں حاضری کچھ اس لحاظ سے بھی اچھی رہی کہ جہاں اپنے بہت سے عزیزوں سے یہاں ملنے کا موقع ملا وہاں بہت سے ایسے دوست جو عرصہ سے نہیں ملے تھے بلکہ قادیان کے بعد ان سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ ان سے مل کر بھی ان کی یاد تازہ ہوگئی۔ میرے ایک کرمفرما دوست جن سے قادیان کے زمانہ میں دفتر تبشیر کے ضمن میں کام کا موقع ملا تھا۔ وہ تو اس محبت سے ملے کہ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ یہ ہمارے مخلص دوست مکرم حسن محمد خان صاحب عارف تھے جو جماعت کینیڈا کے ماہوار رسالہ گزٹ کے مدیر ہیں اور جماعت میں بہت کام کر رہے ہیں۔ ان کے محبت بھرے جذبات سے مجھے بھی بہت خوشی ہوئی بلکہ بڑی تقویت حاصل ہوئی ان تمام حالات کو دیکھ کر میرا دل چاہتا تھا کہ آپ بھی دنیا کے اس حصے کا ایک چکر لگائیں۔ آپ کے قدردان بھی یہاں بہت ہیں بلکہ جو خدمات آپ آجکل انجام دے رہے ہیں اس کی وجہ سے تو آپ کے دوست آپ کو ملنے کے مشتاق ہیں مثلاً شیخ خورشید احمد صاحب سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل

ہی ہیں جن سے آپ کا ذکر چل نکلا وہ بھی آپ کو یاد کرتے ہیں۔

محترم! میرا خیال نہیں تھا کہ مَیں اس قدر لکھ سکوں گا۔ مگر آپ کے تصور میں بات چلتی گئی اب اگلے ہفتے ہم لندن کیلئے روانہ ہورہے ہیں۔ جہاں اس ماہ کے آخر میں جلسہ سالانہ ہورہا ہے۔ خدا کرے آپ وہاں ہی کسی طرح پہنچ جائیں مگر آپ مصروف اس قدر ہیں کہ پوری امید لگانا مشکل ہے بہر حال جیسے خدا کو منظور!...........

مَیں نے تو یہاں خط و کتابت کا کام بالکل بند ہی کر دیا ہے۔ ہمت ہی نہیں کہ کچھ کرسکوں گزشتہ دنوں عزیزم محترم جناب راشد صاحب امام بیت لندن کا ایک محبت بھرا ضروری خط آیا تھا صرف اس کا مختصر سا جواب دیا تھا۔ یا اب آپ کی یاد ستارہی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہورہا ہوں بس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ خدا خیریت سے رکھے اور انجام بخیر کرے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 19/اگست 93ء)

حضرتِ مصلح موعودؓ کا مبارک زمانہ

قبل اس کے کہ مَیں اپنے بعض دیگر حالات کا ذکر کروں زندگی کا حسین زمانہ جو قادیان میں گزرا مختصراً ایک دفعہ پھر اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس زمانہ کی حسین اور دلکش یادوں سے دل کبھی بھی خالی نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کا زمانہ بھی ایک مثالی زمانہ تھا۔ گو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کی تو شان ہی کچھ اور تھی مگر ہمارے لئے خلافت ثانیہ کا زمانہ بھی کوئی کم اہمیت کا حامل نہیں۔ گو مشکلات بھی تھیں مگر ان کو سر کرنے کی طرف بھی قدم اُٹھ رہے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک خاص جماعت بھی ابھی موجود تھی جو اپنے رنگ لئے ہوئے تھی۔ اس لئے اسی زمانہ کی یاد میں حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی کے بارے میں اپنے کچھ تاثرات جو اختصار کے ساتھ خاکسار نے لندن کے ایک جلسہ مصلح موعود 78ء میں بیان کئے تھے وہ مَیں یہاں عرض کرتا ہوں جو یقیناً دلچسپی کا موجب ہوں گے۔

جلسہ مصلح موعود (لندن)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے بارے میں کچھ تاثرات

آج مجھے ایک عظیم ہستی کے بارے میں اظہار خیال کا موقع مل رہا ہے جس کے زیر سایہ اس عاجز کو مسلسل ایک ربع صدی سے زیادہ عرصہ گزارنے کا موقع ملا۔

اسی عرصہ میں خاکسار نے ہوش سنبھالا اوراس کے بعد پھر دینی تعلیم کوقادیان ہی میں مکمل کیا یہاں تک کہ جامعہ احمدیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر پھر 5-7 سال کا خصوصی عرصہ براہ راست حضرت اقدس مصلح موعودؓ کی زیرِنگرانی دارالواقفین قادیان میں بسر کیا۔ جس کے بعد حضور اقدسؓ نے دسمبر 45ء میں اس عاجز کو بطور مبلغ انگلستان کے لئے روانہ فرمایا۔ دارالواقفین میں رہنے والے واقفین کے لیے یہ 5-7 سال کا تربیتی عرصہ خصوصی طور پر حضور اقدسؓ کے قرب سے متمتع ہونے اور حضور پُر نورؓ سے فیضیاب ہونے کا ایک زریں موقع تھا۔ جس کو یاد کر کے آج بھی طبیعت میں ایک وجد کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک ایسا لطف اور سرور سا حاصل ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔

گزر چکی ہیں جو اُلفت سے دوست ان کی محفل میں
انہی قرار کی گھڑیوں نے بے قرار کیا

حضرت اقدس مصلح موعودؓ نے جن کے وجود سے قوموں کا برکت پانا اور اسلام کی فتح کے زمانہ کو قریب تر لانا مقدر تھا آپ نے جنگ کے معاً بعد مبلغین کو ازسرِ نو اکناف عالم میں پھیلانے کی مہم کا آغاز جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی شروع فرما دیا۔ چنانچہ یہ عاجز جس گروپ میں روانہ ہوا۔ دارالواقفین کے مبلغین پر مشتمل تھا اور سب سے بڑا گروپ تھا جو یورپ کو روانہ ہو رہا تھا اور روانگی کا یہ نظارہ اب بھی اپنے گہرے حسین نقوش کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ہے۔ تبلیغی مہم کے اس آغاز میں حضور کو اس قدر تڑپ تھی۔ کہ حضور نے اس کی روانگی کیلئے جلسہ سالانہ قادیان کا بھی انتظار نہ فرمایا اور دسمبر 45ء کے دوسرے نصف میں ہی اس گروپ کی روانگی ہوگئی۔ ان دنوں سفر کیلئے ابھی ہمیں ہوائی سہولتیں تو میسر نہ تھیں۔ اس لئے بمبئی سے

ہمارا بحری سفر انگلستان کیلئے شروع ہوا۔ اور ہم جنوری 46ء میں لندن پہنچ گئے جہاں مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ہمارا استقبال کیا۔ اس وقت اتفاق سے ایک درجن کے قریب ہم مبلغین مکرم مولانا شمس صاحب کی سرکردگی میں اکٹھے ہو گئے۔ جہاں یہ سارے مبلغین بس حالات کے سازگار ہونے پر حضور اقدسؓ کے اشارے کے ہی منتظر تھے۔ چنانچہ جوں جوں حالات نے اجازت دی حضور اقدسؓ کی ہدایت کے مطابق یہ مبلغین مغربی ممالک میں پھیلتے گئے۔ چنانچہ حضور اقدسؓ نے اس خاص تبلیغی مہم کی طرف جو جنگ کے بعد حضور نے شروع فرمائی اپنے ایک منظوم کلام میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ جس کا ایک شعر خاص طور پر ان دنوں زبان زد تھا۔ ؎

ہے ساعتِ سَعَد آئی اسلام کی جنگوں کی آغاز تو مَیں کر دوں انجام خدا جانے

بہرحال دارالواقفین قادیان کی تربیت کا یہ خصوصی چند سال کا عرصہ جو حضور اقدسؓ کے قرب میں اور حضور کی خاص نگرانی میں بسر ہوا۔ ان مقدس لمحات کی یاد زندگی کی حسین اور پُر لطف یادوں کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدسؓ ایسی عظیم اور بے مثال شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات کو احاطۂ تحریر میں لانا۔ جسے خدا تعالیٰ نے سراسر نور قرار دیتے ہوئے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا اور اسے اپنے الہام میں رحمت کا ایک نشان قرار دیا۔ اور خود خدا تعالیٰ نے اس میں اپنی روح ڈالی۔ اور پھر اسی خدا کی رحمت کا سایہ اس پر رہا۔ اور وہ خدائی نشان کے طور پر جلد جلد بڑھا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوا اور قوموں نے اس سے برکت پائی۔ اور وہ بہت جلد زمین کے کناروں تک شہرت پا گیا۔ ایسے پاک اور عظیم وجود کے بارے میں اپنے تاثرات کو کماحقہ بیان کرنا۔ ایک کمزور اور مجھ ایسے کم علم انسان کیلئے ممکن نہیں۔ وہ مقدس وجود جو اپنوں اور

بیگانوں کیلئے بھی ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ حُسن و احسان میں اس امام الزماں کا نظیر اور مثیل تھا جو اس زمانہ میں مسیح اور مہدی کے رنگ میں جلوہ گر ہوا تھا۔ وہ ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اور علوم ظاہری اور باطنی کا ایک اتھاہ سمندر تھا...... حقیقت یہ ہے کہ آپ ان ممتاز ابنائے آدم اور عظیم وجودوں میں سے ایک تھے۔ جو صدیوں میں اور ہزاروں سال میں کبھی ایک بار افقِ انسانیت پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور جن کی روشنی صرف ایک نسل کو نہیں بلکہ تمام انسانی نسلوں کو اپنی ضیاء پاشی سے منور کرتی رہتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ 25 سال کی عمر میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور پھر مسلسل 52 سال تک خلافت احمدیہ کی عظیم اور بھاری ذمہ داریوں کو نہایت مشکل حالات میں بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ یہ تمام عرصہ آپ نے ہمہ تن مصروفیت اور مشغولیت کے عالم میں صرف کیا۔ کوئی وقت آرام کیلئے یا ستانے کیلئے آپ کو نہ مل سکا۔ علاوہ روزمرہ کی عمومی مصروفیات کے لاکھوں کی جماعت میں احباب سے آپ کی انفرادی ملاقاتیں۔ ان سے خط و کتابت۔ دفتری ہدایات۔ اور دیگر ہر قسم کے جماعتی اور انتظامی امور وغیرہ شامل تھے۔ آپ کے خطبات اور تقاریر اور مختلف تقاریب کے موقع پر خطابات کی تعداد ہی ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ پھر آپ کی بیسیوں تصانیف ہیں جو نہایت عرق ریزی سے اور راتوں کو جاگ جاگ کر لکھی گئی ہیں۔ اور ہزاروں ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ راتوں کو جاگ کر محنت کا ذکر مَیں نے اس لئے بھی خاص طور پر کیا ہے کہ دن کو تو ایسے امور کیلئے وقت نکالنا ہی آپ کے

لئے بہت مشکل ہوتا تھا۔اس لئے راتوں کی تنہائیاں ہی ایسے کاموں کے لئے موزوں تھیں۔تفسیر کبیر کا عظیم الشان کارنامہ جس جانفشانی سے آپ نے سرانجام دیا اس کا تو یہ عاجز بھی ایک حد تک عینی شاہد ہے۔کیونکہ اس دوران خاکسار کو بھی کچھ عرصہ حضور کے ساتھ کام کا موقع ملا۔تعجب ہوتا ہے کہ اتنی مصروفیات کے باوجود ایسے عظیم کام کے لئے آپ کیسے وقت نکالا کرتے تھے۔پھر سینکڑوں آپ کے سفر ہیں اور پھر دیگر اہم اور ضروری مشاغل۔ان تمام حالات کا اور ان تمام مصروفیات کا تصور کر کے یقیناً آپ کی بلند ہمتی۔الوالعزمی۔اور دیگر ممتاز صفات پر روشنی پڑتی ہے۔اور یہ حقیقت اور بھی واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی اور آپ کی مصروفیات ایک نہیں کئی پہلوؤں سے ایک عام دنیاوی راہنما یا جرنیل، یا ایک عام اہل قلم کی سیرت سے کس قدر ممتاز اور اعلیٰ معیاری حیثیت رکھتی ہے۔جس کے بیان سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو سرور اور لذت اور حقیقی تاثر ان مقدس اور نایاب وجود کو خود قریب سے ہو کر دیکھنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں محض اپنے فضل سے ایسے مبارک وجود کو قریب سے دیکھنے کا اور اس کی برکات سے لطف اندوز ہونے کا ایک گرانقدر زمانہ میسر فرمایا۔ورنہ ایک حسرت باقی رہ جاتی کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اس آخری زمانہ میں بھی پیدا کیا۔مگر ہم حضرت مسیح موعودؑ امام الزماں کے جلوؤں سے بالکل ہی محروم رہے۔لیکن نہیں! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے حضرت المصلح موعودؓ کے زمانہ کو پایا اور آپ کے فیوض اور برکات سے متمتع ہونے کا ایک خاصہ موقعہ میسر آیا۔اور یہ امر بہر حال ایک حد تک قلبی طمانیت کا ہی موجب ہے۔کیونکہ یہ خاص وجود بھی حسن واحسان میں اسی مقدس وجود کا ایک حصہ اور ایک

نظیر تھا۔ جو اس زمانہ کا امام اور مسیح اور مہدیؑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا تصور کر کے طبیعت جذبات تشکر سے لبریز ہو جاتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اسی جذبہ کی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ میں طبیعت کچھ ایسی تھی۔ کہ جب بھی حضور اقدس سے قریب ہونے کا یا حضور کے کلمات سے محظوظ ہونے کا کوئی موقع میسر آتا۔ تو آنکھیں بس ٹکٹکی لگائے پوری دلجمعی اور انہماک کے ساتھ حضور اقدسؓ ہی کے منور چہرہ پر ہی مرکوز رہتیں۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی حضورؓ سے اوجھل ہونا دل کو گوارا نہ تھا...... حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے حُسنوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کا وہ چاندسا پاکیزہ چہرہ اب بھی نظروں کے سامنے ہے۔ ہمارے ایک شاعر نے آپ ہی کے حسن صورت اور سیرت سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا تھا۔

؎ آج بھی پیدا کہیں ہو۔ گر زلیخا کی مثیل

پھر مثیلِ یوسفِ پاکیزہ داماں اب بھی ہے

خدا تعالیٰ کے پاک وجودوں میں اور ان کے مبارک اور منور چہروں میں ایک ایسا ہی جذبہ سا ہوتا ہے۔ جس کو بعض دفعہ ایک نظر دیکھتے ہی سارے شکوک و شبہات یکسر کافور ہو جاتے ہیں جس کے بعد ایک صداقت کے متلاشی کیلئے پھر کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ بھی بسا اوقات ایسا ہی ظہور میں آیا ہے کہ ایک مخالف سے مخالف شخص پر جس پر دلائل نے کبھی اثر نہ کیا۔ مگر جونہی حضور علیہ السلام کا مبارک چہرہ اس نے دیکھا۔ اس کے سارے شکوک وشبہات رفع ہو گئے اور ایک ہی لمحہ میں وہ روحانیت کی بہت سی منازل یکدفعہ ہی طے کر گیا۔ اور حضور کا ایسا گرویدہ ہوا کہ یہ رشتہ پھر کبھی عمر بھر ٹوٹنے نہ پایا۔ یہ کیفیت کچھ حضرت مصلح موعودؓ کے وجود کی بھی تھی۔ ہاں ایک بات کا خیال رہے کہ ایسی

برکات سے مستفیض ہونے کیلئے دراصل دو قسم کے نوروں کی یا روشنیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔صرف ایک طرف کا نور کام نہیں دیتا۔ جب تک خود انسان کے اندر کی روشنی پوری طرح اس کا ساتھ نہ دے۔پس خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو ان دونوں نوروں سے حصہ ملا۔وذالک فضل اللہ یوتیہ ن یشاء

حضرت المصلح موعودؓ کے اوصاف کے بارہ میں مزید عرض ہے کہ جہاں تک حضور کی صلاحیتوں کا اور قابلیتوں کا تعلق ہے اس سے اپنے تو متاثر تھے ہی مگر غیر بھی آپ کی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔اوران کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔مثال کے طور پر مولانا ظفر علی خان جیسے لیڈر لوگ بھی جو ہر چند آپ کے سخت مخالف تھے اور دن رات مخالفانہ کوششوں میں برسرِ پیکار تھے۔حضورؓ کی ذات والا صفات کے وہ بھی معترف تھے ۔اوراس امر کا اظہار انہوں نے وقتاً فوقتاً کیا ہے۔کہ جماعت احمدیہ کو ایسی قابلیت کا لیڈر اور راہنما ملا ہے۔کہ ہماری اس کے آگے کچھ پیش نہیں جاتی ۔پھر خواجہ حسن نظامی جیسی شخصیت کے لوگ جو ہندوستان بھر کے مذہبی حلقوں میں ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے ۔ایسے لوگ بھی حضورؓ کی غیر معمولی قابلیتوں کے مداح اور قائل تھے ۔اور حضور سے ایک گونہ عقیدت بھی رکھتے تھے حالانکہ وہ خود ایک بڑے قابل اور بااثر گدی نشین تھے۔اس طرح اور بہت سے لیڈر بھی عقیدتمندانہ طور پر ملاقات کیلئے قادیان آتے ۔اور تو اور علامہ اقبال جیسے لوگ حضور اقدسؓ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا دم بھرتے تھے۔چنانچہ اسی اثر کے ماتحت انہوں نے کشمیر کمیٹی کی سربراہی کیلئے خود حضورؓ کا نام تجویز کیا۔اور حضورؓ کو اس رنگ میں اپنا راہنما تسلیم کیا۔ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں ہمارا یہ تاثر یقیناً اس حقیقت کو پوری طرح واشگاف کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت المصلح موعودؓ کو واقعۃً

علوم ظاہری اور باطنی سے مختص کیا تھا۔ اوران اوصاف سے ایک وافر حصہ فرمایا تھا۔ والفضلُ ما شہدت بہ الاعداء

ایک خاص صفت جو حضور اقدسؒ کے وجود میں خاص طور پر نمایاں تھی۔ اور جس کا خود مجھے تجربہ ہے۔ اور آپ کے قرب کی وجہ سے عینی شاہد ہوں۔ اور وہ صفت حضورؒ کی اولوالعزمی ہمت خداداد۔ اور محنت اور جانفشانی سے کام کرنے والی افتاد ہے کہ باوجود صحت کی کمزوری کے حضور دن رات ہمہ تن کام میں مشغول رہتے۔ اور تھکنے کا نام نہ لیتے ہر چند کے حضور اقدسؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قابل اور مخلص احباب اور خدام بھی کام کرنے والے عطا فرمائے تھے۔ جو اپنا سارا وقت۔ اپنا ہر قسم کا آرام بلکہ سب کچھ ہی حضور کے اشارہ پر قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود حضورؒ کا معیار کام کا اور ہمت کا اسقدر بلند تھا کہ حضور کے ساتھ ان کا چلنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ اس لئے بھی کہ خود خدا نے اس وجود کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور سالوں کی منزلیں مہینوں میں اور ہفتوں اور دنوں میں سر کرنے والا ہوگا۔ اس لئے ہر چند کہ حضورؒ کے ساتھیوں کا اخلاص اور ان کا جذبہ ایثار ہر لحاظ سے قابل قدر تھا مگر پھر بھی عروج اور کمال کا وہ مقام ان میں نہیں تھا۔ جس کا وافر حصہ حضورؒ کو ملا تھا۔ حضور اقدسؒ یوں تو ایک فرد ہی تھے مگر کام کے لحاظ سے اعلیٰ قابلیت کے خدام مل کر بھی آپ کے ساتھ پورے نہ اُتر سکتے تھے۔ اور یہ امر محض خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید سے تھا۔ اور یہی حضورؒ کی برتری کا راز تھا۔ بعض دفعہ تو واقعی ایسا ہوتا کہ متواتر کئی کئی راتیں حضور کی کام میں گزر جاتیں اور آرام کا وقت بالکل برائے نام کی حد تک ہی مل سکتا۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں یا بعض ہنگامی موقعوں پر کچھ ایسی ہی کیفیت ہوتی۔ کہ رات کے جس حصہ میں بھی

حضور اقدسؓ کی راہنمائی کی ضرورت پڑتی حضور کو ہمیشہ بیدار ہی پایا۔ دراصل حضور کے سامنے ایک عظیم الشان پروگرام تھا۔ جس کا دائرہ اکناف عالم تک وسیع تھا۔ دنیا اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ ظلمات کے طوفانوں میں گھری ہوئی ہو۔ اور بے راہ روی کا دور دورہ ہو اور دوسری طرف ذرائع اور وقت بھی محدود ہو۔ ایسے حالات میں وسیع دنیا کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرنا کوئی معمولی کام نہیں...... چنانچہ اسی فریضہ کی انجام دہی کیلئے آپ نے اپنا سارا وقت۔ اور سارا آرام اور سب کچھ ہی اس غرض کیلئے خدا کے حضور وقف کر دیا۔ کہ جس طرح بھی اسلام کی فتح کا دن قریب سے قریب تر آ جائے۔ اور اسی لگن کی جھلک حضورؓ کے شب و روز میں بھی نمایاں طور پر جلوہ پذیر تھی۔ ہزاروں سلام ہوں اس وجود پر جس کا ذرہ ذرہ اسلام پر فدا تھا۔

آپ کے دل کا حلیم ہونا اور پُر مزاح طبیعت

وحی الٰہی کی روشنی میں ایک خاص صفت جو حضورؓ کے وجود میں جلوہ گر پاتے ہیں وہ ہے آپ کے ''دل کا حلیم'' ہونا۔ ہر چند کے حضورؓ کے اندر دل کے حلیم ہونے کی صفت تھی مگر اس کیساتھ اس ضمن میں یہ عرض کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلال اور رُعب والی صفت سے بھی ایک غیر معمولی حصہ عطا فرمایا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضور کی رُعب و جلال والی کیفیت کے ساتھ بھی دراصل طمانیت اور سکینت کا ایک لطیف پہلو مخفی ہوتا تھا۔ کسی خادم سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو حالات کے پیش نظر اس پر مواخذہ بھی ضروری ہے۔ مگر اس کے بعد دل کے حلیم ہونے کی صفت بھی اپنے رنگ میں جلوہ گر ہونی شروع ہو جاتی۔ جس سے ساری کی ساری گزشتہ کوفت راحت اور طمانیت میں تبدیل ہو جاتی۔

پھر حضور کی طبیعت میں مزاح بھی تھا اور بہت ہی لطیف قسم کا مزاح تھا۔ مگر ہر بات اپنے مخصوص ماحول سے تعلق رکھتی ہے۔ مجھے یاد ہے۔ ہمارے تبشیر کے ایک مددگار کارکن ابراہیم ہوا کرتے تھے۔ غالباً وہ بعد میں بھی قادیان میں بطور درویش مسجد مبارک میں سکونت پذیر رہے۔ بہت ہی مخلص اور خوش مزاج خادم تھے۔ اردو ان کی مادری زبان تو تھی مگر ان کا مبلغ علم کوئی ایسا نہ تھا طبیعت کے بہت سادہ تھے گو ذوقؔ تخلص انہوں نے اپنا رکھا ہوا تھا۔ مگر شاعر وہ کسی صورت میں بھی نہ تھے ہاں شعر کہنے کا ذوق یا شوق کبھی کبھی ضرور آجایا کرتا تھا۔ مگر شعریت کے وزن یا ردیف قافیہ سے انہیں کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ ہاں نثر نما شعر کبھی ان سے ضرور نکل جاتا تھا۔ حضور اقدس نے ایک دفعہ جب ساکنینِ دارالواقفین کو ڈلہوزی جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو ہمارے یہ دوست بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ اور رونق کا باعث تھے۔ ہمارے واقفین کے قافلہ نے یہ سفر ٹریننگ کے خیال سے پیدل ہی انجام دیا۔ جبکہ حضور المصلح موعودؓ خود ان ایام میں ڈلہوزی تشریف فرما تھے۔ بہر حال قافلہ کی صورت میں چلتے چلتے ہم ڈلہوزی کے قریب ہوئے تو شام کا سماں تھا۔ دور سے ڈلہوزی کی روشنیاں چمکتی ہوئی نظر آئیں تو بہت بھلی معلوم ہوئیں۔ بجلی کے قمقمے ستاروں کی مانند نظر آرہے تھے اور بہت ہی پُر لطف منظر تھا یہ دلکش اور دلفریب نظارہ ہمارے بھائی ابراہیم صاحب نے جب دیکھا تو انکی طبیعت بھی وجد میں آگئی اور شعر کہنے کیلئے بھڑک اُٹھی۔ چنانچہ اسی وقت دو ایک شعر اپنے رنگ میں بے ساختہ موزوں ہو گئے۔ جو بعد میں واقفین کی دل لگی کیلئے زبانِ زد بھی رہے۔ اور دلچسپی کا باعث ہوئے۔ مگر ان اشعار کی نوعیت وزن اور قافیہ وغیرہ کے اعتبار سے کچھ اپنے ہی رنگ کی تھی۔ بالکل ایسے جیسے کسی نے کاغذ پر نثر کی عبارت لکھ کر درمیان میں ایک

شکن ڈالی کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہو۔ اور پھر سمجھ لیا کہ یہ ایک نظم کی صورت میں تبدیل ہو گئی ہے۔...... بہر حال ہمارے بھائی ابراہیم صاحب جواب تک ذوقؔ تخلص استعمال فرماتے تھے۔ ایک دفعہ جب ڈلہوزی میں حضور اقدسؓ کی موجودگی میں ابراہیم صاحب ذوقؔ کے ان شعروں کا تذکرہ ہوا اُس وقت حضور بھی کچھ ہلکے اور بے تکلفانہ موڈ میں تھے اور ابراہیم صاحب کے ساتھ بھی حضور ذرا بے تکلف ہی تھے۔ چنانچہ حضور نے جب ان اشعار کو سنا تو فرمایا کہ ''یہ اشعار ذوقؔ کے تو نہیں۔ غالبؔ کے معیار کے معلوم ہوتے ہیں'' حضورؓ کا یہ اظہار اپنی طرز کے پُر مزاح رنگ کا ایک ایسا اظہار تھا جس سے ہمارے بھائی ابراہیم صاحب بھی بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ حضورؓ کے اس اظہار کے بعد انہوں نے ذوقؔ کی بجائے اپنا تخلص غالبؔ رکھ لیا اور اب تک اسی نام سے وہ یاد کئے جاتے ہیں۔

گو واقعات تو حضور المصلح موعودؓ کی صحبت کے اور بھی ہیں مگر حضور کی پُر مزاح طبیعت کا ایک اور واقعہ خاص طور پر یاد آ رہا ہے جو ہمارے ایک وقف زندگی مبلغ بھائی سے متعلق ہے۔ یہ دوست بھی حد درجہ مخلص تھے اور ایک لمبا عرصہ انڈونیشیا میں بطور مبلغ کام کیا یہ میاں عبدالحیٰ صاحب (مرحوم) ہیں یہ میرے خاص دوستوں میں سے تھے۔ انہیں بھی ایک خاصہ وقت حضور اقدسؓ کے قرب میں کام کا موقعہ ملا ہے اور اس خوش قسمتی پر وہ بجا طور پر نازاں تھے۔ اتفاق سے ہمارے اس بھائی کا خط بہت ہی خراب تھا اور اس حد تک خراب کہ بسا اوقات خود ان سے بھی اپنی تحریر پڑھنی مشکل ہو جاتی۔ ہمارے مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر بعض دفعہ ان کا خط دیکھ کر ہی دفتر کو ہدایت دے دیا کرتے تھے کہ خط کا ترجمہ پیش کیا جائے۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدسؓ کو بھی ان کا خط پڑھنے میں ایک دفعہ بہت دقت

ہوئی۔ ایسی صورت میں انسان بعض دفعہ طبعاً غصہ میں آجاتا ہے۔ مگر ہمارے بھائی حضور کے ساتھ بہت اخلاص اور محبت کا تعلق رکھتے تھے اور خط خراب ہونے میں ان کا کوئی خاص قصور بھی نہ تھا۔ اتفاق سے یہ دوست اس وقت پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضور اقدسؒ نے ایسی صورت حال کا اظہار ایک نہایت ہی لطیف رنگ میں اور پُر مزاح رنگ میں کیا اور ان سے فرمایا۔ کہ ''میاں! خط تو میرا بھی خراب ہے مگر تم نے تو کمال ہی کر دیا ہے'' ...... حضورؒ کے ایسے اظہار سے ایک طرف جہاں حضورؒ کی پُر مزاح طبیعت کی ایک جھلک نمودار ہوتی ہے وہاں یہ مزاح حضور اقدسؒ کے بلند اخلاق اور بلند کردار کا بھی آئینہ دار ہے۔

حضورؒ کے بلند کردار اور بلند اخلاق کے واقعات تو بہت سے ہیں۔ جس کا یہ عاجز عینی طور پر شاہد ہے۔ مگر ان سب واقعات اور شواہد کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ اس نے اس نادر اور روحانی وجود سے ایک لمبا عرصہ فیضیاب ہونے اور ان سے متمتع ہونے کی توفیق بخشی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

خلافتِ ثالثہ کا دور

حضرت المصلح موعودؓ کی خلافت کے بعد اب پھر خلافتِ ثالثہ کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو 65ء سے 82 تک ۔یعنی 17 سال رہا۔چنانچہ آپ کی وفات جب ہوئی تو مصباح والوں نے مجھے بھی کہا۔کہ میں خلافت ثالثہ کے بارہ میں اپنے کچھ تاثرات لکھوں۔چونکہ آپ سے میرا تعلق میرے ساتھ تبلیغی زمانے میں رہا ہے بلکہ خلافت سے قبل بھی مجھے ان سے قرب رہا ہے۔اس لئے مَیں نے اختصار کے ساتھ اپنے مضمون میں کچھ تاثرات کا اظہار بھی کر دیا۔جو پیش خدمت ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی یاد میں
''محبت سب کیلئے نفرت کسی سے نہیں''

حضورِ انور سے اس عاجز کا دیرینہ رابطہ

خاکسار کو قادیان میں اپنے تعلیمی زمانہ سے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا تعلق رہا۔اور حضور کو قریب سے دیکھنے اور حضور کی شفقتوں سے لطف اندوز ہونے کا اتفاق ہوا۔حضور جب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے تو یہ عاجز ان دنوں مولوی فاضل کے آخری سال میں تھا (یہ 1938ء کی بات ہے) حضور جب جامعہ میں تشریف لائے تو تربیتی اغراض کے ماتحت آپ نے وہاں ٹیوٹوریل گروپ سسٹم کا آغاز فرمایا۔جس کے نتیجہ میں جامعہ کے ہر استاد کے سپرد چند طلباء کر دیئے۔کہ وہ اس کی نگرانی میں رہیں اور تربیت حاصل کریں

میرے لئے یہ امر بڑی خوشی اور مسرت بلکہ فخر کا باعث بنا کہ اس عاجز کو حضور نے خود اپنے گروپ کیلئے تجویز فرمایا۔ اور اپنی نگرانی میں لیا۔ ہمارا گروپ چھ طلباء پر مشتمل تھا جس میں پہلے نمبر پر محترم برادرم سید اعجاز احمد صاحب بنگالی تھے جو اس وقت جامعہ کی آخری کلاس درجہ رابعہ میں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد درجہ ثانیہ کے طلبہ کا نمبر تھا۔ جس میں سے ایک یہ عاجز تھا۔ اس گروپ کا نام ''مواسات'' تجویز کیا گیا۔ عملی زندگی میں گویا یہ میرا پہلا قرب کا تعلق تھا۔ جو حضور کے ساتھ مجھے حاصل ہوا۔

حضور کا خدام الاحمدیہ کی قیادت کا زمانہ

1939ء میں مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد وقف زندگی کے ضمن میں تعلیم و تربیت کا ایک نیا دور اس عاجز کے لئے شروع ہوتا ہے۔ جو دارالواقفین کی رہائش کے ساتھ وابستہ ہے عملی تربیت کا اور تعلیم کا یہ پُر لطف اور از حد مفید زمانہ 1945ء تک ممتد رہا۔ جس کے بعد جملہ واقفین پھر مختلف رنگوں میں متفرق ہو گئے اس زمانہ کی حسین یاد آج بھی جب آتی ہے تو دل کو گرما جاتی ہے عمومی نگرانی تو بہر حال ہم واقفین کی اس عرصہ میں حضرت المصلح موعود رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ میں تھی مگر یہ سارا زمانہ ہم واقفین کیلئے اس لحاظ سے بھی ایک خصوصی اہمیت کا حامل تھا کہ عملی ٹریننگ کا یہ عرصہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجلس عاملہ کی صدارت میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی راہنمائی اور قیادت میں گزرا اور اس دوران ہمیں بہت قریب سے آپ کو دیکھنے کا، آپ کے ساتھ کام کرنے اور آپ کی محبت اور شفقت بھری مجالس سے لطف اندوز ہونے کا ایک بھرپور موقعہ ملا۔ اور ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے بابرکت وجود میں تنظیمی قابلیت کے علاوہ احباب سے

ملنساری معاملہ فہمی، اور چہرہ پر ہمیشہ ہنسنے کھیلنے والی ایک مسکراہٹ جیسے اوصاف آپ کی طبیعت کے نمایاں کردار تھے۔

ہر چند کہ جماعت کے نوجوان طبقہ کی عمومی اور اعلیٰ نگرانی حضرت المصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھ میں تھی۔ مگر خدام الاحمدیہ کی تنظیم کا یہ ابتدائی دور جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ پروان چڑھا۔ یقیناً یہ دور حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کی باہمت اور باتدبیر قیادت کا بھی مرہون منت ہے۔

حضور کا بابرکت وجود اور انصار اللہ کی تنظیم

مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیم میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد جب آپ نے انصار اللہ میں شامل ہونے کا زمانہ آیا تو اس تنظیم کو بھی بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی وجہ سے کافی ڈھارس اور تقویت حاصل ہوئی۔ اس تنظیم کیلئے آپ کا وجود کس کس رنگ میں بابرکت ثابت ہوا۔ اور آپ نے کیا کیا کارہائے نمایاں اس ضمن میں سرانجام دیئے۔ یہ مضمون اپنے رنگ میں ایک اہم اور وسیع مضمون ہے۔ مگر ان سطور کا مقصد آپ کے کارہائے نمایاں کو بیان کرنا نہیں۔ بلکہ محض اپنے بعض تاثرات کو بیان کرنا ہے۔ جو آپ کو قریب سے دیکھنے کے نتیجہ میں دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ جہاں تک آپ کے کارناموں کے بیان کرنے کا تعلق ہے وہ کسی اور فرصت میں بیان کئے جاسکتے ہیں۔

اس موقع پر مَیں حضور کی طبیعت کا ایک خاص اور پُر لطف پہلو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا تعلق آپ کی پُر مزاح طبیعت سے ہے۔ مزاح کی اس قسم کی شگفتگی انسان کے اندر ایک ضروری اور عمدہ وصف ہے۔ جو کسی شخص کے کام میں اچھے رنگ

میں ممد ہوسکتا ہے۔ خصوصاً اس شخص کیلئے جس نے قوم کا لیڈر بننا ہو اور قوم کے معاملات اور مسائل کو سلجھانا ہو۔ طبیعت کی اس قسم کی لطافت اس شخص کے ماحول کو پُر بہار بنا دیتی ہے اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کیلئے تازگی اور بشاشت کا موجب ہوتی ہے۔

مزاح کا ایسا ہی ایک لطیف رنگ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طبیعت میں بھی تھا۔ جس سے ہم اکثر حضور کی مجالس میں محظوظ ہوتے۔ اس کی ایک جھلک بطور مثال کے اب بھی یاد آ رہی ہے۔ اور اس کا تعلق حضور کے ''انصاراللہ'' کی تنظیم میں شامل ہونے کیساتھ ہے۔ حضور جب اپنی عمر کے لحاظ سے خدام سے انصار میں شامل ہوئے۔ تو کسی دوست نے بے تکلفی کے رنگ میں آپ سے کہا کہ حضور تو اب بوڑھے ہو گئے ہیں اس فقرے پر آپ کی جدت طراز اور پُر مزاح طبیعت میں یکدم ایک چمک سی پیدا ہوئی اور اس فقرے کا ردِ عمل اس رنگ میں بیان فرمایا کہ نہیں مَیں بوڑھا نہیں ہوا۔ بلکہ انصاراللہ (تنظیم) جوان ہو گئی ہے۔ آپ کی اس لطیف توجیہہ سے تمام محفل زعفران ہو گئی۔

حضور کی شفقت نوازی اور اپنی طبیعت پر ضبط

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس شخص کے اوپر کسی کام کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسے ہر قسم کے سرد گرم حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور انتظامی لحاظ سے بسا اوقات کڑی نگرانی اور ڈسپلن ایسے امور اس کیلئے لازمی ہوتے ہیں۔ اور خلافت جیسی ذمہ داری اور اس کا بوجھ تو یقیناً کوئی معمولی بوجھ نہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کا خاص ہی فضل اس کی خاص ہی تائید انسان کے شاملِ حال نہ ہو۔ یہ بوجھ اور ذمہ داری اور

اس سے صحیح رنگ میں عہد برآ ہونا کسی کے بس کی بات نہیں۔......مگر ان تمام بوجھوں کے باوجود اکثر اور بیشتر آپ کے چہرہ پر ہم نے مسرت اور شگفتگی ہی کو رقصاں دیکھا ہے۔خدا جانے آپ کو اپنی طبیعت پر کس قسم کا ضبط تھا کہ ہمیشہ ہی احباب سے ایسے رنگ میں ملتے اور ایسے رنگ میں شفقت کا سلوک فرماتے کہ ملنے والا بس آپ ہی کا ہو کے رہ جاتا اور آپ کے محبت بھرے کلمات ہمیشہ ہی ایک مضطرب اور بیقرار دل کیلئے تسکین اور طمانیت کا پیغام ثابت ہوتے۔

حضورؒ کی شفقت کا ذاتی تجربہ

اس عاجز کو حضور کے ساتھ کچھ عرصہ بطور پرائیویٹ سیکرٹری بھی کام کرنے کا موقع ملا ہے۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا ہی فضل اور احسان ہے اور حضور اقدس کی شفقت نوازی کہ حضور نے اس عاجز کو اس خدمت کیلئے مشرف فرمایا۔ورنہ

ے درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

اور یہ عاجز تو کسی لحاظ سے بھی اس خدمت کا اہل نہ تھا۔یہ 1969ء کی بات ہے ان ایام میں اس عاجز کو حضور کی شفقت نواز طبیعت اور حضور پُر نور کے اور بہت سے طبعی خواص کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔اس حقیر خادم کے ساتھ بھی حضور نے جس شفقت کا سلوک فرمایا اسے مَیں کسی صورت بھی عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔مجھے یاد ہے کہ مَیں نے پہلے دن پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں حاضری دی تو حضور نے محض از راہ شفقت محترم جناب شیخ محبوب عالم خالد صاحب کے ذریعہ مجھے یاد فرمایا۔اور اپنی حضوری میں باریابی کا موقع عطا کیا۔یہ پہلی باریابی کسی دفتری کام کے تعلق میں نہ تھی بلکہ یہ محض حضور کی شفقت تھی کہ مَیں ذرا اس نئے ماحول سے

مانوس ہوجاؤں۔ اور میری طبیعت میں جو ایک طبعی حجاب سا ہے وہ ذرا دور ہو جائے۔ اور مفوّضہ فرائض کی انجام دہی میں کسی طور پر حائل نہ ہو۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں یہ چند لمحات اس عاجز کے لئے بہت ہی تسکین اور طمانیت کا موجب ہوئے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

حضور اس موقع پر بعض ضروری دستخط فرماتے جا رہے تھے جس کے ساتھ گاہے گاہے کچھ ضروری ارشادات بھی فرماتے جاتے۔ زندگی میں لطف وسکون کے ایسے مواقع اور ایسے لمحات بہت ہی کم میسر آئے ہیں۔ ایسے حسین لمحات کی یاد جب کبھی آتی ہے تو دل وجان کو گرما جاتی ہے۔

وہ کیا دن تھے طرب انگیز جب ہر ایک ساعت تھی

ایک اور پُر لطف یاد اور الوداعی ملاقات

اسی سال یعنی 1969ء مَیں جب میں اپنے اہل وعیال کو ربوہ چھوڑ کر ایک دفعہ پھر انڈونیشیا کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ تو اس وقت کے حضور کے محبت بھرے کلمات آج بھی میرے کانوں میں ایک لطف کے ساتھ گونج رہے ہیں۔ اور حضور کے ان جذبات کا تصور آج بھی میرے لئے ایک لطف کا باعث ہے۔ ہر چند کہ یہ روانگی حضور ہی کے ارشاد کے ماتحت تھی۔ اور اس لحاظ سے باعث اطمینان اور باعثِ تسکین تھی کہ اپنے امام کے ارشاد کی تعمیل میں خدمت کا ایک اور موقع میسر آرہا ہے۔ مگر حضور کی جدائی اور مرکز سے دوری کا تصور اور پھر بعض اپنے نجی حالات سے طبیعت کا متاثر ہونا۔ اور کسی قدر غم کے جذبات کا پیدا ہو جانا بھی ایک طبعی امر ہے۔ ایسے حالات میں جب یہ عاجز الوداعی ملاقات کیلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو

حضور نے جس رنگ میں بلکہ جس شفقت بھرے رنگ میں معانقہ سے مشرف فرمایا۔ وہ بڑی حد تک دل کیلئے تسکین اور طبیعت کیلئے ڈھارس کا موجب ہوا۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر حضور نے جن محبت بھرے کلمات سے اس عاجز کو نوازا وہ سارا عرصہ ہی اس عاجز کیلئے اور پیچھے میری اہلیہ کیلئے تسکین کا موجب رہے۔ حضور سے معانقہ کی کیفیت ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ بڑے شفقت بھرے انداز میں حضور نے فرمایا کہ اب آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں! حضور نے یہ فقرہ کچھ ایسے انداز میں فرمایا کہ گویا یکدم سے میرے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے۔ دوسرا فقرہ حضور کا اس کے بعد میری اہلیہ کے بارے میں تھا کہ ان کی طبیعت کیسی ہے جس سے حضور کا مقصود یہ تھا کہ آیا اس دفعہ کی جدائی ان کی طبیعت پر کوئی زیادہ گراں تو نہیں۔ بہر حال یہ دونوں اظہار حضور پُر نور کے کچھ اس رنگ کی مشفقانہ ہمدردی کے تھے کہ ان کی مٹھاس آج بھی ہمارے قلب اور جگر پر حاوی ہے اور لطف کا موجب ہے۔

حضور کی ہالینڈ میں تشریف آوری

حضور کے ذاتی اوصاف سے مستفیض ہونے اور حضور کو قریب سے دیکھنے کا ایک اور موقعہ وہ تھا جبکہ حضور اپنی خلافت کے تیسرے سال 1967ء میں یورپ کے دورہ کے دوران ہالینڈ تشریف لائے اور مشن ہاؤس کی ہماری تنگ سی جگہ میں مع حضرت بیگم صاحبہ محترمہ کے قیام فرمایا یہ عاجز وہاں مشن میں ان دنوں بطور انچارج تھا نا تجربہ کاری کے علاوہ کچھ بے سر و سامانی کا بھی عالم تھا ایسے حالات میں ایک نہایت ہی قابل قدر عظیم اور بابرکت وجود کی مہمان نوازی کے مراحل !! یہ شرف یہاں اپنی اہمیت کے لحاظ سے اپنا کوئی جواب نہیں رکھتا تھا۔ وہاں بہت نازک بھی

تھا۔مگر قربان جاؤں اس وجود کے جس نے اپنی خداداد بصیرت اور روحانی فضیلت کے باعث ہماری کمزوری کی اس رنگ میں چشم پوشی فرمائی کہ ہمیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ حضور کے آرام میں کس حد تک مخل ہوئے ہوں گے۔ ہر چند کے مشن ہاؤس کی تنگ جگہ کے پیش نظر ایک تجویز یہ بھی تھی کہ حضور کی رہائش کیلئے باہر کوئی اور جگہ تلاش کی جائے مگر حضور نے احباب جماعت اور مسجد کے قرب کو ترجیح دیتے ہوئے نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے بڑی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ مشن ہاؤس میں ہی قیام کرنا قبول فرمایا۔ اللہ اس قربانی کی اور احباب جماعت کے ساتھ حسن سلوک کی حضور کو بہتر رنگ میں جزا عطا فرمائے۔ آمین

حضور کے ساتھ کام کرنے کے پُر لطف لمحات

اس عاجز کو اُن ایام کی پر لُطف باتیں نہیں بھولتیں جب کہ یہ عاجز کچھ عرصہ کے لئے بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور کے قرب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ہر چند کے یہ کام انتہائی اہمیت کا تھا اور بہت نازک بھی۔اور ادھر میرے جیسا نا اہل اور نا تجربہ کار مگر باوجود ہر قسم کی خامیوں کے حضور نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ محبت اور شفقت ہی سے ضرورت پڑنے پر قابل توجہ امور کی طرف راہنمائی فرمائی۔اور یہ تو رہے دفتری امور! ان کے علاوہ بھی حضور کی عنایات کا سلسلہ روزمرہ ہی جاری تھا۔ ہر چند کہ مَیں حضور کا کوئی ذاتی ملازم نہ تھا اور نہ حضور کا کسی رنگ میں یہ فرض ہی تھا کہ حضور میرے کھانے پینے کی روزمرہ کی ضروریات کا کچھ خیال رکھتے۔مگر یہ محض حضور کی شفقت اور ذرہ نوازی ہی تھی کہ روزانہ دوپہر کے وقت حضور کی طرف سے کھانے کیلئے کچھ آجاتا تھا۔اور یہ کھانا حضرت بیگم صاحبہ

محترمہ خاص اہتمام سے مجھے دفتر میں بھجوایا کرتی تھیں اللہ انہیں اس نیکی کی بہتر جزا دے۔اس کھانے سے جولطف اور جوروحانی سرور مجھے حاصل ہوتا تھا۔اس کے بیان کی طاقت میرے الفاظ میں نہیں۔اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس لطف کی بہتر جزادے۔آمین

تجھ کواس لطف کی اللہ جزادے ساقی!

حضوراقدس کے ساتھ ایک قلبی تعلق

اس میں شک نہیں کہ اس عاجز کوحضور پُر نور کیساتھ بعض احساسات کے لحاظ سے اپنے بچپن ہی سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ سا محسوس ہوتا تھا۔جس کی ایک وجہ حفظ قرآن کا تعلق ہے۔اتفاق ایسا ہے کہ حضور اقدس نے جس بزرگ اور محترم استاد سے قرآن کریم حفظ کیا تھا اس عاجز کے استاد بھی وہی بزرگ تھے ہمارے حافظ صاحب محترم کا نام حضرت حافظ سلطان حامد تھا جو ملتان کے رہنے والے تھے۔ بینائی ذرا کمزور تھی قرأت کا انداز سادہ مگر پر لطف تھا بہت میٹھی میٹھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔جب تک آپ زندہ رہے قادیان کی مسجد اقصیٰ میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔آمین

ہر چند کے حضور اقدس کا اوراس عاجز کے حفظ کرنے کا زمانہ مختلف تھا مگر ایک ہی حافظ صاحب سے حفظ کا جو تعلق تھا وہ اس عاجز کی طبیعت پر کچھ اس رنگ میں اثر انداز تھا کہ جیسے کوئی ہم کلاس ہو۔ایسا احساس کچھ اپنی ہی مٹھاس اپنے اندر رکھتا ہے۔چنانچہ شائد یہی کچھ جذبہ تھا کہ جب مَیں ایک دفعہ ہالینڈ سے واپس آیا تو میرا دل چاہا کہ مَیں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت کوئی ایسی چیز تحفہ پیش کروں جسے حضور پسند فرمالیں۔اور قبول بھی فرمالیں ۔میرے پاس ان دنوں

قرآن کریم کا ایک خوبصورت قلمی نسخہ تھا جو ایک سو سال سے زیادہ پرانا تھا۔ یہ نایاب تحفہ مجھے ایک ترک دوست نے ہالینڈ میں دیا تھا۔ اور مجھے بہت عزیز بھی تھا۔ مگر مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس قرآن کو ہی مَیں اپنے قلبی جذبات اور احساسات کے ساتھ حضور کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چنانچہ میرے لئے یہ امر مسرت کا باعث ہوا کہ حضور نے میرے جذبات کی قدر دانی کرتے ہوئے اس تحفہ کو قبول فرمایا۔ فالحمد للہ۔ اس قرآن کریم کی جلد چمڑے کی تھی اور بڑی اچھی حالت میں تھا اور کسی ترک نے بڑی محبت اور قدر دانی کے جذبات کے ساتھ اسے لکھا تھا۔

اس کے علاوہ شائد ایسے ہی قلبی تعلق کے کچھ جذبات تھے کہ ایک دفعہ جب مَیں قادیان گیا (پارٹیشن کے کچھ سال بعد) تو دل چاہا کہ حضور کی رہائش گاہ النصرت جو دارالانوار میں واقع تھی اور جہاں حضور کی پُر بہار معیت میں اور حضور کی قیادت میں خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجلس عاملہ کے اراکین بیسیوں مرتبہ اکٹھے ہوئے اور حضور کی لطف بھری محفلوں سے ہم بہرور ہوئے۔ اس یادگار جگہ کی اگر ایک دفعہ پھر زیارت ہو سکے تو زہِ قسمت! چنانچہ یہ عاجز اسی جذبہ خصوصی کے ماتحت کوٹھی النصرت پر گیا۔ جہاں اب ایک معزز سکھ دوست رہائش پذیر تھے۔ یہ دوست بڑی محبت سے پیش آئے اور ساری کوٹھی ہمیں دکھائی۔ ہمیں کوٹھی کے اندر لے گئے اور نہایت اچھے رنگ میں ہماری مہمان نوازی بھی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جس وجود سے بھی قلبی تعلق ہو اس کی ہر چیز سے ہی انسان کو دلچسپی سی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جنوری 1946ء میں جب یہ عاجز بطور مبلغ انگلستان یہاں آیا تو اس قلبی تعلق کی ایک خواہش سی پھر بیدار ہوئی کہ آکسفورڈ جا کر حضور کا وہ کالج دیکھا جائے جس کے ساتھ حضور یہاں اپنی تعلیم کے دوران وابستہ

رہے اور چند سال کا عرصہ حضور نے وہاں گزارا۔ چنانچہ اسی جذبہ کیساتھ اس کالج کو بھی دیکھا اور کچھ وقت وہاں انہی تصورات میں کھویا رہا۔

ربوہ میں حضور سے ایک آخری ملاقات

حضورؒ اپنے بیرونی دورہ جات کے دوران جب کبھی ہالینڈ یا انگلینڈ تشریف لاتے تو حضور سے ملاقات تو ایک طبعی امر ہے ہی۔ مگر ایک خاص ملاقات ربوہ کی جوان آخری سالوں میں ہوئی ہر چند کے وہ مختصر تھی مگر اس کی یاد کبھی دل سے محو نہیں ہوتی۔ اور نہ کبھی ہوگی۔ یہ عاجز دس، گیارہ سال کے لمبے عرصہ کے بعد اور پھر لمبی بیماری کے بعد جلسہ سالانہ پر ربوہ گیا تھا چنانچہ وہاں سے واپسی پر حضور سے ملنے گیا تو باوجود اس کے کہ حضور ان ایام میں از حد مصروف تھے۔ حضور نے ازراہِ تلطّف شرف باریابی عطا فرمایا۔ جب مَیں ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا تو حضور اندر کمرے میں ٹہل رہے تھے اور ہاتھ میں کچھ ضروری کاغذات بھی تھامے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی حضور ٹھہر گئے اور کوئی خاص گفتگو کئے بغیر میرے دونوں بازوؤں کو سامنے سے تھام کر شفقت بھرے انداز میں فرمایا کہ اچھا اب آپ جا رہے ہیں۔ بڑی خوشی سے جائیں اللہ آپ کے ساتھ ہو۔ یہ ملاقات حضور سے بہت مختصر تھی مگر مختصر ہونے کے باجود دل کو گداز کر دینے والی تھی خصوصاً میری کمزور اور بیمار طبیعت کو اس سے بہت تقویت حاصل ہوئی اور میری روح کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو اس کی بہتر جزا دے۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کی ساری زندگی ہی محبت بھری یادوں سے بھری پڑی ہے اور اس حقیقت کی آئینہ دار ہے اور جس کا حضور زندگی بھر پرچار کرتے

رہے۔اوراس کی تعلیم دیتے رہے یعنی

"محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں"

دراصل حضور کی عملی زندگی کے بارے میں ایسے ہی تاثرات کا اظہار میری ان سطور کا مقصود تھا۔جن کو اس عاجز نے اپنے ذاتی تجربہ اور ذاتی حالات اور جذبات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔واللہ اعلم مَیں اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوسکا ہوں۔یہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

آخر پر اپنے مولیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ قابل قدر اور بابرکت وجود کو اپنی بے شمار رحمتوں اور فضلوں سے نوازے اور اپنے خاص قرب میں اعلیٰ علیّین کا مقام عطا فرمائے۔(ماہنامہ مصباح ربوہ مئی 1983ء صفحہ 13 تا 18)

پرائیویٹ سیکرٹری کا اعزاز

خاکسار ہالینڈ میں ایک لمبا عرصہ گزارنے کے بعد جب کچھ عرصہ کیلئے ربوہ آیا تو خاکسار نے اس دفعہ ربوہ میں کوئی ڈیڑھ سال کے قریب قیام کیا۔اوراس دوران حضور اقدس کے قرب کی وہ صورت پیدا ہوئی جو ایک احمدی کے لئے اور پھر میرے جیسے نالائق اور کمزور شخص کے لئے از حد سعادت اور برکت کا موجب تھی۔ باہر سے آنے کے بعد تبشیر میں اور بعض دوسری وکالتوں میں تو نمائندگی یا نیابت کا موقع ملتا ہی رہا ہے۔مگر اس دفعہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور اقدس کی شفقت اور نوازش سے حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔وذالک فضل اللہ ۔فشکر اللہ شکراً عظیما

اس سعادت اور نعمت پر جس قدر بھی خدا کا شکرادا کروں کم ہے مجھے اپنی

بساط اور اپنی قابلیت اچھی طرح معلوم ہے اور یہ اعزاز جو خدا کے فضل سے مجھ جیسے ناچیز کو ملا ، میں اس نعمت کا قرار واقعی حق ادا کرنے کے قابل ہی نہیں یہ اعزاز جماعت میں ایک اہم بلند اور قابل قدر اعزاز ہے مگر اس سے میرے دماغ میں کسی عُجب اور بڑائی کے خیالات پیدا نہیں ہوئے ۔ بلکہ حضور اقدس رحمہ اللہ کی شفقت اور قدر دانی کے طفیل شکر اور عجز کے جذبات ہی پیدا ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس سعادت کو میرے لئے اور میری نسل کیلئے خیر و برکات کا موجب بنائے ۔ آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور ذرہ نوازی

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے اس عاجز کو تینوں خلفاء کے زمانہ سے وافر حصہ عطا کیا۔ اور برکات سے متمتع ہونے کی سعادت بخشی۔ اول تو ہوش ہی حضرت المصلح موعودؓ کے زمانے میں سنبھالا۔ اور وقف کا عرصہ آپ کی زیر تربیت اور زیر نگرانی گزرا۔ پیشگوئی مصلح موعودؓ کے ضمن میں آپ نے مختلف مقامات پر جو تقاریر فرمائیں۔ ان میں بھی شامل ہونے کا موقع ملا۔ پھر خلافت ثالثہ کا سارا زمانہ ہی بطور مبلغ گزرا۔ بلکہ 69ء میں آپ نے اس عاجز کو بطور پرائیویٹ سیکرٹری بھی سرفراز فرمایا۔ فالحمد للہ۔ پھر مرکزی دفتر میں ایک عرصہ بطور نائب وکیل التبشیر اور قائمقام وکیل التعلیم بھی خدمات سرانجام دیں۔ پھر مرکز میں قضا کا کام بھی ایک عرصہ میرے سپرد رہا۔ بلکہ یہ خدمت لندن کے قیام میں بھی ایک عرصہ تک اس عاجز کے حصے میں آئی۔ ان تمام واقعات یا ایسے ہی دیگر امور کو تفصیلاً بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

اس کے بعد اس عاجز کی وابستگی اب جو خلافت رابعہ کیساتھ ہے۔ وہ کچھ اپنے ہی رنگ کی ہے۔ جس کے اظہار میں مَیں ایک خاص خوشی محسوس کرتا ہوں۔ حضور کی جو شفقت اور جو نوازشات اس عاجز گنہگار کے ساتھ ہیں ان کو بیان کرنا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ نہ میرے پاس وہ الفاظ ہی ہیں۔ کہ اس کا اظہار کر سکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں ان نوازشات کا بلکہ ان کے عشر عشیر کا بھی کسی رنگ میں اہل نہیں ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور حضور کی ذرّہ نوازی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم

بہرحال حضور کی شفقت اور نوازشات کا جال تو بہت وسیع ہے۔ صرف مختصر ہی عرض کرتا ہوں اور اس ضمن میں سب سے پہلے حضور اقدس کے دو ایک خطوط یا ان کے کچھ حصے ہی درج کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کے 80ء یا 81ء کے دو خطوں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جو میرے لئے بڑی روحانی اور ایمانی تقویت کا موجب تھے۔ اور 81ء کے خط میں آپ نے جن بعض امور کا میرے متعلق ذکر فرمایا ہے وہ تو میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔ یہ دونوں خط کافی لمبے ہیں۔ اور خود آپ کے اپنے ہاتھ کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ 80ء کے خط میں آپ فرماتے ہیں:۔

"پیارے برادرم حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط جو بڑے خوش کن مضمون پر مشتمل تھا۔ دسمبر گزشتہ میں مل چکا تھا لیکن مصروفیات نے اس طرح آگھیرا کہ خواہش کے باوجود قبل ازیں جواب دینے کی توفیق نہ ملی۔ آج کچھ فرصت ملی تو فوراً جواب دے رہا ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دوبارہ آپ کو خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ اور جسمانی اور روحانی دونوں زندگیوں کو بڑھا دیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ مزید شکر کا مقام یہ ہے کہ نہ صرف آپ کی اولاد کو بلکہ ان خاندانوں کو بھی جہاں آپ کے بچوں کے رشتے ہوئے سلسلہ کے فدائی بنا دیا۔ اور اگلی نسل کو احمدیت کی خدمت کی لگن عطا فرمائی۔ اور ان کی طبیعت میں سعادت رکھ دی۔ اور مزاج کو مؤدّب بنایا یہ سب ایسی بڑی نعمتیں ہیں کہ دنیا جہاں کے اموال ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کا فضل کہ دنیا کے لحاظ سے بھی آپ کو اور آپ سے تعلق والوں کو خوشحال اور کشادہ دست کر دیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان پاکیزہ

روحانی خوشیوں سے آپ کا سینہ لبریز رکھے۔ اور اپنی اولاد کی طرف سے آپ کی آنکھیں اور آپ کی طرف سے انکی آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔ آمین"

(13-01-80) (مرزا طاہر احمد)

پھر اس کے بعد 81ء کا حضور کا ایک خط ہے۔ وہ بھی بہت پیارا اور محبت بھرا خط ہے۔ اور حضور کے اپنے دست مبارک کا ربوہ سے ہی لکھا ہوا ہے۔ یہ کافی لمبا خط ہے اس کا کچھ حصہ میں عرض کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"پیارے برادرم حافظ قدرت اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"آپ کا پیار بھرا خط ملا جو آپ کی طبیعت کی وہ مٹھاس لئے ہوئے تھا جو بچپن میں ہم بچوں کو آپ کا گرویدہ بنائے رکھتی تھی۔ اور آج تک اس کی یاد دل کو بھلی لگتی ہے۔ شفقتوں کا جو آپ نے ذکر فرمایا۔ سچ فرمایا۔ لیکن رخ بدل دیا۔ مراد غالباً یہ تھی کہ آپ کی سمت سے ہماری سمت بہتی تھیں۔ دارالواقفین کے جن واقفین سے خاص طور پر میرے دل کا لگاؤ تھا۔ اس میں آپ بلاشبہ نمایاں تھے۔ طبیعت کی مٹھاس اور چہرے پر ہنسنے کھیلنے والی ایک مشفقانہ مسکراہٹ کے علاوہ آپ کی تلاوت کا سوز اور گہرا اثر دل کو گداز کر دیتا تھا۔ اور یادوں پر ایک دائمی نقش ثبت کر دیتا تھا۔ الحمدللہ کہ آج تک آپ کی تلاوت اسی طرح پُرسوز اور جوان ہے اور گزرتے ہوئے سالوں نے اس کو چھوا تک نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی قرأت کے اثر سے نماز کا لطف دو چند ہو جاتا ہے۔ .... یہ باتیں آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ کی منکسرانہ غلط فہمی دور ہو کہ شفقت کی سمت آپ کی طرف سے بہتی تھی.........."

والسلام

(19-05-81) خاکسار "مرزا طاہر احمد۔ ربوہ"

اس نوازش نامہ میں حضور نے جس قسم کی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا اور جس رنگ میں حضور نے اس عاجز گنہگار کے ضمن میں قدردانی اور اپنائیت کا اظہار کیا ہے یہ عاجز تو اس کے عشرِ عشیر کا بھی اہل نہیں ۔ بلکہ معاملہ بالکل اس کے اُلٹ ہے ۔ بہرحال یہ حضور کی سراسر ذرہ نوازی ہے جس کا اظہار حضور نے بعد میں بھی بعض دفعہ فرمایا۔ جو اس عاجز کیلئے ایک ڈھارس کا اور ازدیادِ ایمان کا موجب ہے ۔خدا کرے کہ ہم اپنے آپ کو کسی نہ کسی رنگ میں حضور کے ان الفاظ کا اہل بنا سکیں ۔اور ہمارا انجام بخیر ہو۔ آمین

جہاں تک اس عاجز سے حضور اقدس خلیفہ رابعؒ کی نوازشات اور شفقت کا تعلق ہے وہ تو ہمیشہ سے ہی اس حد تک رہی ہیں کہ یہ عاجز کبھی بھی ان کا حق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوسکا۔ مگر آخری سالوں میں تو حضورؒ کی نوازشات اور بھی زیادہ ہیں ۔ صرف مجھے ہی اپنی طبیعت اور نااہلی کی وجہ سے حضور سے ملنے میں اکثر کچھ حجاب سا ہی رہا ہے مگر حضورؒ میری طبیعت کے اس حجاب کو بھی سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ حضورؒ نے بعض دفعہ مجھے جرأت بھی دلائی ہے ۔ کہ میں خواہ مخواہ حجاب کے چکر میں نہ پڑوں ۔ اور بے دھڑک ملنے کیلئے حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں ۔ چنانچہ ایک دفعہ حضورؒ نے اپنے شفقت نامے میں جو 86ء میں حضور نے تحریر فرمایا اس کا ذکر بھی کیا۔ حضور فرماتے ہیں ۔

’’پیارے محترم حافظ قدرت اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

’’آپ کا نہایت پُر خلوص خط ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ آپ نے بہت پیارا شعر لکھا ہے ۔ آپ سے ملاقات تو مسجد میں ہوتی رہتی ہے ۔ لیکن جب چاہیں ملاقات کیلئے شوق سے آئیں ۔ آپ کو مسجد میں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے ۔ ملاقات

میں تردّد کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اور اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔''

والسلام

خاکسار مرزا طاہر احمد

17-11-86

اب مَیں حضور اقدسؒ کے خط کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں جو اس عاجز کے لئے اس پہلے شفقت نامے کی طرح قلبی مسرت اور سعادت کا باعث ہے۔ یہ خط حضور نے اپنے دستِ مبارک سے اس دن تحریر فرمایا جبکہ حضور دسمبر 91ء کے تاریخ ساز جلسہ قادیان کیلئے روانہ ہو رہے تھے۔ اور طبعی بات ہے کہ یہ دن حضورؒ کیلئے سخت مصروف دن ہوگا۔ مگر اس کے باوجود حضورؒ نے پورے ایک صفحہ کے لمبے خط سے اس عاجز کو اس شفقت نامے سے نوازا جس کی نظیر عام طور پر دیکھنے میں کم آتی ہے میرے لئے یہ خط یقیناً ایک نعمت خداداد سے کم نہیں ہے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

''پیارے برادرم حافظ قدرت اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''لوگ ظلم کر کے بھی معذرت نہیں کرتے۔ اور آپ اتنے پیار دل لبھانے والے انداز میں اظہار تعلق پر بھی نادم اور معذرت خواہ ہیں۔ کتنے عجیب ہیں آپ۔''

جس شعر سے آپ نے اپنے خط کا آغاز کیا۔ وہ تو آپ کی سب بزم تصور ساتھ ہی لئے چلا آیا۔ اسکی رنگینی، اسکی خوشبو، خلوص سے مہکی ہوئی فضا اس شعر کے اَنگ اَنگ میں بسی ہوئی تھی۔ ایسا پیارا خط۔ اتنی محبت بھری پُر خلوص دُعائیں لئے ہوئے الوداع کہنے آیا۔ ان تقویٰ میں بسی ہوئی دعاؤں سے بہتر میرے لئے اور کیا زادِراہ ہوسکتا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ فی الدنیا والآخرۃ

خدا کرے واپسی پر آپ سے اچھی صحت کی حالت میں خوش خوش گلے ملوں اور آپ کی خوشیوں سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب پیاروں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے۔'' خدا حافظ

والسلام

خاکسار مرزا طاہر احمد (لندن)

15-12-91

نوٹ: اس شفقت نامے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ حضورؒ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ جبکہ طبعی طور پر خیال ہے کہ حضورؒ کیلئے بہت مصروفیت کا دن تھا۔

مزید اس ضمن میں یہ امر میرے لئے اور بھی مسرت اور سعادت کا باعث ہے کہ قادیان کے اس صد سالہ تاریخی جلسہ سے واپس آ کر حضور نے پھر جلد ہی ایک نوازش نامہ اس عاجز کے نام اپنے دست مبارک ہی سے تحریر فرمایا جو حضور کی قلبی شفقت کا آئینہ دار ہے۔ یہ تینوں خطوط ہی حضورؒ کے ایسے ہیں جو اس گنہگار کی زندگی کا عزیز ترین سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو اس ذرہ نوازی اور شفقت کی بہتر جزا عطا فرمادے۔ آمین۔ یہ بھی حضور کے اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا خط ہے۔

اس تیسرے خط میں حضور فرماتے ہیں:۔

''پیارے برادرم حافظ قدرت اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''گو قادیان کے صد سالہ تاریخی جلسہ میں آپ خود تو نہ جا سکے۔ لیکن میرے ساتھ بارہا دارالانوار کی سیر میں چند لمحات کیلئے شامل ہوتے رہے۔

جب بھی دارالمجاہدین کے پاس سے گزرتے تھے۔ بلا استثنا ہر بار آپ یاد آتے رہے اور بعض دوسرے مجاہدین بھی۔ فمنهم من قضیٰ نحبهم۔

اللہ مرحومین کو اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے۔اور زندوں کی زندگیوں میں برکت دے اور صحت والی پُرسکینت بامراد زندگی عطا فرمائے۔''

''ہمیشہ کی طرح آپ کا یہ خط بھی جو 92-1-18 کا لکھا ہوا ہے۔اپنی سی مہک لے کر آیا۔ ماشاء اللہ۔چشم بد دور۔اللہ آپ کی لطیف صلاحیتوں کو ہمیشہ زندہ و پائندہ رکھے۔''

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

23-1-92

بعض عزیز واقارب کا ذکر
اور شادی خانہ آبادی

خاکسار کی شادی دسمبر 40ء میں ہوئی جسے کچھ عرصہ قبل نکاح حضرت سید محمد سرور شاہؓ صاحب مفتی سلسلہ نے پڑھایا، رخصتانہ کی تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ بھی تشریف لائے اور برکت بخشی ۔ میری اہلیہ محترمہ مبارکہ شوکت صاحبہ میری ماموں زاد محترم بابو عبدالطیف صاحب کی صاحبزادی ہیں اور قادیان کے گرلز ہائی سکول کی دینیات کلاسز کی تعلیم یافتہ ہیں۔ میری وقف زندگی بھی چونکہ شادی کیساتھ ہی بلکہ اس سے کچھ پہلے ہی شروع ہو چکی تھی ۔اس لئے وقف کی ٹریننگ کے سلسلہ میں قادیان کے دَور کا 5-6 سال کی رہائش کا عرصہ بھی تقریباً جدائی ہی میں گزرنے لگا۔ اور پھر دسمبر 45ء میں جبکہ خاکسار کے دو بچے بھی تھے ۔اہل وعیال سے بالکل ہی جدائی ہو گئی۔ اور دیگر واقفین کے ساتھ بطور مبلغ انگلستان کو روانہ ہو گیا اور اس کے بعد پھر کافی عرصہ باہر ہی گزارا۔ اور مختلف وقفوں میں 19-20 سال کا عرصہ اہل وعیال سے بالکل جدائی میں ہی بسر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس دوران خاکسار کی اہلیہ نے بڑے صبر وشکر سے اور ایمانی جذبہ سے ہر قسم کے سالہا سال تنگی ترشی کے حالات میں بطیّب خاطر سب کچھ تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ نیز اس دوران بچوں کی ہر قسم کی پرورش کی ذمہ داری اور تعلیم وتربیت کی نگرانی پورے ایمانی

جذبہ اور خلوص کے ساتھ انجام دی۔ بہت مشکل وقت بھی آئے مگر اہلیہ نے کبھی اُف تک نہ کی۔ اور نہ کوئی شکایت کا لفظ زبان پر لائے۔ اللہ تعالیٰ اس پُر خلوص اور ایمانی جذبہ کی انہیں بہتر جزادے۔ اور اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین ابتدائی جدائی کے سالوں میں جب خاکسار کے والدین زندہ رہے۔ انہوں نے بھی خاکسار کے اہل وعیال سے ہر قسم کی محبت اور تعاون کا ثبوت دیا۔ ہر قسم کے حالات میں ان کا خیال رکھا اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کی بہتر جزادے۔ اور اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

خاکسار کے اس وقت چار بچے ہیں عزیزہ صادقہ فرحت جولندن میں ہیں۔ عزیزم عزیز اللہ اور عزیزم جمیلہ اور عزیزہ نجمہ کینیڈا میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب کو خوش رکھے۔ اور اپنی رضا کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔

عزیزم عزیز اللہ ایک عرصہ سے جماعت مانٹریال کینیڈا میں بطور سیکرٹری کے خدمات انجام دے رہا ہے اور جماعت میں پورے طور پر اخلاص کیساتھ حصہ لے رہا ہے۔ چندوں میں بھی بہت باقاعدہ ہے۔ ملنساری اور مہمان نوازی اس کی طبیعت میں ہے اللہ اس کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ اور خوش رکھے۔ اور مزید قربانیوں کی اپنے فضل سے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ عزیزم عزیز اللہ نے انجینئرنگ انگلستان میں کی تھی جس کے بعد کچھ سال ملازمت بھی اسی ملک میں کی۔ مگر پھر 74ء سے شادی کے بعد کینیڈا میں ایک امریکن کمپنی میں بطور پروفیشنل انجینئر کا کام کررہا ہے۔ عزیزم عزیز اللہ کی شادی عزیزہ صبیحہ ایم اے سے ہوئی۔ جو برادرم محترم کرنل سعید صاحب کی صاحبزادی ہے۔ اور لجنہ مانٹریال میں نہایت سرگرمی سے خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اور لجنہ مانٹریال کی صدر ہیں۔ بہرحال یہ دونوں میاں بیوی جماعتی کاموں میں اور چندوں میں خلوص سے حصہ لے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہتر جزا عطا کرے۔اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں تینوں بچیوں کے تعلق سے جو داماد عطا کئے ہیں وہ سب ہی مخلص اور دیندار اور خادم دین ہیں۔ ہماری سب سے بڑی بچی عزیزہ صادقہ فرحت کی شادی 60ء سے قبل عزیز محترم عبدالمالک خاں صاحب ابن جناب محمد حسین خان صاحب صحابی سے ہوئی۔ مگر افسوس کہ عزیز عبدالمالک 72ء میں ہم سے جدا ہو گئے۔ چنانچہ اس کے کوئی دس سال بعد عزیزہ صادقہ فرحت کی شادی محترم شیخ مبارک احمد صاحب آف ساؤتھ ہال سے ہوئی۔

ہماری دوسری بچی عزیزہ جمیلہ کی شادی عزیز اسامہ سعید ابن لیفٹیننٹ کرنل محمد سعید صاحب آف کینیڈا سے ہوئی۔ عزیزہ جمیلہ نے اپنی بی ایس سی کی تعلیم اور کچھ پوسٹ گریجوایٹ تعلیمی حصہ انگلستان ہی میں کیا اور عزیز اسامہ نے بھی اپنے آخری تعلیمی حصے کینیڈا میں مکمل کئے اور اب ان کی رہائش بھی مانٹریال میں ہے یہ دونوں بھی اخلاص اور قربانی سے جماعتی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ عزیزہ جمیلہ بھی اپنے علاقہ میں مختلف خدمات انجام دی ہیں۔ اور لجنہ مانٹریال کی سیکرٹری ہیں۔

ہماری تیسری بچی عزیزہ نجمہ کی شادی عزیز طارق شکیل ابن چوہدری فضل الٰہی صاحب سے ہوئی جو کینیڈا میں اپنا بزنس کرتے ہیں اور جماعتی کاموں میں اخلاص اور شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ عزیزہ نجمہ شکیل بھی لجنہ کے اپنے علاقہ کی صدر ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے کاموں میں برکت اور اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ آمین۔

عاجز کے بہن بھائی

جہاں تک عاجز کے بھائی بہنوں کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بھی ایک نعمت سے کم نہیں۔ ان کا مختصر ذکر بھی خیال ہے تحدیثِ نعمت کا ہی آئینہ دار ہوگا۔

میرے بڑے بھائی محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور جو ابتداء 10-12 سال وہ قادیان میں بطور انچارج تحریک جدید خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اور پھر سالہا سال کا بہت لمبا عرصہ انہیں حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ بطور اسسٹنٹ یا بطور پرائیویٹ سیکرٹری خدمات سرانجام دینے کی سعادت حاصل رہی۔ اس زمانہ میں جملہ واقفین جو قادیان میں تھے اور اکثر طور پر دارالواقفین میں رہائش پذیر تھے ان کا تعلق بھی زیادہ تر ان کے ذریعہ سے ہی حضرت اقدسؓ کے ساتھ تھا۔ بہرحال ان کے دن رات اسی خدمت میں صرف ہوتے تھے اور خدمات دینیہ کے لحاظ سے ان کی ساری زندگی ہی قابل رشک ہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے۔ آمین

ایک میرے چھوٹے بھائی ملک عنایت اللہ صاحب ہیں جو اپنی ملازمت کے بعد اب سلسلہ کے لئے ہی وقف ہیں اور نیو گارڈن ٹاؤن لاہور کے صدر کے طور پر جماعتی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ انکی صحت اور عمر میں برکت دے۔

ان کے علاوہ خاکسار کی دو ہمشیرگان ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مخلص ہیں اور دینداری کے جذبات سے مخمور ہیں۔ ان دونوں بہنوں پر اللہ تعالیٰ نے یوں کرم فرمایا یا یہ کہ دیندار والدین کی نیک دعاؤں نے اپنا اثر دکھایا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں دونوں بہنوئی ایسے عطا ہوئے کہ وہ اپنی نیکی اور خدمات دینیہ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ میری بڑی بہن محترمہ امتہ الحمید بیگم صاحبہ تھیں۔ (اللہ انہیں غریق رحمت کرے) جو حضرت قاضی محمد رشید صاحب انصاری کی اہلیہ تھیں حضرت قاضی

صاحب پہلے کچھ عرصہ فیروز پور میں رہے۔ پھران کا قیام راولپنڈی میں ہوگیا جہاں ایک لمبا عرصہ وہ راولپنڈی کے امیر جماعت بھی رہے۔ مجھے یاد ہے میرا بھی بچپن ہی تھا۔انہوں نے ایک دفعہ خاص طور پر رمضان المبارک میں مجھے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی کہ مَیں وہاں آکر قرآن سناؤں (مَیں ان دنوں مدرسہ احمدیہ قادیان کا طالبعلم تھا) چنانچہ وہ خود قرآن کھول کر پیچھے میرا قرآن سنا کرتے تھے۔(اسی طرح کی دعوت ایک دفعہ انہوں نے مجھے نوشہرہ کیلئے بھی دی) بہرحال اس عاجز سے انہیں ایک خاص لگاؤ تھا۔ان گزرے ہوئے دنوں کی یاد آج بھی ایک سرور بخشتی ہے۔

حضرت قاضی صاحب بڑے متقی دیندار اور مخلص احمدی تھے زندگی سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف رہی۔ ملازمت کے بعد بھی وہ سلسلہ کے لئے ہی وقف رہے۔ ان کی اولاد بھی وقف رہی۔ان کی ملازمت اچھے اعلیٰ معیار کی تھی مگران کی وصیت کا معیار بھی بہت بلند تھا۔ان کی وصیت 1/3 کی تھی۔اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔

میری دوسری ہمشیرہ محترمہ سعیدہ بیگم صاحب ہیں جو محترم جناب مولانا ابوالعطا صاحب کی اہلیہ تھیں۔اور جو عزیزم محترم عطاءالمجیب صاحب راشدؔ حال امام مسجد لندن کی والدہ محترمہ ہیں۔حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں جماعت میں وہ خالدِ احمدیت کے طور پر معروف ہیں ان کے رشتہ کی تجویز خود حضرت مصلح موعودؓ نے فرمائی تھی جن کے ساتھ میرے والد صاحب محترم کے خصوصی تعلقات تھے۔ یہ رشتہ بفضلہٖ بہت بابرکت رہا۔حضرت مولانا صاحب کی ساری زندگی ہی خدمت دین کے لئے وقف رہی بلکہ ان کی اولاد بھی بفضلِ تعالیٰ وقف ہی رہی۔حضرت مولانا صاحب کو اس عاجز کے ساتھ بھی ایک خاص تعلق تھا چنانچہ عام میل ملاقات کے علاوہ متعدد مرتبہ سفر میں بھی اپنے ساتھ مجھے لے جاتے۔ چنانچہ

بعض ملاقاتوں کا مختصراً پہلے ذکر بھی آچکا ہے۔ان کی محبت بھری یاد بھی جب آتی ہے تو ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بہت بے نظیر شخصیت تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔آمین

نوٹ: اپنے بہن بھائیوں کے تذکرہ کے ساتھ مَیں اپنے ایک بہت ہی عزیز اور قابل احترام بھائی لیفٹیننٹ کرنل محمد سعید صاحب کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں جو ہمیں بھائیوں کی طرح عزیز تو ہیں ہی مگر ان کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق بھی کئی جہت سے ہے۔اور وہ ہمیشہ ہی بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔اور سلسلہ کے مخلص اور قربانی کرنے والے خادمین میں سے ہیں۔انہوں نے اپنی سرکاری ملازمت کے بعد اپنی زندگی دین کیلئے ہی وقف کر دی اور پھر سالہا سال کینیڈا میں بطور مربی کے کام کیا۔رشتہ کے لحاظ سے اول تو وہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں اور میری اہلیہ کے چچا زاد بھی۔ پھر وہ میرے ہم زلف ہیں یعنی ان کی نسبتی ہمشیرہ میری اہلیہ ہے اور پھر ان کی لڑکی ہماری بہو بھی جو ہمارے عزیزم عزیز اللہ کی اہلیہ ہیں۔اسی طرح ان کا لڑکا عزیز اسامہ ہمارا داماد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برادرم سعید صاحب کا زیادہ احترام ہمیں ان کی دینی جذبہ اوران کی جماعتی خدمات اوران کے اخلاص کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے اوران کی عمر میں برکت دے۔آمین

والدین مرحوم کی یاد اور تشکر کے جذبات

آخر پر مَیں اپنے نیک اور دعائیں کرنے والے مخلص والدین کا ذکر خیر ایک دفعہ پھر ضروری طور پر کرنا چاہتا ہوں جن کی یاد ہر لمحہ قدم قدم ہر دلی دعاؤں کے ساتھ دل میں ایک خاص جذبہ کے ساتھ موجزن رہتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے

طفیل احمدیت کی نعمت سے ہمیں متمتع کیا اور اس راہ پر چلایا۔ ملک صلاح الدین صاحب کی مرتب کردہ اصحاب احمد جلد ہفتم میں اپنے والد صاحب محترم کے حالات جب میں پڑھتا ہوں تو طبیعت بس انہیں حالات میں ہو کر رہ جاتی ہے۔ کہ کن مشکل حالات میں ان کو قبول احمدیت کی توفیق ملی اور پھر کس جذبہ کے ساتھ انہوں نے اپنے اس مقدس عہد کو آخر تک نبھایا جو محض اور محض اللہ تعالیٰ کا ہی احسان ہے آپکی زندگی میں سبق آموز واقعات تو اس قدر ہیں کہ ان کو اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرنا بھی آسان نہیں۔ آپ گویا چلتے پھرتے احمدیت کی تصویر اور تبلیغ تھے۔ ملازمت کے دوران آپ کی دیانتداری اور خصوصاً پھر نہر کے محکمہ میں اس کی مثال اور جگہ بہت کم ملتی ہے۔ آپ مہمان نواز بھی تھے اور غرباء پرور بھی۔ اور جہاں بھی آپ رہے طبعی طور پر احمدیت کے نام کو آپ نے روشن کیا۔ اور اپنی اولاد کو بھی اسی جذبہ پر قائم رکھنے کی اپنی دعاؤں کے ساتھ اور اپنے عملی نمونہ کے ساتھ کوشش کی۔ ان کے اس جذبہ اور عملی نمونہ میں ان کی اہلیہ یعنی خاکسار کی والدہ محترمہ بھی زندگی بھر برابر کی شریک رہیں وہ بھی بہت دعا گو اور تہجد گزار اور مخلص خاتون تھیں۔ ان کی بیعت بھی ابا جان کے ساتھ 1901ء کی ہے۔ اور وصیت بھی ان کے ساتھ کی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان سے انہیں بھی خاص تعلق تھا اور عقیدت کے جذبات تھے خصوصاً حضرت ام المومنینؓ سے تو والدہ صاحبہ محترمہ کو ایک خاص تعلق تھا اور حضرت ام المومنینؓ بھی اس خاص تعلق کو محسوس کرتی تھیں بہر حال والدہ صاحبہ محترمہ بہت ہی محبت کرنے والی ،ملنسار خاتون تھیں۔ انہوں نے ابا جان کیساتھ بھی بہت اتفاق اور محبت اور خلوص کے جذبہ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ان دونوں کا آپس میں کبھی کوئی اختلاف ہوا ہو یا کبھی آپس میں نااتفاقی ہوئی ہو بلکہ زندگی بھر وہ اتفاق اور محبت سے

رہے گوان دونوں وجودوں کی وفات پونے دوسال کے وقفہ کے ساتھ ہوئی۔ یعنی والد صاحب محترم مئی 52ء میں فوت ہوئے اور والدہ محترمہ دسمبر 53 میں مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ان دونوں کی تدفین مقبرہ بہشتی (ربوہ) کے مخصوص حضرت ام المومنین کے قطعہ کے قریب ترین حصہ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو غریق رحمت کرے۔ اور ہمیں ان کے نقش قدم پر ایمان اور اخلاص کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اور انجام بخیر کرے۔ آمین بہر حال یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایسے نیک اور مخلص والدین عطا کئے جنہوں نے ہمیں اس دینی راہ پر چلایا۔ فشکر اللہ شکراً عظیماً وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم

خاکسار

عاجز (حافظ) قدرت اللہ

حال لندن

وفات وتدفین

از عزیز اللہ صاحب

محترم والد صاحب کی وفات مورخہ 13 رمئی 1994ء بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔اسی روز شام کو مانٹریال سے روانہ ہو کر خاکسار اپنی ہمشیرہ مکرمہ جمیلہ پروین کے ساتھ اس سے اگلے روز لندن پہنچ گیا۔لندن ایئرپورٹ پر خاکسار کی بھانجی عزیزہ فریدہ خان اپنے میاں عزیزم ناصر احمد خان کے ہمراہ ہمیں لینے کیلئے پہنچے ہوئے تھے۔ایئرپورٹ سے گھر تک کا راستہ قریباً پون گھنٹہ کا تھا۔راستہ ہی میں وفات کی تفصیلات کا علم ہوا۔اور میری مذکورہ بھانجی نے ایک خواب کا بھی ذکر کیا محترم والد صاحب کی وفات کے ضمن میں یہ خواب محترمہ شاکرہ صاحبہ اہلیہ شکور احمد ندیم صاحب ابن محترم محمد یامین ندیم صاحب مرحوم کی ہے جو انہوں نے چند سال قبل بھی دیکھی تھی۔محترمہ شاکرہ صاحبہ میرے ہم زلف ڈاکٹر فاروق ندیم خاں کی بھانجی ہیں۔انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک باغ میں آئی ہیں۔جہاں حافظ قدرت اللہ صاحب (والد محترم) ایک دیوار کے پاس باغ کے بیچ پر بیٹھے ہیں اور وہ ان سے دریافت کرتی ہیں کہ آپ کہاں بیٹھے ہیں؟ والد صاحب محترم نے جواباً بتایا کہ میں جنت میں ہوں۔مزید پوچھا کہ دیوار کے دوسری طرف کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ بیگم صاحبہ کا باغ ہے۔دیوار کے پیچھے غالباً آم کا درخت ہے جن پر آموں سے لدی ہوئی شاخیں دیوار کے اس طرف جھکی ہوئی ہیں۔

محترمہ بھانجی شاکرہ صاحبہ بتاتی ہیں۔کہ جب انہوں نے محترم حافظ صاحب سے اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اس خواب کا ذکر نہ کیا جائے یہ خواب محترم والد صاحب کی وفات سے چند سال پہلے کا ہے جبکہ حضرت آصفہ بیگم صاحبہ حرم خلیفۃ المسیح الرابعؒ ابھی حیات تھیں۔

خاکسار نے اس خواب کو سُن کر کوئی زیادہ توجہ نہ دی اور گھر پہنچ گئے۔ اس سے اگلے روز میری چھوٹی ہمشیرہ بھی کینیڈا سے لندن آ پہنچیں اور بعد دوپہر مکرم و محترم امام صاحب مسجد لندن بھی ہمارے گھر آ گئے۔ جب ساری فیملی اکٹھی ہوگئی تو محترم امام صاحب نے تدفین کے بارہ میں دریافت کیا کہ نعش کو پاکستان لے جانا ہے کہ مقامی طور پر اسکی تدفین ہوگی تا کہ اس کے مطابق نعش کو تیار کروایا جائے اور یہ کہ Funeral Home والے بھی اسی فیصلہ کے انتظار میں ہیں محترمہ والدہ صاحبہ سے بھی پوچھا گیا کہ محترم والد صاحب کی اپنی کوئی خواہش تو نہ تھی جس پر والدہ صاحبہ نے کہا کہ ان کی ہمیشہ ہی یہ طبیعت رہی ہے کہ کسی کو بھی بلاوجہ تکلیف نہ دی جائے۔ اور یہ کہ جہاں بھی کسی کی وفات ہو وہیں اسکی تدفین مناسب ہے۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ تدفین مقامی طور پر ہی کی جائے۔ اس بات کی اطلاع کا مکرم امام صاحب نے ذمہ لیا کہ وہ Funeral Home کو بتا دیں گے۔ بعد میں مکرم امام صاحب کا فون آ گیا کہ Funeral Home کو اطلاع کر دی گئی ہے اور یہ کہ اگلے دن صبح 10:00 East لندن نعش کو غسل دینے کا پروگرام ہے اور یہ کہ خاکسار وہاں پہنچ جائے۔

چنانچہ اس کے اگلے روز وقت مقررہ پر خاکسار اپنے بھانجے عزیزم خالد خاں اور اپنی بھانجی کے میاں ناصر احمد خاں کی معیت میں Funeral Home پہنچ گیا۔ اور وہاں نعش کی تیاری کے بعد گھر واپس آ گئے۔ گھر پہنچنے پر مکرم امام صاحب نے اطلاع دی کہ حضور انور نے جنازہ پڑھانے کے لئے، بعد نماز ظہر، ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ کہ ہماری حضور سے ملاقات نماز ظہر سے قبل ہوگی۔

مکرم امام صاحب نے مزید اطلاع دی کہ گزشتہ شام جبکہ مقامی طور پر تدفین کا فیصلہ ہم کر چکے تھے مکرم امام صاحب نے قطعہ موصیان کے لئے ایک خاکہ تیار کیا۔ حضور انور نے گزشتہ سال جنوری میں فیصلہ فرمایا ہے کہ قطعاتِ موصیان دنیا کے مختلف

ممالک میں بھی ہونے چاہئیں۔اس لحاظ سے اگر حضور انور کی اجازت ہوتو انگلستان میں بھی قطعہ موصیان کا اجراء کیا جائے۔

حضرت بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بروک وڈ میں امانتاً مدفون تھیں۔یہ جگہ باقی احمدیہ قبرستان سے کچھ ہٹ کر تھی۔جو خاکہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔اس میں حضرت بیگم صاحبہ کی قبر کے دونوں جانب،دائیں اور بائیں 3 عدد قبروں کی جگہ دی گئی تھی اور مزید 3 لائنوں کی جگہ لی گئی تھی۔گویا اسطرح کل 28 قبور کی جگہ کی حد بندی کی گئی تھی۔

حضور انور کی خدمت میں جب یہ خاکہ پیش ہوا تو حضور نے اسے ازراہ شفقت منظور فرمایا اور محترم والد صاحب (حافظ قدرت اللہ صاحب) کی تدفین کی جگہ کی بھی نشاندہی فرمائی کہ حضرت بیگم صاحبہ کی قبر کے دائیں طرف ہو۔چنانچہ اسی ارشاد کی تعمیل میں انگلستان میں قطعۂ موصیاں کا آغاز ہوا جو مورخہ 16رمئی 1994ء کو عمل میں آیا۔

حضرت بیگم صاحبہ کی نعش کی منتقلی حضور انور کی وفات پر ہوئی۔جب ان کی نعش کو بروک وڈ سے اسلام آباد لے جایا گیا۔اوراس طرح حضرت والد صاحب مرحوم کی محترمہ بیگم صاحبہ کی نعش کے ساتھ ہمسائیگی تقریباً 9 سال رہی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ محترم والد صاحب مرحوم کی خوش بختی ہے کہ وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ کے ساتھ وابستگی کی توفیق عطا فرمائی۔فالحمد للہ علیٰ ذالک

غالباً اگلے روز میری بیوی کی بہن اہلیہ ڈاکٹر فاروق ندیم جن کی حضور انور سے ملاقات ہوئی۔اورانہوں نے حضور کے استفسار پر محترمہ شاکرہ صاحبہ کی خواب کا حضور سے ذکر کیا جس پر حضور انور نے فرمایا کہ یہ خواب تحریراًپوری تفصیل کے ساتھ حضور کی خدمت میں لکھی جائے۔

غالباًاس خواب کوتحریری طور پر بھی حضور انور کی خدمت میں لکھا گیا۔واللہ اعلم بالصواب

خاکسار عزیز اللہ

ابن حافظ قدرت اللہ صاحب مرحوم

مکرم ومحترم حافظ قدرت اللہ صاحب وفات پا گئے

انا للہ انا علیہ راجعون

نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک نہایت مخلص اور فدائی خادم مشرق ومغرب میں لمبا عرصہ خدمت اسلام کی سعادت پانے والے نامور مبلغ اسلام مکرم ومحترم حافظ قدرت اللہ صاحب 23 مئی 1994ء بروز جمعۃ المبارک صبح 10:30 لندن میں وفات پا گئے۔ انا للہ انا علیہ راجعون وفات کے وقت آپ کی عمر 77 سال سے متجاوز تھی۔

محترم حافظ صاحب کافی عرصہ سے بعارضۂ قلب بیمار تھے۔ متعدد بار دل کا حملہ ہوا۔ اسی طرح فالج کے حملہ نے بھی ان کی صحت کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ سانس کی تکلیف اور کمزوری بہت زیادہ ہو جانے پر آپ 29/اپریل کو کوئین میری ہسپتال میں داخل ہوئے۔ 9 مئی کو آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ ضعف قلب کے ساتھ ساتھ گردوں کی تکلیف شروع ہوگئی بالآخر انہی عوارض سے آپ نے جمعہ کے روز 13 مئی کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

محترم حافظ صاحب مرحوم کی نماز جنازہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 16 مئی 1994ء کو مسجد فضل لندن کے احاطہ میں نماز ظہر سے قبل پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد حضور انور نے محترم حافظ صاحب کی پیشانی پر دایاں دستِ مبارک رکھا اور زیرِلب دعاؤں سے نوازا۔ بعد ازاں جنازہ احمدیہ قبرستان بروک وڈ لیجایا گیا۔ جہاں مقبرہ موصیان میں حضرت بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہ کے دائیں جانب آپ کو سپرد

خاک کردیا گیا۔قبر تیار ہونے پر مکرم عطاء الجیب صاحب راشد امام مسجد فضل لندن نے دعا کروائی ۔نماز جنازہ اور تدفین میں احباب جماعت نے بہت کثیر تعداد میں شمولیت کی۔

مرحوم نے اپنے پیچھے اپنی اہلیہ اور چار بچے (ایک بیٹا اور تین بیٹیاں) چھوڑے ہیں۔جو سب شادی شدہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کا حافظ وناصر ہو۔

مختصر حالات زندگی

محترم حافظ قدرت اللہ صاحب 22 فروری 1917 کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔زندگی کا ابتدائی دور قادیان میں گزارا وہیں تعلیم پائی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ 1939ء میں وقف زندگی کی اور دارالواقفین میں تربیت حاصل کرنے کے بعد 1945ء میں بطور مبلغ انگلستان روانہ ہوئے۔ 1947ء میں ہالینڈ گئے جہاں مشن قائم کرنے کے بعد 15 سال بھر پور خدمت کی توفیق پائی۔10 سال انڈونیشیا میں بھی تبلیغ اسلام کی سعادت ملی۔گویا 27 سال کا طویل عرصہ میدان جہاد میں بسر کیا اور بہت جانفشانی سے مفوضہ فرائض سرانجام دیئے۔ریٹائرمنٹ کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت دین کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔محترم حافظ صاحب ان دس اولین خدام میں شامل تھے جن کے اجلاس میں خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جب لوائے احمدیت پہلی بار لہرایا گیا تو اس کی حفاظت پر مامور 17 خدام کے گروپ میں آپ بھی شامل تھے۔اسی طرح لوائے خدام الاحمدیہ کے ابتدائی محافظین میں آپ کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔لمبا عرصہ خدام الاحمدیہ میں کام کی توفیق پائی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرنے کا

موقع ملا۔محترم حافظ قدرت اللہ صاحب نہایت مخلص ،متقی ،فدائی خادم اور بلند پایہ عالم باعمل تھے ۔ لمبے عرصہ تک میدان تبلیغ میں نہایت اخلاص ،محنت ،جذبہ ،ایثاراور قربانی کے ساتھ مفوضہ فرائض سرانجام دیئے ۔ بہت ملنسار ،مشفق اور دعا گو بزرگ تھے ۔تلاوت میں بہت سوز اور تاثیر تھی ۔خودنمائی اور نمائش سے کوسوں دور تھے ۔ نہایت بےنفس اور خاموش خدمت کرنے والے بےلوث مجاہد اسلام تھے ۔ بےشمار اوصاف حسنہ کے مالک تھے ۔ایسے فدائی خادم سلسلہ کی وفات جماعت احمدیہ کے لئے یقیناً ایک بہت بڑا صدمہ ہے ۔

ادارہ الفضل محترم حافظ صاحب کی اہلیہ اور سب بچوں اور دیگر افراد خانہ کے اس موقعہ پر دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنے قرب میں بلند سے بلندتر درجات سے نوازتا چلا جائے ۔آمین

محترم حافظ صاحب کی وفات پر ایک ہمدم دیرینہ محترم ثاقب زیروی صاحب نے اپنے رسالہ ''لاہور'' میں تحریر فرمایا:

ساتھی! جو بچھڑ گئے

اس ہفتے قضاوقدر کے بلاوے پر دو ایسے ساتھیوں نے اس دار فانی کو خیر باد کہا جن کی مروتوں اور بے لوث محبتوں کا نقش قلب و روح کو ہمیشہ تابندگی بخشتا رہے گا۔ مبشر دین ہدیٰ حافظ قدرت اللہ ہالینڈ میں خدا کے پہلے گھر کی تعمیر و تکمیل (جو اس وقت ظہور میں آئی جب موصوف وہاں انچارج مشنری تھے ہمیشہ ان کی دعوت الی اللہ کیلئے تڑپ کی گواہی دیتی رہے گی۔

کم گو نستعلیق، نفاست پسند، جامہ زیب مگر جزرس۔ قواعد وضوابط کے مطابق ریٹائر ہو جانے کے باوجود اپنے آپ کو اپنے رب کے حضور خدمت دین کے لئے وقف ہی سمجھا اور دعوت الی اللہ سے متعلق ہر تقریب میں شرکت کیلئے بے چین رہے ایک ایسے محبت نواز دل کے مالک جو پرانی روح آفریں اور دلگداز یادوں کا خزینہ تھا۔ جن کی اپنے خطوط میں موصوف اکثر و بیشتر جگالی کرتے رہتے تھے اللہ ان سے رحمت و شفقت کا معاملہ فرمائے۔ اوران کے پسماندگان کا آپ نگہبان و کفیل ہو جائے۔ آمین

(ہفت روزہ لاہور 4/ جون 1994ء صفحہ 1)

محترم حافظ قدرت اللہ صاحب کے لئے تحریک دعا

مکرم عطاالمجیب راشد صاحب لندن سے بذریعہ فیکس اطلاع دیتے ہیں کہ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب سابق مربی ہالینڈ بیمار ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ دس روز سے ہارٹ

اٹیک ہوا ہے اور حالت تشویشناک ہے احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے۔

(الفضل ربوہ 12 مئی 1991ء)

محترم حافظ قدرت اللہ صاحب وفات پا گئے

15 سال ہالینڈ میں اور 10 سال انڈونیشیا میں خدمات انجام دیں۔

احباب جماعت کو افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے قدیمی اور مخلص خادم محترم حافظ قدرت اللہ صاحب 13 مئی بروز جمعہ لندن میں دن کے 10:30 بجے انتقال فرما گئے۔ آپ کی عمر 77 سال تھی۔ دس بارہ دن قبل آپ کو دل کا شدید دورہ پڑنے سے کوئین میری ہسپتال لندن میں داخل کیا گیا تھا۔ آپ لمبا عرصہ ہالینڈ اور انڈونیشیا میں مربی سلسلہ رہے۔

محترم حافظ صاحب حضرت محمد عبداللہ بوتالوی صاحب رفیق حضرت بانی سلسلہ کے بیٹے تھے۔ آپ 22 فروری 1917ء کو سرگودھا شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ خدا کے فضل سے پیدائشی احمدی تھے۔ آپ نے مولوی فاضل اور میٹرک تک تعلیم حاصل کی 1939ء میں خدمت دین کیلئے زندگی وقف کی۔ آپ کی پہلی تقرری 28 اپریل 1940ء کو ہوئی۔ بیرون ملک آپ کی خدمات کا آغاز جنوری 1946ء میں ہوا۔ جب آپ لندن پہنچے۔ بعدازاں 2 جولائی 1947ء کو آپ نے ہالینڈ مشن کی بنیاد رکھی۔ 1950ء میں آپ انڈونیشیا تشریف لے گئے اور 1954ء تک خدمات دین بجالاتے رہے۔ پھر جنوری 1956ء سے دسمبر 1967ء تک عرصہ 11 سال تک ہالینڈ میں خدمات بجالاتے رہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وکالت التبشیر سے وابستہ رہے۔ کچھ عرصہ حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمات بجا

لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بعدازاں ستمبر 1969ء سے 1975ء تک ایک بار پھر آپ کو انڈونیشیا بھیجا گیا۔ اور یکم اگست 1975 سے 30 دسمبر 1976ء تک ہالینڈ رہے۔ جہاں آپ کی ریٹائرمنٹ عمل میں آئی۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ لندن تشریف لے آئے اور متفرق طور پر جماعتی خدمات انجام دیتے رہے۔

محترم حافظ صاحب نے مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیمی میدان میں نمایاں رہتے تھے۔ نیشنل لیگ کور میں بھی نائب افسر رہے۔ مجموعی طور پر آپ نے پندرہ سال ہالینڈ میں اور دس سال انڈونیشیا میں خدمت دین انجام دی۔

آپ انگریزی، ڈچ اور انڈونیشی زبانیں روانی سے بول سکتے تھے۔ آپ سابق پرائیویٹ سیکرٹری مکرم مولانا عبدالرحمان انور صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور حضرت مولانا ابوالعطا صاحب کے برادر نسبتی تھے۔ احباب کی خدمت میں محترم حافظ صاحب کی بلندیٔ درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 15 رمئی 1994ء)

بخدمت مکرم ومحترم عطاء الکریم صاحب شاہد نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے پیارے بھائی جان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے ماموں جان کو آج یہاں احمدیہ قبرستان کے مقبرہ موصیان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ تفاصیل لکھ رہا ہوں اس حصہ کی نقل اخبار الفضل کو اشاعت کیلئے دے دیں۔ پیاری امی جان کو اللہ تعالیٰ حوصلہ اور ہمت دے۔ کہ اس عظیم صدمہ کو ہمت سے برداشت کر سکیں۔ بس عجیب اتفاق ہوا کہ چہرہ دیکھنے کی صورت بھی نہ بن

سکی کچھ ایسی حقیقت تھی ہم سب مغموم ہیں اور ساری جماعت اس صدمہ میں ہمارے ساتھ شریک ہے اللہ تعالیٰ سب کو جزا دے۔ حضور انور نے بھی صدمہ کو بہت محسوس کیا ہے اور نماز جنازہ میں معمول سے زیادہ دعا کروائی۔ عزیز اللہ، نجمہ، جمیلہ کینیڈا سے آ گئی تھیں۔ آپا، مومن خیریت سے ہیں قانتہ اور میری طرف سے امی جان کو آپ کی خدمت میں اور بھابھی جان کو بہت بہت سلام اور درخواست دعا۔ خاص دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کے پروگراموں میں غیر معمولی برکت عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار

عطاء المجیب

16-05-94

............مکرم ومحترم حافظ قدرت اللہ صاحب سابق مجاہد انگلستان ہالینڈ و انڈونیشیا کو آج مورخہ 16 مئی 1994ء بعد دوپہر لندن کے احمدیہ قبرستان کے مقبرہ موصیان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ قبل ازیں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بیت الفضل لندن کے احاطہ میں نماز ظہر سے قبل آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں احباب جماعت اور خواتین نے غیر معمولی کثرت سے شمولیت کی۔ جنازہ کے بعد حضور انور نے محترم حافظ صاحب کی پیشانی پر دایاں دست مبارک رکھا اور زیر لب دعاؤں سے نوازا۔ بعد ازاں جنازہ احمدیہ قبرستان بروک وڈ لے جایا گیا جہاں پر مقبرہ موصیان میں حضرت بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہ کی دائیں جانب آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ قبر تیار ہونے پر مکرم عطاء المجیب صاحب راشد امام بیت الفضل لندن نے دُعا کروائی۔ محترم حافظ صاحب عارضہ قلب سے لمبے عرصہ سے بیمار چلے

آرہے تھے متعدد بار دل کے حملہ ہوئے۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل بھی سخت حملہ ہوا۔ اور آخر میں گردوں نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا۔ جس کی بناء پر بالآخر آپ 13 مئی بروز جمعۃ المبارک 77 برس کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے خدمت دین سے بھرپور زندگی گزاری۔ نہایت مخلص اور فدائی خادم سلسلہ تھے بیشمار اوصاف حسنہ کے مالک تھے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے اپنی اہلیہ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں اپنی نشانی چھوڑی ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ..........

محترم وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ محترم حافظ صاحب کی وفات پر لکھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمہ اہلیہ صاحبہ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب بوساطت محترم عطاء المجیب راشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی رنج ہوا ہے کہ مکرم ومحترم حافظ قدرت اللہ صاحب بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ و انا علیہ راجعون

محترم حافظ صاحب ان خوش قسمت مجاہدین میں سے تھے جن کو ایک لمبے عرصے تک مغرب ومشرق میں اشاعت دین اور خدمت سلسلہ احمدیہ کی خدا تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ آپ نے میدان عمل میں نہایت اخلاص، محنت جذبہ ایثار اور قربانی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ ایسے فدائی خادم سلسلہ کی وفات جماعت احمدیہ کے لئے یقیناً ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔

اس موقع پر میں اپنی طرف سے اور وکالت تبشیر کی طرف سے آپ کی اور باقی لواحقین کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو صبر کے ساتھ یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور محترم حافظ صاحب کو

جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

والسلام

خاکسار

منصور احمد خان

محترم اللہ بخش صاحب صادق ناظم وقف جدید لکھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی مکرم عطاء المجیب راشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تھوڑی دیر قبل برادرم مکرم عطاء الکریم شاہد صاحب نے افسوس ناک خبر سنائی کہ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے ہیں۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔ اللہ انہیں اپنی رضا کی جنتوں میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور آپ سب لواحقین کو اجر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ازراہ کرم خاکسار کی طرف سے جملہ لواحقین کی خدمت میں تعزیت فرما دیں۔ مکرم حافظ صاحب اس عاجز سے خاص محبت اور شفقت کا سلوک فرمایا کرتے تھے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ آج پھر میرے پیارے ماموں مجھ سے جدا ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مکرم حافظ صاحب کی خدمات کو شرف قبولیت عطا کرے اور ان کی نیکیاں زندہ رکھے۔ آمین

والسلام

خاکسار اللہ بخش صادق

14-05-94

ربوہ

مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب کراچی سے تحریر فرماتے ہیں:۔

بخدمت محترم مولانا نسیم سیفی صاحب 23 جون کے الفضل کے شمارہ میں محترم حافظ قدرت اللہ صاحب کا ایک پرانا مضمون شائع کرکے آپ نے بہترین رنگ میں ٹریبوٹ پے کیا۔ میرے بھی بہت دیرینہ تعلقات تھے ان کی ابتداء اس وقت ہوئی جب یہ پہلی بار ہالینڈ میں متعین ہوئے۔ اس وقت کراچی جماعت کی کچھ انتظامی ذمہ داریاں مجھ پر تھیں۔ اس لئے باہمی ضرورت کے ماتحت خط و کتابت بھی رہتی۔ احمدیہ ہال کراچی جماعت کی اجتماعی زندگی کا مرکز ہے اس میں لاؤڈ سپیکر کا انتظام بہت ناقص تھا۔ ملک کے اندر اس وقت اچھے معیار کا یہ موجود نہ تھا۔ چنانچہ مَیں نے جماعتی ضرورت کا اظہار کیا اور لکھا کہ اگر فلپس کا تیار کردہ یہ ہمیں بھجوا سکیں تو ہماری مشکل حل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب نے بہت ہی مختصر وقت میں انتہائی کم قیمت پر یہ سپیکر کا سسٹم مہیا کر دیا۔ اور یہ کم و بیش 25 سال تک جماعت کی ضرورت کو پورا کرتا رہا۔ اور ہم پر یہ ان کا بہت احسان تھا۔ بڑی محبت کرنے والے دوست تھے پاکستان آتے تو میرے پاس قیام فرماتے۔ مجلسیں لگتیں علمی معیار اونچا تھا اور اشعار بہت یاد تھے ان کا برمحل استعمال بھی خوب آتا تھا۔ طبیعت میں مزاح بھی اور شگفتگی بھی چہرہ ہمیشہ متبسم خوش خو اور خوش رو تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد لنڈن انگلستان میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی دل کے عارضہ کے باعث صحت بہت کمزور رہتی تھی۔ پھر بھی حتی المقدور جماعت کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ اگرچہ بہت دور نہ تھی پھر بھی بیت الفضل میں آنا جانا مشکل ہوتا۔ گاہے گاہے ہمت کر کے جمعہ کی نماز میں پہنچ جاتے۔ اس سلسلہ میں اپنے بھانجے مولانا عطاء المجیب راشد صاحب کی بہت تعریف کرتے کہ باوجود مصروفیت کے بیت الفضل میں پہنچانے میں بہت مدد کرتے۔

صحت کی خرابی کے باعث ایک عرصہ سے پاکستان آنا بند تھا مگر مَیں جب انگلستان جاتا تو ان سے ملاقاتیں رہتیں۔ بڑے کھلے دل سے مہمان نوازی کرتے اور ان دعوتوں میں دوسرے چیدہ چیدہ احباب کو مدعو کرتے۔ اس طرح بہت سے احباب سے ملاقات ہو جاتی۔ آخری خط میں لکھا کہ بچے تو مصر ہیں کہ مَیں کینیڈا آؤں مگر مجھ میں ہمت کہاں۔ اس کے بعد بہت دیر تک ان کا خط نہیں آیا۔ تو مَیں نے لکھا مگر میرا یہ خط ان کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اپنے نہ ختم ہونے والے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ خدا تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہایت معذرت کے ساتھ گزارش ہے کہ اس کتاب کے چھپتے وقت سہواً تفصیلی نظرثانی نہ ہو سکنے کے باعث کتابت میں بعض کمیاں رہ گئی تھیں۔ ذیل میں اغلاط نامہ کے مطابق درستی کر کے ممنون فرمائیں۔ خاکسار عزیز اللہ

صفحہ نمبر	غلطی	صحیح
ٹائٹل		لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ
اظہار تشکر		وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود حال سے متیم
2	لائن 2 عطا ہوئی	عطا کی (فالحمد للہ علیٰ ذالک)
	بڑی مشکل سے ہوتا ہے	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
3	آخری لائن	وہ اس کیلئے بھی تیار ہوں گے
	بیک گراؤنڈ	بیک گراؤنڈ (Back ground)
4	لائن 2 ورنہ	زائد ہے
	لائن 6 یہ بھی	زائد ہے
	لائن 6 بھی	زائد ہے
5	لائن 4 کے	زائد ہے
6	لائن 15 کو وجود	زائد ہے
12	لائن 4 بھی	زائد ہے
	لائن 11 کتاب	کتب
	لائن 17 کے	کہ
16	لائن 11 عنہ	عنہا
	انجھولویوں	بجولیوں
17	لائن 15 دورے	دوسرے
19	لائن 2 بلازمت نہر	ملازمت محکمہ نہر
21	لائن 7 جزا	جزاء
23	لائن 18 جاری ہوگیا	جاری ہو گیا ہے
20	لائن 8 ریڑھا	ریڑھے
25	لائن 14 اوّل گئے	اوّل آ گئے
27	لائن 10 ہمارے	ہماری
	لائن 11 ہاکی کھیل	ہاکی کی کھیل
28	لائن 16 اور نہر بر ترپ تھی	وہ نہر پر ترپ تھی
30	لائن 17 شکل	تکلیف

31,32,33		حاشیہ سیٹ کرنے والا ہے
33	لائن 1 آواخر	اواخر
35	لائن 11 دارانوار	دارالانوار مزید صفحہ 39
37	لائن 5 نیکی طبع	لیک طبع
38	لائن 5 آپ نے فرمائی	آپ نے مرحمت فرمائی
	لائن 10 افسوس لگتا	افسوس ہوتا
	لائن 10 زیادت	زیارت
	لائن 18 تشریف لے گئی	تشریف لے گئیں
39	لائن 10 اور 11 مولانا شیر علی صاحب	حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ اور حضرت مولوی صاحبؓ
40	لائن 13 صورۃ	سورۃ
	لائن 17 انا للّٰہ و اِنّا علیہ راجعون	انّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون کتاب میں مختلف مقامات میں درستی درکار ہے
41	لائن 7,6 آئیت آیۂ	آیت
	آخری لائن چہ نسبت خاکسار	چہ نسبت خاک با عالم پاک
43	لائن 13 جسے	زائد ہے
	لائن 15 نبٹ لے گا	نبٹ لیں گے
48	لائن 16 کئے	کی
49	لائن 8 تھی	زائد ہے
50	لائن 13 وغیرہ	لدھیانہ
52	لائن 11 موعودؑ اس	موعودؑ نے اس
55	لائن 9 والوں تعاقات	والوں سے تعلقات
	لائن 19 مبلغین	مبلغ
56	لائن 3 کو	زائد ہے
58	لائن 14 پروگرامز	پروگراموں
64	لائن 7 خطا کاریں	خطا کاریاں
66	لائن 2 میں بالینڈ	میں نے بالینڈ
67	آخری لائن کہ	یہ
72	لائن 7 محمود الدین	محمد الدینؓ حضرت مولوی محمد الدین صاحبؓ
85	لائن 12 بندگاہ	بندرگاہ
95	لائن 15 ایسے	اس
98	لائن 3 45ء	55ء

S'Gravenaag se Kerk Bade	S'Gravenhrage Kork Bode	100
Leeuwen	Leewaen	101
کے	لائن 5 سے	103
جارج دی افیرز	لائن 14 اور آخری لائن جارج افیرز	104
کہ اس کی کیا وجہ ہے	لائن 18 کہ اس کیا وجہ ہے	106
Under standing		107
پیدا ہوا۔ (تھا زائد ہے۔)	لائن 17 پیدا ہوا تھا۔	
تجویز کیا گیا	لائن 17	
معافی نہیں کر سکتے۔	لائن 13 معافی نہ کر سکتے ہیں	108
ہے	لائن 13 ہیں	110
ایمبیسیڈرز	لائن 7 ایمبیسیڈر	111
آئیں۔	لائن 10 آئی	
منافی ہیں۔	لائن 11 منافی	
کی	لائن 10 کے	113
Uiltje	Uiltye	115
اسی طرح	لائن 11 اس طرح	120
شان	لائن 12,13	123
تھی	لائن 16 بھی	
خاص طور پر دعاؤں	لائن 12 خاص طور دعاؤں	124
ما ودّعك ربّك و ما قلٰی		125
	قرآنی آیات کی درستی درکار ہے	128
اروحِ رواں تھیں۔	لائن 10 روحِ رواں تھی	131
"کی" زائد ہے	لائن 8 کمزوریوں کی اور خطا کاریوں کی	132
"کی" زائد ہے	لائن 9 بیماریوں کی	
کسی غیر کیلئے تو شائد اتفاقی امور ہونگے۔	لائن 14-15 کسی غیر متوقع تو شائد یونہی اتفاق ہے	135
	عربی دعا کی درستی درکار ہے	136
اور چھ سال دوسری دفعہ	لائن 11 اور چھ سال ایک دفعہ	
Brochures	Broclurs	139

	فجزھم اللہ	فجزاھم اللہ
140	لائن 6 وہاں	میں
	لائن 8 وہ	زائد ہے
150	لائن 4 بیان کی جائے	بیان کئے جائیں۔
167	لائن 18	سالانہ جلسہ سالانہ سالانہ زائد ہے
255	لائن 4 وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء	
256	لائن 2 عربی کی دعا؟	والفضل ما شهدت بالاعداء
297	آخری لائن چہر	چہرہ
289	لائن 8،14 بھانجی	بھابی
296	لائن 16 1950.....1954	1952......دسمبر 1955
19	حافظ قدرت اللہ صاحب	
32	8 تصاویر	
56	8 تصاویر	
	نمبر 3 فوٹو دسمبر 1967ء 1947ء لکھا گیا ہے۔	
	نمبر 5 ایرانی ایمبیسیڈر ایرانی ایمبید رلکھا گیا ہے۔	
	نمبر 6 کرم الٰہی صاحب سپین، ملک عطاء الرحمن صاحب فرانس: ترتیب نام درستی درکار ہے	
	نمبر 7 تشریف فرماہیں۔ درستی درکار ہے۔	
64	8 تصاویر	
	نمبر 2 تشریف فرماہیں درستی درکار ہے۔ نمبر 4 ایمبیسیڈر ایمسیڈر لکھا گیا ہے۔ نمبر 8 مشتاق احمد باجوہ صاحب کی بجائے مولوداحمد خان صاحب ہونا چاہیئے۔	
136	8 تصاویر	
	نمبر 1 سوئزرلینڈ سوئیزرلینڈ لکھا گیا ہے۔ نمبر 3 پریذیڈنٹ سوکارنو سوئیکارنو لکھا گیا ہے۔ نمبر 4 (فوٹو سوراباپا 1953ء) سرابایا لکھا گیا ہے۔	
208	8 تصاویر	
	نمبر 1 دوسرا ''آپ'' لفظ زائد ہے دوسری لائن میں	
224	8 تصاویر	
	نمبر 1 محترم ندیم صاحب (کرنل سعید صاحب کی سمدھی ہیں) اور کرنل صاحب کے صاحبزادے عزیز اسامہ جو خاکسار کے داماد ہیں۔ نمبر 7 باقی دونوں بھائی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کی تصیح درکار ہے۔	



بیتِ المبارک ہیگ ہالینڈ مکرم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب، مکرم ابو بکر ایوب صاحب، مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ و انڈونیشیا